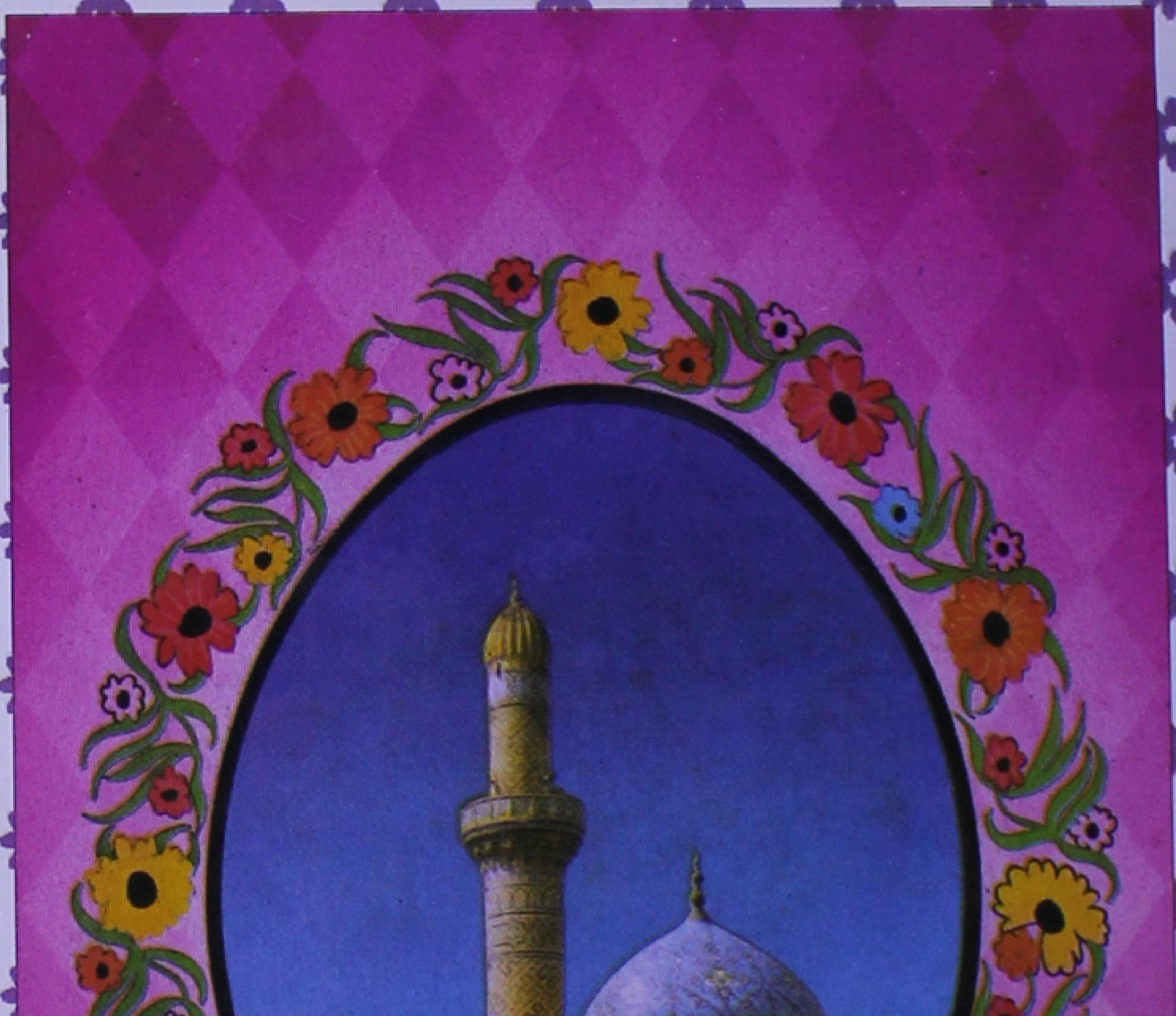


فقہ حنفی کے اساسی قواعد

محمد انور مگھالوی

فقہ حنفی کے اساسی قواعد

فقہ حنفی کے بنیادی قواعد کا اِحصاء اور اُن کی جامع تشریح،
ججز، وکلاء، فقہاء کے لیے تحقیق وجستجو سے مرتب کیا گیا معیاری مجموعہ
فقہ اسلامی کے مدرسین، طلبہ اور شریعتِ اسلامیہ کے
مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین کے لئے یکساں مفید

تالیف

(الاستاذ) ابوالعرفان محمد انور مگھالوی
شعبہ علوم اسلامیہ
مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف (ضلع سرگودھا)

زیر اہتمام

محمد رضاء الدین صدیقی

زاویہ

8-c دربار مارکیٹ لاہور

(042)7113553-(0303)6410692

نوٹ:- اس کتاب کے جملہ محاصل زاویہ فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کے علمی و تحقیقی مصارف کیلئے وقف ہیں۔

سال اشاعت	تعداد	ھدیہ
۲۰۰۳ء	500	100/- روپے

مرکز ترسیل

مکتبہ زاویہ

(۱) 10 مرکز الاویس (ستا ہوٹل) دربار مارکیٹ لاہور۔ فون 042-7117152

(۲) خالد ایجوکیشنل سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور۔ فون 042-7244157

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔

عرض مؤلف

"الوصول الی الاصول" کی تالیف کے بعد خیال پیدا ہوا کہ اصول فقہ کے ساتھ ساتھ فقہ سے متعلق کچھ کام کیا جائے مگر اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جب اپنے گریبان میں جھانکا اور اپنی علمی حیثیت بالخصوص فقہی معلومات کے بارے میں غور و فکر کیا تو کسی بھی اعتبار سے اپنے کو اس قابل نہ پایا کہ ایسا علم جو اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک بحر بیکراں ہے جس کیلئے علمائے محققین اور آئمہ مجتہدین نے اپنی زندگیاں وقف کر کے ہزارہا صفحات پر مشتمل کتب تحریر کیں اپنی کم مائیگی اور نہ ہونے کی مثل مطالعہ سے کچھ صفحہ قرطاس پر لاسکوں گا متعدد بار خیال آیا مگر ہر بار ہمت نے اسے عملی شکل دینے سے انکار کر دیا مگر اس دوران اپنے دوست احباب سے سلسلہ مشاورت جاری رکھا بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ وہ رحیم و کریم رب جو ہر حال میں اپنے بندے کی دستگیری فرماتا ہے اسی کی عنایات بے پایاں پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے کام کا آغاز کیا جائے جسطرح اس سے قبل "الوصول الی الاصول" کی تالیف و ترتیب میں اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کا صدقہ بیش بہا عنایات فرمائیں وہی اب بھی دستگیری فرمائے گا چنانچہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۳ بروز پیر بندہ ناچیز نے محض اپنے رب کریم کی ذات پر توکل کرتے ہوئے اور اس کے رحمۃ للعالمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم رحمت پر یقین رکھتے ہوئے اپنی اس حقیر کاوش کا آغاز کیا میں نے اس خیال سے علم فقہ کے وسیع و عریض اور مختلف الانواع موضوعات میں سے "قواعد" کا موضوع منتخب کیا کہ فقہ کے بیش بہا مسائل جو بڑی ضخیم کتب میں مختلف ابواب و فصول میں منتشر ہیں اور انہیں ازبر کرنا تو درکنار ان تک رسائی بھی خاصی پیچیدہ ہے ان سے متعلقہ وہ قواعد و ضوابط جو علمائے محققین نے مختلف کتب میں بیان فرمائے ہیں انہیں یکجا کر دیا جائے جو اپنے الفاظ کے لحاظ سے انتہائی مختصر ہیں مگر مسائل کو محیط ہونے کے اعتبار سے خاصے وسیع ہیں تاکہ علم فقہ سے شغف رکھنے والے ہر شخص کیلئے ان کی وساطت سے مسائل کا ادراک اور انہیں ازبر رکھنا آسان ہو جائے چنانچہ میں نے متعدد کتب فقہ کی خوشہ چینی کرتے ہوئے فقہ حنفی سے متعلقہ یک صد ایسے

قواعد کا انتخاب کیا جو عام فہم اور متداول ہیں اور ان کے بطور امثلہ ان مشہور و معروف اور متداول کتب احناف سے مسائل ذکر کیے ہیں جو تقریباً" تمام دینی مدارس کے سلیبس میں شامل ہیں اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہیں تاکہ ان قواعد کی مدد سے طلبا کیلئے کثیر مسائل یاد رکھنا آسان ہو جائے میں نے انتہائی سہل اور عام انداز میں مسائل بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک قواعد و ضوابط کی اصل قرآن و حدیث میں سے مجھے مل سکی اسے بھی بیان کر دیا تاکہ ان کی اہمیت و حجیت بھی واضح ہو جائے اور جن قواعد کے ساتھ ان کی اصل درج نہیں اسے میری بے بضاعتی پر محمول کیا جائے۔

میری یہ تمام تر کاوش حضور سیدی و مرشدی ضیا الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری عمید مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف اور ان بالغ نظر اساتذہ کرام کے مرہون منت ہے۔ جن کی نگاہ التفات اور شبانہ روز محنت کے سبب بندہ پر تقصیر اس قابل ہوا۔

آخر میں اپنے ان اساتذہ کرام اور دوست احباب کا شکریہ ادا نہ کرنا کفران نعمت کی مثل ہے جنکے مفید مشوروں اور وقتاً" فوقتاً" مسودہ کے مطالعہ کے سبب یہ حقیر کاوش آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے کے قابل ہوئی لہذا میں دل کی اتھاہ گہرائی سے سراپا سپاس ہوں اپنے انتہائی مشفق استاد محترم جناب مولانا محمد عبد الرزاق صدیقی صاحب مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف' جناب مولانا ملک محمد بوستان صاحب مدرس دار العلوم ھذا' جناب مولانا محمد انور حبیب صاحب مدرس دار العلوم ھذا اور جناب مولانا محمد اکرم لاہوری الازہری ناظم تعلیمات دار العلوم محمدیہ غوثیہ داتا نگر لاہور کا جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنا انتہائی قیمتی وقت اس ناچیز کیلئے وقف کیا اور مسودہ کی ترتیب و تدوین اور تزیین و آرائش میں ہر ممکن تعاون فرمایا رب کریم اپنی بارگاہ میں اپنے کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اسے شرف قبول عطا فرما کر اپنی جناب خاص سے تمام کو اجر جزیل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

عبدہ المفتقر
ابو العرفان محمد انور مگھالوی

قاعدہ اور ضابطہ میں تعلق

قاعدہ اور ضابطہ اس اعتبار سے مترادف ہیں کہ ہر دو کے تحت فقہی احکام درج ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود فقہاء نے ان میں بایں طور دقیق سا فرق بیان کیا ہے کہ قاعدہ عام ہوتا ہے اور اس کے تحت مختلف ابواب کی فروعات درج ہوتی ہیں مثلاً" قاعدہ ہے الیقین لایزول بالشک (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا) اس کا استعمال فقہ کے متعدد ابواب میں ہوتا ہے مثلاً" طہارۃ، صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج، نکاح اور طلاق وغیرہ۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں ضابطہ خاص ہے اس کے تحت صرف ایک باب کی فروعات درج ہوتی ہیں جیسے "عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ "كُلُّ مَا يُعْتَبَرُ فِيْ سُجُوْدِ الصَّلٰوةِ يُعْتَبَرُ فِيْ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ" (ہر وہ جس کا سجدہ نماز میں اعتبار کیا جاتا ہے اسی کا سجدہ تلاوت میں اعتبار کیا جائیگا) یہ صرف باب الصلوۃ کے ساتھ خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاعدہ اور ضابطہ میں نسبت عموم و خصوص" مطلق کی پائی جاتی ہے۔

قاعدہ اور نظریہ فقہیہ میں فرق

"اَلنَّظْرِيَّةُ الْفِقْهِيَّةُ هِيَ الْقَاعِدَةُ الْكُبْرٰى الَّتِيْ مَوْضُوْعُهَا كُلِّيٌّ تَحْتَهٗ مَوْضُوْعَاتٌ مُتَشَابِهَةٌ فِي الْاَرْكَانِ وَالشُّرُوْطِ وَالْاَحْكَامِ الْعَامَّةِ"
"(القواعد)"

(نظریہ فقہیہ سے مراد وہ بڑا قاعدہ ہے جس کا موضوع کلی ہو۔ جس کے تحت بہت سے موضوعات ہوں جو ارکان، شروط اور احکام عامہ میں باہم مشابہ ہوں) جیسے نظریہ عقد اور نظریہ بطلان مذکورہ تعریف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظریہ فقہیہ دو اعتبار سے قاعدہ فقہیہ سے مختلف ہے۔

نمبر۱: قاعدہ فقہیہ بذات خود حکم فقہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور بعد ازاں یہ حکم اپنے تحت آنے والی تمام فروعات کو شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے قاعدہ ہے الیقین لایزول بالشک اس قاعدہ سے ثابت شدہ حکم فقہی کا اطلاق ان تمام مسائل پر ہوتا ہے جن میں یقین اور شک باہم متعارض ہوں۔ جبکہ اس کے برعکس نظریہ فقہیہ بذات خود کسی حکم فقہی کو متضمن نہیں ہوتا ہے جیسے نظریہ ملک نظریہ فسخ اور نظریہ بطلان وغیرہ۔

نمبر۲: قاعدہ فقہیہ شرائط و ارکان پر مشتمل نہیں ہوتا جبکہ نظریہ فقہیہ کیلئے ان کا وجود

التقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

القاعدۃ۔ لغوی تعریف

"اَلْقَاعِدَۃُ الْاَسَاسُ فَقَوَاعِدُ الْبَیْتِ اَسَاسُہٗ"

قاعدہ کا لغوی معنی اساس (بنیاد) ہے اور قواعد البیت سے مراد گھر کی بنیادیں ہیں۔

اصطلاحی تعریف

۱۔ "اَلْاَمْرُ الْکُلِّیُّ الَّذِیْ یَنْطَبِقُ عَلَیْہِ جُزْئِیَاتٌ کَثِیْرَۃٌ یُفْھَمُ اَحْکَامُھَا مِنْھَا"

(الاشباہ والنظائر۔ تاج الدین سبکی)

(قاعدہ سے مراد وہ کلی امر ہے جس پر جزئیات منطبق ہوتی ہوں اور ان جزئیات کے احکام اس سے سمجھے جاتے ہوں)

۲۔ "حُکْمٌ کُلِّیٌّ یَنْطَبِقُ عَلٰی جَمِیْعِ جُزْئِیَاتِہٖ لِتُتَعَرَّفَ اَحْکَامُھَا مِنْہُ"

(مختصر قواعد العلائی۔ ابن خطیب الدہشہ)

(ایسا کلی حکم جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہے تاکہ ان کے احکام اس سے پہچانے جائیں) مذکورہ تعریف ایسے قاعدہ کی ہے جس کا مدلول عام ہو اور کسی فن سے مختص نہ ہو۔

قاعدہ فقہیہ کی تعریف

"حُکْمٌ اَغْلَبِیٌّ یُتَعَرَّفُ مِنْہُ حُکْمُ الْجُزْئِیَاتِ الْفِقْھِیَّۃِ مُبَاشَرَۃً"

(القواعد ۱؍۱۰۷ ابو عبداللہ محمد بن احمد المقری)

(قاعدہ فقہیہ سے مراد وہ اغلبی حکم ہے جس سے جزئیات فقہیہ کے احکام بلا واسطہ پہچانے جاتے ہیں۔

ضروری ہے

قواعد فقہیہ کی اقسام

قواعد فقہیہ کی دو قسمیں ہیں۔

نمبر۱: قواعد متفقہ نمبر۲: قواعد مختلفہ

(۱) قواعد متفقہ

ان سے مراد ایسے قواعد ہیں جن میں صیغہ استفہام مذکور نہ ہو اور ان پر مذاہب اربعہ یا ایک مذہب کے تمام محققین کا اتفاق ہو۔ اگرچہ بعض قواعد کے تحت بیان ہونے والے مسائل میں آئمہ کے مابین اختلاف موجود ہو۔ جیسے "اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا" "اَلْيَقِيْنُ لَايَزُوْلُ بِالشَّكِّ" "اِعْمَالُ الْكَلَامِ اَوْلٰى مِنْ اِهْمَالِهٖ" قواعد متفقہ میں سے ہیں امام جلال الدین سیوطی نے "القواعد الکلیۃ" ابو سعید الخادمی نے "مجامع الحقائق" اور ابن مالھادی نے "مغنی ذوالا نعام" میں اس نوع کے قواعد تحریر کئے ہیں۔

(۲) قواعد مختلفہ

ان سے مراد ایسے قواعد ہیں جن میں صیغہ استفہام یا ایسا قرینہ مذکور ہو جو ائمہ اربعہ یا ایک مذہب کے محققین کے مابین ان کے مختلف فیہا ہونے کی دلیل ہو۔ اور پھر ان کے تحت بیان ہونے والے مسائل فرعیہ میں اختلاف ظاہر ہو مثلاً "هَلِ الْعِبْرَةُ بِصِيَغِ الْعُقُوْدِ اَوْ مَعَانِيْهَا" "هَلِ الْعِبْرَةُ بِالْحَالِ اَوِ الْمَآلِ" "اَلنَّادِرُ هَلْ يَلْحَقُ بِجِنْسِهٖ اَوْ بِنَفْسِهٖ"

قواعد مختلفہ میں سے ہیں اس نوع کے قواعد کتب فقہ میں کثیر پائے جاتے ہیں اور کسی بھی مسئلہ میں اختلاف کے اسباب بیان کرتے وقت اکثر فقہاء کی زبان پر استعمال ہوتے ہیں ابن رشد نے "بدایۃ المجتہد" اور ابن الحاجب نے "المختصر الفقھی" میں اس نوع سے متعلقہ قواعد لکھیں ہیں۔

قواعد فقہیہ کی اہمیت

قواعد فقہیہ کی اہمیت محتاج بیان نہیں ان کے کثیر فوائد ہیں جو ان کی اہمیت کی روشن دلیل

ہیں ان میں سے چند فوائد درج ہیں۔

تَكْوِيْنُ الْمَلَكَةِ الْفِقْهِيَّةِ لَدَى الْبَاحِثِ" بحث کرنے والے میں فقہی ملکہ کا پیدا ہو جانا ہی ان کا سب سے اعلیٰ اور عظیم فائدہ ہے جس کی بناپر انسان کثیر فقہی مسائل میں حکم شرعی تلاش کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

"جَمْعُ الْفُرُوْعِ وَالْجُزْئِيَّاتِ الْمُتَنَاثِرَةِ" دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فقہی مسائل کی وہ فروعات وجزئیات جو متعدد کتب اور مختلف ابواب میں بکھری ہوتی ہیں اور انہیں جمع کرنے کیلئے انتھک کاوش کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر ازبر رکھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے ان قواعد کے ذریعہ وہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہیں اور پھر ذہن میں اسطرح ثابت رہتی ہیں کہ بوقت ضرورت قاعدہ کی مدد سے ان کا استعمال آسان ہو جاتا ہے۔

۳۔ "اِدْرَاكُ مَقَاصِدِ الشَّرِيْعَةِ وَاِسْرَارِهَا" ان قواعد کے ذریعہ مقاصد شریعت اور اسکے اسرار ورموز کا ادراک ہوتا ہے یعنی ان قواعد کے ضمن میں بیان ہونے والی جزئیات صراحتہ "مقصد شریعت کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جیسا کہ یہ قاعدہ ہے "الضرر یزال" تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرر کا خاتمہ مقاصد شریعت میں سے ایک عظیم مقصد ہے۔

قواعد فقہیہ کے ماخذ

قواعد فقہیہ کے متعدد ماخذ ہیں مثلاً "کبھی قاعدہ فقہیہ کتاب اللہ کی نص سے ماخوذ ہوتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے۔ "اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ" (مشقت آسانی لاتی ہے) تو اس کا ماخذ یہ ارشاد خداوندی ہے "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" (والانشراح ۶) ترجمہ (بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

کبھی قاعدہ فقہیہ کی اصل حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے جیسے قاعدہ ہے "اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا" اس کا ماخذ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ ارشاد گرامی ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" اسیطرح "اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ" اس حدیث طیبہ سے مستنبط ہے " اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَاَشْكَلَ اَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ اَوْلَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا" (مسلم شریف) (النظریات العامہ للمعاملات فی الشریعہ

الاسلامیہ ۴۴)

ترجمہ: (جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کوئی شئی پائے اور یہ اشتباہ ہو کہ کیا پیٹ سے کوئی شئی خارج ہوئی یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ وہ آواز سنے یا بو پالے)۔

اور کبھی ان قواعد کا ماخذ ایسے فقہی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جو کسی قرینہ کی بنا پر جمع ہوں جیسے قاعدہ ہے "يُغْتَفَرُ فِي الْبَقَاءِ مَا لَا يُغْتَفَرُ فِي الْإِبْتِدَاءِ" (القواعد الفقیہ ۵۴ عبدالوہاب ابو سلیمان)۔

حجیت قواعد

ایسے قواعد فقہیہ جن کا ماخذ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ہیں ان سے استدلال کرنا اور انہیں بطور حجت پیش کرنا بلا اختلاف جائز ہے کیونکہ ان سے استدلال کرنا اصل نصوص سے استدلال کرنے کے مترادف ہے مگر اس کے برعکس ایسے قواعد جو فقہاء کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہوں اور انہوں نے فقہی جزئیات میں استقراء کے بعد بطور نتیجہ بیان کئے ہوں ان کے بارے علماء کا اختلاف ہے بعض کا موقف یہ ہے کہ ایسے قواعد بطور شاہد پیش کئے جا سکتے ہیں مگر کسی حکم فقہی کے استخراج میں ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ان کا کہنا ہے "إِنَّ اِسْتِخْرَاجَ الْحُكْمِ مِنَ الْقَاعِدَةِ مَنْهَجٌ غَيْرُ سَلِيْمٍ" (قواعد سے حکم کا استخراج کرنا درست راستہ نہیں)۔

مگر ان کے برعکس ابن فرحون نے ابن بشیر کی سوانح حیات میں لکھا ہے "كَانَ ابْنُ بَشِيْرٍ يَسْتَنْبِطُ أَحْكَامَ الْفُرُوْعِ مِنْ قَوَاعِدِ أُصُوْلِ الْفِقْهِ وَعَلَى هٰذَا فِيْ كِتَابِهِ التَّنْبِيْهِ"

ابن بشیر فروعی احکام قواعد اصول فقہ سے مستنبط کرتے تھے اور انہوں نے یہی طریقہ اپنی کتاب التنبیہ میں اپنایا ہے) اسی جانب شیخ تقی الدین ابن دقیق العید کا رجحان بھی ہے۔

مذکورہ عبارت میں قواعد اصول فقہ سے مراد قواعد فقہیہ ہیں کیونکہ قواعد اصول سے استخراج احکام کا مسئلہ کسی بھی دور میں محققین کے درمیان سبب اختلاف نہیں بنا جیسا کہ " الدیباج ۸۷ "میں ہے "يُشِيْرُ ابْنُ فَرْحُوْنٍ بِالْقَوَاعِدِ الْأُصُوْلِيَّةِ إِلَى

اَلْقَوَاعِدِ الْفِقْهِيَّةِ اِذْهِيَ مَحَلُّ الْخِلَافِ اَمَّا الْقَوَاعِدُ الْاُصُوْلِيَّةُ فَمُتَّفَقٌ عَلٰى جَوَازِ اِسْتِخْرَاجِ الْحُكْمِ مِنْهَا وَاِطْلَاقُ الْقَوَاعِدِ الْاُصُوْلِيَّةِ عَلَى الْقَوَاعِدِ الْفِقْهِيَّةِ اَمْرٌ شَائِعٌ فِيْ ذَالِكَ الْعَصْرِ"

علامہ شہاب الدین قرافی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کا فیصلہ ایسے قواعد فقہیہ کے خلاف ہو جو ہر قسم کے معارض سے محفوظ و مامون ہوں تو وہ فیصلہ قابل عمل نہیں ہوگا جیسا کہ اگر قاضی نے مسئلہ سریجیہ میں طلاق واقع ہونے کا حکم دیا تو وہ قبول نہیں ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ فیصلہ اس معروف قاعدہ کے خلاف ہے۔ "اِنَّ مِنْ شَرْطِ الشَّرْطِ اِمْكَانُ اِجْتِمَاعِهٖ مَعَ الْمَشْرُوْطِ" (بیشک شرط کیلئے شرط ہے کہ مشروط کے ساتھ اس کا اجتماع ممکن ہو) اور مسئلہ سریجیہ میں شرط مشروط کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ مسئلہ سریجیہ یہ ہے کہ اگر مرد بیوی سے کہے "اِنْ طَلَّقْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَهٗ ثَلَاثًا" اگر میں تجھے طلاق دوں تو تجھے اس سے قبل تین طلاق تو اس سے متعلق ابو العباس احمد ابن عمر بن سریج الشافعی متوفی ۳۰۶ھ نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس میں شرط مشروط کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ پہلی تین طلاقیں بعد والی طلاق واقع ہونے کے مانع ہیں (ایضاح المسالک ص ۳۰۷)

حجیت قواعد کی بحث میں شہاب الدین قرافی کی رائے ہی زیادہ موزوں ہے۔

قواعد فقہیہ کی تاریخ

تاریخ فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعد کی فکر اور سوچ دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہو چکی تھی اس پر بطور استشہاد امام کسائیؒ اور امام محمد بن حسن شیبانی کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے جو اس صدی کے علماء کی زبانوں پر عام تھا۔ تفصیل کچھ اسطرح ہے کہ ایک دفعہ نحو کے مشہور امام علی بن حمزہ المعروف امام کسائی متوفی ۱۸۹ھ نے امام فقہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد رشید حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا "لَا اُسْئَلُ عَنْ مَسْئَلَةٍ فِي الْفِقْهِ اِلَّا اَجَبْتُ عَنْهَا مِنْ قَوَاعِدِ النَّحْوِ" مجھ سے کسی فقہی مسئلہ کے بارے سوال کیا جائے تو میں اس کا جواب قواعد نحو سے دوں گا) تو پھر امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے کہا "فَمَا تَقُوْلُ فِيْمَنْ سَهَا فِيْ سُجُوْدِ السَّهْوِ هَلْ يَسْجُدُ؟" (آپ کیا کہتے ہیں ایسے آدمی کے بارے جو سجدہ سہو میں بھول گیا کیا وہ پھر سجدہ سہو کرے گا؟) تو

جواب میں امام کسائی نے کہا "لا" نہیں "لِأَنَّ الْمُصَغَّرَ لَا يُصَغَّرُ" (کیونکہ مصغر کا پھر مصغر نہیں بنایا جاسکتا) اس واقعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آئمہ کرام قواعد اور ان سے احکام فقہیہ کے استخراج کی معرفت رکھتے تھے مذکورہ واقعہ میں بھی امام کسائی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکم ایک قاعدہ سے ہی استخراج کیا ہے۔

متقدمین فقہاء کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد قواعد ان کے درمیان متداول تھے جیساکہ "مدونہ" میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت یحیٰ بن سعید کو یہ کہتے ہوئے سنا "لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى الصَّفَا وَالسَّبْخَةِ وَلَا بَأْسَ بِالتَّيَمُّمِ بِهِمَا إِذَا لَمْ يَجِدْ تُرَابًا وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ التُّرَابِ (قَالَ يَحْيٰى): مَا حَالَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْأَرْضِ فَهُوَ مِنْهَا"

(پتھر اور شور پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور ان سے تیمم کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جب آدمی مٹی نہ پائے تو یہی مٹی کے قائم مقام ہوں گے (یحیی نے کہا) جو کچھ تیرے اور زمین کے درمیان حائل ہے وہ زمین میں سے ہے)

اسیطرح حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ "کتاب الام" میں ارشاد فرماتے ہیں " وَلَا يُسْتَنْجٰى بِرَوْثَةٍ لِلْخَبَرِ فَإِنَّهَا مِنَ الْأَنْجَاسِ لِأَنَّهَا رَجِيْعٌ وَكَذٰلِكَ كُلُّ رَجِيْعٍ نَجَسٌ" (حدیث طیبہ ہونے کے سبب گوبر سے استنجا نہیں کیا جائے گا بیشک وہ انجاس میں سے ہے کیونکہ وہ رجیع (پیشاب) ہے اور ہر رجیع نجس ہوتا ہے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل قواعد حضرت امام شافعیؒ کے وضع کردہ قواعد میں سے ہیں۔

"لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ" (خاموش کی جانب قول منسوب نہیں کیاجائیگا) "تَصَرُّفُ الْإِمَامِ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوْطٌ بِالْمَصْلَحَةِ" (رعیت پر امام کا اختیار مصلحت کے سبب ہوتا ہے)۔

مذکورہ بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اس دور میں قواعد موجود ضرور تھے مگر ان پر منفرد کوئی تصنیف موجود نہیں تھی۔

قواعد کی تدوین

سب سے اول قواعد فقہیہ کی تدوین کا سہرا حضرت ابوالحسن عبید اللہ بن الحسین الکرخی

متوفی ۳۴۰ھ کے سر ہے آپکی کتاب "اصول الکرخی" کے نام سے مشہور و معروف ہے آپ نے اسمیں قواعد فقہیہ کا عظیم مجموعہ ذکر کیا ہے ان میں سے چند قواعد درج ذیل ہیں۔

"اَلْاَصْلُ اَنْ یَثْبُتَ الشَّیْئُ تَبْعًا وَحُکْمًا وَاِنْ کَانَ قَدْ یَبْطُلُ قَصْدًا" "اَلْاَصْلُ اَنَّ مَاثَبَتَ بِالْیَقِیْنِ لَایَزُوْلُ بِالشَّکِّ" "اَلْاَصْلُ اَنَّ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَحْمُوْلَةٌ عَلَی السَّدَادِ وَالصَّلَاحِ حَتّٰی یَظْهَرَ غَیْرُهٗ" ان کے بعد محمد بن حارث بن اسد الخشنی متوفی ۳۶۲ھ اصول الفتیا" تحریر کی اور اس میں بعض قواعد فقہیہ تحریر کئے ان میں سے ایک یہ ہے۔

"اَلْاُمَنَاءُ مُصَدَّقُوْنَ عَلٰی مَافِیْ اَیْدِیْهِمْ"

(کلیات ابن غازی، ج ۱ ص ۱۸۲، ۱۸۴)

کتب قواعد فقہیہ

"کتب حنفیہ" (۱) "اصول الکرخی" یہ کتاب ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین الکرخی متوفی ۳۴۰ھ نے تصنیف کی اور اس میں انتالیس ۳۹ قواعد فقہیہ واصولیہ تحریر کئے اس کی شرح امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی متوفی ۵۳۷ھ نے لکھی اور ہر قاعدہ کے تحت مسائل تحریر کئے۔

(۲) "تاسیس النظر" یہ کتاب عبیداللہ بن عمر دبوسی حنفی متوفی ۴۳۰ھ نے تحریر کی۔

(۳) "الاشباہ والنظائر" اسے زین العابدین ابراہیم بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے تالیف کیا

(۴) "مجامع الحقائق" یہ کتاب محمد بن سعید الخادمی متوفی ۱۱۷۶ھ نے لکھی اس میں ایک سو چون قواعد فقہیہ درج کئے گئے ہیں اور پھر موئف نے بذات خود اس کی شرح "منافع الدقائق فی شرح مجامع الحقائق" کے نام سے تحریر کی۔

(۵) "مجلہ الاحکام العدلیہ" اسے سلطنت عثمانیہ کی علماء کونسل نے مرتب کیا اور اس کے مقدمہ میں ننانوے قواعد فقہیہ درج کئے۔

(۶) "الفوائد البهیه فی القواعد الفقهیه" یہ کتاب مفتی دمشق سید محمود آفندی متوفی ۱۳۰۵ھ نے تالیف کی۔

(۲) "کتب مالکیہ"

(۱) "اصول الفتیا" یہ کتاب محمد بن حارث بن اسد الخشنی متوفی ۳۶۱ھ نے تحریر کی اور اسے ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا۔

(۲) "انوار البروق فی انواء الفروق" یہ کتاب شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی متوفی ۶۸۴ھ نے تصنیف کی حلقہ علماء میں یہ کتاب فروق القرافی کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) "تھذیب الفروق والقواعد السنیۃ فی الاسرار الفقھیۃ" یہ کتاب محمد علی بن حسین مالکی مفتی مکۃ المکرمہ متوفی ۱۳۶۷ھ نے لکھی اس میں موئف نے فروق القرافی کو تہذیب و تزئین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۴) "المنھج المنتخب علی قواعد المذھب" یہ کتاب ابوالحسن علی بن قاسم الزقاق متوفی ۹۱۲ھ کی تالیف ہے۔

(۵) "ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک" یہ کتاب احمد بن یحیی الونشریسی متوفی ۹۱۴ھ نے تالیف کی اس میں ایک سو آٹھ قواعد درج ہیں۔

(۶) "المجاز الواضح" یہ کتاب محمد یحیی بن محمد المختار بن طالب عبد اللہ حوضی ثم الولاتی نے نظم کی صورت میں تحریر کی اور پھر اس کی شرح "الدلیل الماھر الناصح" کے نام سے لکھی۔

(۳) "کتب شافعیہ"

(۱) "قواعد الاحکام فی مصالح الانام" یہ کتاب عزالدین بن عبد العزیز بن عبد السلام متوفی ۶۶۰ھ نے تحریر کی۔

(۲) "الاشباہ والنظائر" یہ کتاب صدر الدین محمد بن عمر بن وکیل ابی عبد اللہ متوفی ۷۱۶ھ کی تالیف ہے۔

(۳) "الاشباہ والنظائر" اسے تاج الدین عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی سبکی متوفی ۷۷۱ھ نے تحریر کیا یہ کتاب مقدمہ ۳ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے اس کے تیسرے باب میں ایک سو پچاس قواعد درج ہیں۔

(۴) "المنثور فی القواعد" یہ کتاب بدرالدین محمد بن بہادر شافعی زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے لکھی ہے۔

(۵) "الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع الشافعیہ" یہ کتاب امام جلال الدین

عبدالرحمن سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے تالیف کی۔

(۴) کتب حنابلہ

(۱) "القواعد النورانیۃ" یہ کتاب احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے تالیف کی یہ کتاب عبادات اور معاملات کے مختلف فیہ مسائل پر مشتمل ہے۔

(۲) "القواعد" یہ کتاب عبدالرحمن بن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ نے لکھی اس میں ایک سو ستر قواعد درج ہیں اور تمام فقہ حنبلی کے موافق ہیں۔

(۳) "مغنی ذوالافہام عن الکتب الکثیرۃ فی الاحکام" یہ کتاب یوسف بن عبدالہادی مقدسی حنبلی متوفی ۹۰۹ھ نے لکھی اس کے آخر میں چھتر قواعد فقہیہ تحریر کئے گئے ہیں۔

عبدہ المفتقر
ابوالعرفان محمد انور گھالوی

قاعدہ نمبر ۱

"لَا ثَوَابَ اِلَّا بِالنِّيَّةِ"

ترجمہ

ثواب کا دارومدار نیت پر ہے

اس قاعدہ کی اصل اور بنیاد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (بخاری شریف)

ترجمہ

(حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ فرماتے سنا کہ اعمال صرف نیتوں کے ساتھ ہیں)۔

مذکورہ حدیث طیبہ کی وضاحت میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ" فرماتے ہیں "ثَوَابُ الْاَعْمَالِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِالنِّیَّۃِ" (اعمال کا ثواب نیتوں کے بغیر حاصل نہیں ہوگا)۔

نیت کی تعریف

"فِی اللُّغَۃِ الْقَصْدُ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ نَوَی الشَّیْءَ۔" لغت میں نیت کا معنی ارادہ کرنا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے "نوی الشئی" (اس نے کسی شئی کا قصد کیا)۔

شرعی تعریف

"تَوَجُّہُ الْقَلْبِ نَحْوَ الْفِعْلِ اِبْتِغَاءً لِوَجْہِ اللّٰہِ" (مرقات ج۔۱ ص ۴۰)

(اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کیلئے کسی کام کی طرف دل کو متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے)

(۲) "اَلْاِرَادَۃُ الْمُتَوَجِّھَۃُ نَحْوَ الْفِعْلِ اِبْتِغَاءً لِوَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلِاِمْتِثَالِ لِحُکْمِہٖ" (بیضاوی شریف)

(اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے حکم کی پیروی کرنے کیلئے کسی کام کی طرف متوجہ ہونے والا ارادہ نیت کہلاتا ہے)

(۳) "قَصْدُ الطَّاعَةِ وَالتَّقَرُّبِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ اِیْجَادِ الْفِعْلِ" (التلویح)
(کسی کام کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے قرب کے حصول کا قصد کرنا نیت کہلاتا ہے) ان تعریفات کی روشنی میں مذکورہ قاعدہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تک کوئی عمل خالصۃ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بارگاہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے پورے انہماک اور کامل توجہ سے نہ کیاجائے تب تک اس پر ثواب حاصل نہیں ہوگا اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ قاعدہ مختصر ہے مگر مسائل میں استعمال کے لحاظ سے انتہائی وسیع ہے۔

امثلہ

۱ تمام عبادات کے صحیح ہونے کیلئے نیت کرنا بنیادی شرط ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ عبادت کو عادت سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

مثلاً" نماز کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے فرض 'واجب 'سنت اور نفل وغیرہ کی نیت کی جائے اسیطرح باجماعت نماز کی ادائیگی کے صحیح ہونے کیلئے بھی امامت اور اقتداء کی نیت کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) زکواۃ کی ادائیگی بھی تب صحیح ہوتی ہے جب زکواۃ ادا کرتے وقت یا اپنے مال سے مال زکواۃ الگ کرتے وقت نیت کی جائے اسی لئے احناف کے معتمد علیہ قول کے مطابق زکواۃ بلا کراہ جائز نہیں ہوتی جیساکہ "محیط" میں ہے "وَمَنْ اِمْتَنَعَ عَنْ اَدَاءِ الزَّکوٰاۃِ فَالسَّاعِیْ لَایَأْخُذُ مِنْهُ کُرْهًا وَلَوْ اَخَذَ لَایَقَعُ عَنِ الزَّکوٰاۃِ لِکَوْنِهَا بِلَا اخْتِیَارٍ وَلٰکِنْ یُجْبِرُهٗ بِالْحَبْسِ لِیُؤَدِّیَ بِنَفْسِهٖ" (جس نے زکواۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تو زکواۃ وصول کرنے والا جبرا" اس سے وصول نہ کرے اور اگر اس نے وصول کی تو اس کی جانب سے زکواۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اسکی رضا کے بغیر وصول کی گئی ہے لیکن عامل (زکواۃ وصول کرنے والا) ایسے حالات میں بذریعہ حبس (قید) اسے مجبور کرسکتا ہے تاکہ وہ بذات خود زکواۃ ادا کرے

اسی طرح حاشیہ کنز میں موجود ہے "شَرْطُ صِحَّةِ اَدَاءِ الزَّکوٰاۃِ النِّیَّةُ وَقْتَ الْاَدَاءِ لِاَنَّهَا عِبَادَةٌ فَلَا تَصِحُّ بِدُوْنِ النِّیَّةِ وَقْتَ الْاَدَاءِ کَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ" ۵۲ (زکواۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کیلئے ادائیگی کے وقت نیت کرنا شرط ہے کیونکہ یہ عبادت ہے

اسلیے دیگر عبادات کی طرح ادائیگی کے وقت نیت نہ کرنے سے صحیح نہیں ہوتی)۔
(۳) اسی طرح دیگر عبادات مثلاً" روزہ' حج اور اعتکاف کی ادائیگی کے صحیح ہونے کیلئے بھی نیت ضروری ہے انہیں فرض' واجب' سنت اور نفل میں سے جس نیت کے ساتھ ادا کیا جائیگا اسی حکم کے ساتھ ادا ہونگے اور اسی کے مطابق اجر بھی مرتب ہوگا۔
(۲) عبادات کی طرح قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کی نیت کرنا' جہاد کے وقت اعلائے کلمۃ الحق کا قصد کرنا اور وصیت و وقف وغیرہ میں قربت کا ارادہ کرنا حصول ثواب کیلئے ضروری ہے۔
(۳) نکاح کرنا سنت موکدہ ہے مگر غلبہ شہوت کی صورت میں واجب ہے اس کے متعلق احناف کا موقف یہ ہے "اِنَّهٗ اَقْرَبُ اِلَى الْعِبَادَاتِ حَتّٰى اَنَّ الْاِشْتِغَالَ بِهٖ اَفْضَلُ مِنَ التَّخَلِّىْ لِمَحْضِ الْعِبَادَةِ" (الاشباہ والنظائر ۲۳)
(بیشک نکاح عبادت کے زیادہ قریب ہے یہاں تک کہ صرف عبادت کی نیت سے خلوت نشینی اختیار کرنے کی نسبت نکاح کرنا افضل ہے) اور اسکی تائید حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے "قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِىْ وَدِيْنِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ وَاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَلْيَتَزَوَّجْ وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَيْهِ سَبِيْلًا فَلْيُجَاهِدْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (کنزالدقائق ۹۷)۔
(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جو میرے دین اور حضرات داؤد' سلیمان اور ابراہیم علیہم السلام کے دین پر ہے اسے چاہئے وہ شادی کرے اور اگر اس کی قدرت نہ پائے تو پھر اللہ کے راستہ میں جہاد کرے) تو چونکہ یہ عبادت کے قریب ہے اس لئے حصول ثواب کے لئے اس میں بھی نیت کرنا ضروری ہے اور اس کی نیت یہ ہے "وَهُوَ اَنْ يَّقْصِدَ اِعْفَافَ نَفْسِهٖ وَتَحْصِيْنَهَا وَحُصُوْلَ وَلَدٍ" (الاشباہ والنظائر)
(یعنی آدمی اپنی پاکدامنی' عورت کی عصمت کی حفاظت اور بچے کے حصول کی نیت سے نکاح کرے)

المختصر مذکورہ بالا تمام احکامات اور کئی دیگر معاملات میں اجر اور جزا کا انحصار نیت پر ہے۔ اگر نیت خالص ہوگی تو اس پر اجر و ثواب بھی زیادہ مرتب ہوگا اور اگر نیت میں ریا اور تصنع وغیرہ کی آمیزش ہوگی تو پھر اجر اور ثواب بھی اسی کے مطابق کم ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر۲

"الأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا"

(اعمال کے احکام ان کے مقاصد (نیات) کے مطابق ہوتے ہیں) اعمال میں اجر و جزا کا انحصار مقاصد اور نیات پر ہوتا ہے۔ اور اغراض و مقاصد میں تغیر رونما ہونے سے ان کے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اس کی تائید فرمان خداوندی اور ارشاد نبوی سے ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ۝" (الشوری ۲۰ پ۲۵) جو آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھادیں گے اور جو شخص (صرف) دنیا کی کھیتی کا خواہشمند ہے تو ہم اسے اس سے دیں گے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا)

(۲) "مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا"
(ال عمران پ۴: ۱۴۵)

(اور جو شخص دنیا کا فائدہ چاہتا ہے تو ہم اسکو اس سے دیتے ہیں اور جو شخص آخرت کا فائدہ چاہتا ہے تو ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں) اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى" الحدیث)
(اعمال کا انحصار صرف نیتوں پر ہے اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی)

"مذکورہ آیات اور حدیث طیبہ کی روشنی میں قاعدہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو عمل خالصتہ" رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کیا جائے گا اور اس میں کوئی دنیوی غرض اور منفعت مقصود نہیں ہوگی وہ تمام اعمال سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا اور اس پر مرتب ہونے والا ثواب بھی کامل ہوگا اور اگر کسی عمل میں اطاعت خداوندی کے ساتھ ساتھ دنیوی مفاد بھی مطلوب ہوگا تو پھر دو میں سے اس کی ایک حیثیت ہوگی اگر دنیوی منفعت حلال ہوگی تو اس کا عمل درست ہوگا مگر دنیوی مقصد کے سبب ثواب کم ہوگا اور اگر دنیوی منفعت حرام ہوگی تو اس کا عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور حرام مقصود کے سبب باعث عقاب ہوگا"

پھر دو میں سے اس کی ایک حیثیت ہوگی امثلہ نمبر ا

فریضہ حج ادا کرنے والا اگر خالصۃ" حکم خداوندی کی تعمیل اور خالق کائنات کی خوشنودی کا قصد کرتا ہے تو اس کا حج کامل ہوگا اور اس پر ثواب بھی کامل حاصل ہوگا اور اگر سفر حج سے قبل

وہ فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ تجارت کا قصد بھی کرلیتا ہے تو چونکہ تجارت کا قصد شرعاً مباح ہے اس لئے فریضہ حج کی ادائیگی درست ہوگی مگر دنیوی منفعت کی آمیزش کے سبب ثواب کم حاصل ہوگا اور اگر کسی نے حج سے نیت یہ کی کہ حاجی کہلواؤں گا دوسروں کی نگاہ میں عزت و شرف بڑھ جائیگا تو گویا اس نے صرف ریاء شہرت اور تصنع کا قصد کیا تو چونکہ ایسی نیت شرعاً حرام ہے اس لئے ارکان حج کی ادائیگی کے باوجود وہ ادا نہیں ہوگا اور اس حرام نیت کے سبب سوائے مشقت اور تکلیف کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) اگر راستے میں پڑی ہوئی چیز کسی نے اس نیت سے اٹھائی کہ اسے مالک تک پہنچادے گا تو اس کا یہ عمل جائز ہوگا اور باعث اجر و ثواب ہوگا اور اگر ذاتی استعمال کی نیت سے اٹھائی تو وہ غاصب اور گنہگار ہوگا اور اس کا یہ عمل باعث عتاب ہوگا۔

(۳) میدان حرب میں اگر کفار نے اپنے لشکر کے سامنے اپنے ملک کے باسی مسلمانوں یا مسلمان قیدیوں کو بطور سپر (ڈھال) کھڑا کردیا تو مسلم فوج نے اگر حملہ کرتے وقت کفار کا قصد کیا تو ان کا یہ اقدام درست ہوگا اگرچہ اس سے مسلمان بھائیوں کو بھی نقصان پہنچے اور اگر مسلمانوں کے قتل کا قصد کیا تو پھر ان کا عمل حرام ہوگا جیسا کہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے "اَلْکَافِرُ اِذَا تَتَرَّسَ بِالْمُسْلِمِ فَاِنْ رَمَاہُ مُسْلِمٌ فَاِنْ قَصَدَ قَتْلَ الْمُسْلِمِ حَرُمَ وَاِنْ قَصَدَ قَتْلَ الْکَافِرِ لَا"

(۴) اگر کسی نے بزاز کے پاس کپڑا دیکھا اور زبان سے سبحان اللہ یا درود پاک وغیرہ کے الفاظ کہے اور اس سے مقصود کپڑے کی عمدگی اور اعلیٰ نوعیت کا اظہار ہو تو اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا اگر مقصود کپڑے کی عمدگی کا اظہار نہ ہو تو پھر ایسا کہنا باعث اجر ہوگا۔

(۵) اگر آدمی اپنی ضرورت اور حاجت کے سبب بازار جاتا ہے تو اس کا یہ عمل مباح ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ یہ نیت بھی کرلیتا ہے کہ اگر کسی کو برائی کرتے دیکھا تو اسے روک دوں گا تو اس کا جانا باعث ثواب بن جائیگا۔

(۶) میت کو ایصال ثواب کے لئے تیسرا، چوتھا اور چالیسواں وغیرہ کیا جاتا ہے اگر اس سے مقصود صرف یہ ہو کہ اس طرح لوگوں کو جمع کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ ایک امر مستحب ہے تو لامحالہ ایسا کرنا درست ہے اور اگر نیت یہ ہو کہ ایصال ثواب کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ایام مخصوص ہوں اور کھانا اور دیگر اشیاء سامنے ہوں علاوہ ازیں ایصال ثواب نہیں ہو سکتا تو پھر ایسا

کرنا قطعاً" درست نہیں اور اگر اسے فرض 'واجب کا درجہ دے دیا جائے تو یقیناً" ایسا نظریہ غلط ہے مطلقاً" ایصال ثواب سنت سے ثابت ہے اور اس کے لئے دن 'وقت اور کھانے وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں اگر مصلحت کے پیش نظر تعیین کردی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قاعدہ نمبر۳

"اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّکِّ"

ترجمہ: (یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا)

اگر کسی شئی میں ایک حکم بالیقین ثابت ہو اور پھر اس میں شک لاحق ہو جائے تو اس سے یقینی حکم زائل نہیں ہوگا جب تک لاحق ہونے والا شک یقین میں تبدیل نہ ہو جائے اس قاعدہ کی تائید حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے

"اِذَا وَجَدَ اَحَدُکُمْ فِیْ بَطْنِہٖ شَیْئًا فَاَشْکَلَ عَلَیْہِ اَخَرَجَ مِنْہُ شَیْءٌ اَمْ لَا؟ فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا"

(الاشباہ والنظائر) ص: ۵۶)

ترجمہ

(جب تم میں سے کسی نے اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائی پھر یہ تمیز مشکل ہو گئی کہ کیا پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے باہر نہ جائے یہاں تک کہ وہ آواز سنے یا ہوا کی بو محسوس کرے) اس ارشاد گرامی سے یہ معلوم ہوا کہ جب نمازی طہارت کے یقین کے ساتھ اپنی نماز شروع کردے اور پھر حدث کا شک لاحق ہو جائے تو صرف شک سے طہارت کا یقین باطل نہیں ہوگا ہاں اگر آواز یا بو کے ذریعے حدث لاحق ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر سابقہ حکم باطل ہو جائیگا۔

امثلہ

(ا) اگر کسی نے اپنی نماز بالیقین مکمل کرلی اور پھر رکعت چھوٹ جانے کا شک لاحق ہو جائے تو اس سے یقین زائل نہیں ہوگا نتیجہ "اس پر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا ہاں اگر رکعت چھوٹ جانے کا یقین ہو جائے تو پھر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

(۴) اگر کپڑا نجاست لگ جانے کے سبب ناپاک ہو جائے اور محل نجاست معلوم نہ ہو تو مکمل کپڑے کو دھونا واجب ہے چاہئے محل نجاست جاننے کے لئے تحری کی جائے یا نہ کی جائے کیونکہ مکمل دھونے میں کپڑے کی طہارت یقینی ہے جسے محل نجاست کا مشکوک ہونا زائل نہیں کر سکتا۔

قاعدہ نمبر ۴

"اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ"

ترجمہ

(حاجات ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)

زندگی میں بسا اوقات ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں اور ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں کہ ممنوع اور حرام شئی کے استعمال کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں ہوتا اور جان ضائع ہونے کا یقین کی حد تک شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے ایسے حالات میں جان کی حفاظت کے لئے ممنوع اشیاء کی اتنی مقدار کا استعمال شرعاً مباح ہے جس سے جان کے ضیاع کا خطرہ باقی نہ رہے یہ قاعدہ رب العالمین کے اس ارشاد گرامی سے مستنبط کیا گیا ہے "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○" (البقرہ ۱۷۳)

ترجمہ

(اللہ تعالی) اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو لیکن جو مجبور ہو جائے درآنحالانکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھالینے میں) گناہ نہیں بیشک اللہ تعالی بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے) مذکورہ اصول کی مزید شہادت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ "رُوِيَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِيَ بِامْرَاَةٍ زَنَتْ فَاَقَرَّتْ فَاَمَرَ بِرَجْمِهَا فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَعَلَّ بِهَا عُذْرًا ثُمَّ قَالَ لَهَا مَا حَمَلَكِ عَلَى الزِّنَا قَالَتْ كَانَ لِيْ خَلِيْطٌ وَفِيْ اِبِلِهٖ مَاءٌ وَلَبَنٌ وَلَمْ

يَكُنْ فِيْ اِبِلِيْ مَاءٌ وَلَا لَبَنٌ فَظَمِئْتُ فَاسْتَسْقَيْتُهُ فَاَبٰى اَنْ يَسْقِيَنِيْ حَتّٰى اُعْطِيَهُ نَفْسِيْ فَاَبَيْتُ عَلَيْهِ ثَلَاثًا فَلَمَّا ظَمِئْتُ فَظَنَنْتُ اَنَّ نَفْسِيْ سَتَخْرُجُ اَعْطَيْتُهُ الَّذِيْ اَرَادَ فَسَقَانِيْ فَقَالَ عَلِيٌّ اَللّٰهُ اَكْبَرُ! فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

ترجمہ

(روایت ہے کہ حضرت عمرفاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس سے فعل زناکا ارتکاب ہوا تھا اس نے اقرار کرلیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے رجم کا حکم صادر کردیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا شاید اس کا عذر ہو پھر آپ نے اس عورت سے کہا کس چیز نے تجھے زنا کرنے پر برانگیختہ کیا تھا تو اس نے جوابا" کہا میرا ایک سفر کا ساتھی تھا اس کے اونٹ پر پانی بھی تھا اور دودھ بھی جبکہ میرے اونٹ پر نہ پانی تھا اور نہ ہی وہ دودھ دینے والا تھا پس جب مجھے پیاس محسوس ہوئی تو میں نے اس سے پانی طلب کیا تو اس نے پانی دینے سے انکار کردیا یہاں تک کہ میں اپنا آپ اس کے سپرد کردوں میں نے اس کا مسلسل تین بار انکار کیا مگر جب میں نے اتنی پیاس محسوس کی کہ مجھے جان نکلنے کا گمان ہونے لگا تو میں نے اپنا نفس اسطرح اس کے حوالے کردیا جیسے اس نے خواہش کی تھی تو پھر اس نے مجھے پانی پلا دیا تو یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا اللہ اکبر! فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (فقہ الاسلام)

امثلہ

(۱) اگر گلے میں لقمہ اٹک جائے اور شراب کے سوا پانی یا دیگر حلال و طیب مائعات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو ایسی حالت میں اپنی جان کے تحفظ کے لئے بقدر ضرورت شراب کا استعمال مباح ہے۔

(۲) ایسی دوا جس میں شراب افیون یا دیگر کسی حرام چیز کی آمیزش ہو اور کسی مسلمان حاذق وماہر طبیب کی تشخیص کا یہ نتیجہ ہو کہ اس دوا کا استعمال لازمی اور ضروری ہے اور ایسی متبادل کوئی دوا نہیں جس سے علاج ممکن ہو تو پھر اس کے لئے حالت اضطرار میں مذکورہ دوا کا استعمال مباح ہے ورنہ نہیں۔

(۳) حالت اکراہ میں زنااور لواطت وغیرہ غلیظ ترین عمل بھی مباح ہو تا ہے بشرطیکہ مکرہ (مجبور کرنے والا) نے مکرہ (جسے مجبور کیاجائے) کو انکار کی صورت میں قتل کرنے یا شدید مارنے کی دھمکی دے رکھی ہو۔ اور وہ اسے عملی جامہ پہنانے کی قوت و قدرت بھی رکھتاہو۔

(۴) عندالاکراہ زبان پر کلمہ کفرلانے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آدمی کادل نور ایمان سے منور ہو اور اس میں کسی نوعیت کاشک و شبہ پیدانہ ہو اور ایسا کرنا تب مباح ہے جب مکرہ نے مکرہ کو قتل کرنے کی دھمکی دے رکھی ہو اور انکار کی صورت میں قتل کردینے کا ظن غالب ہو۔

(۵) اگر کشتی میں سازوسامان زیادہ ہونے کے سبب اس کے غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہو جائے تو اسے بچانے کے لئے مال کا کچھ حصہ تلف کرنا مباح ہے اور متلف (ضائع کرنے والا) پر اس کی ضمانت نہیں ہوگی۔

تنبیہ

اگر بلااکراہ کسی نے دوسرے کو کسی آدمی کے قتل پر مجبور کیااور انکار کی صورت میں اسے قتل کرنے کی دھمکی دی تو مکرہ کے لئے کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ مکرہ کا خود قتل ہو جانا کسی غیر کو قتل کرنے کے فتنے سے خفیف ہے۔ "لِاَنَّ مَفْسَدَةَ قَتْلِ نَفْسِهٖ اَخَفُّ مِنْ مَفْسَدَةِ قَتْلِ غَیْرِہٖ" (الاشباہ والنظائر، فقہ الاسلام)

قاعدہ نمبر۵

"مَا اُبِیْحَ لِلضَّرُوْرَۃِ یُقَدَّرُ بِقَدْرِھَا"

ترجمہ

(وہ شئی جس کا استعمال ضرورت کے لئے مباح کیا گیا ہو تو ضرورت کے مطابق ہی اس کی مقدار کا تعین کیاجائیگا یعنی وہ شئی جو حقیقتہ "ممنوع ہو مگر حالت اضطرار میں اس کا استعمال مباح ہو تو اس کی صرف اتنی مقدار ہی استعمال کی جاسکتی ہے جس سے دفع ضرر ممکن ہو ضرورت سے زائد استعمال درست نہیں۔

امثلہ

(۱) اگر کہیں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ کھانے پینے کی کوئی حلال اور پاک چیز میسر نہ ہو اور

بھوک اور پیاس اتنی شدت اختیار کر جائیں کہ جان نکلنے کا شدید خطرہ لاحق ہو جائے تو اس حالت اضطرار میں اپنی جان بچانے کے لئے مردار کا گوشت، شراب یا دیگر ممنوعات میں سے صرف اتنی مقدار میں استعمال مباح ہے جس سے بھوک اور پیاس کی شدت کم ہو جائے اور موت کا خطرہ ظاہراً ٹل جائے مگر بعد میں اسے بطور عادت استعمال کرنا قطعاً حرام ہے۔

(۲) طبیب یا ڈاکٹر کے لئے مریض کے مقام ستر کو بقدر حاجت دیکھنا مباح ہے چاہے مریض مرد ہو یا عورت، مگر اس سے زائد استمتاع کے لئے اعضاء کو دیکھنا یا مس کرنا حرام ہے۔

(۳) شہید کا خون اس کے اپنے حق میں پاک ہے مگر دوسروں کے لئے یہی خون عدم ضرورت کے سبب نجس ہے۔

(۴) ایام جنگ میں فوج کے لئے خالص ریشمی لباس پہننا مباح ہے بشرطیکہ مسلسل ہتھیار اٹھائے رکھنے کے سبب ان کے جسموں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۶

"اَلْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ"

ترجمہ

(عادت کو حکم بنایا گیا ہے) یعنی فیصلہ عرف کے مطابق کیا جائیگا۔

عادت کی تعریف

"اَلْعَادَةُ عِبَارَةٌ عَمَّا يَسْتَقِرُّ فِي النُّفُوْسِ مِنَ الْاُمُوْرِ الْمُكَرَّرَةِ الْمَقْبُوْلَةِ عِنْدَ الطِّبَاعِ السَّلِيْمَةِ" (الاشباہ والنظائر)

ترجمہ

(عادت سے مراد ایسا عمل ہے جو بار بار وقوع پذیر ہونے کے سبب لوگوں میں پختہ ہو جائے اور سلیم الفطرت اشخاص کے نزدیک مقبول ہو)۔

شرائط

عرف یا عادت کے معتبر ہونے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) "اَنْ لَا یُخَالِفَ الْعُرْفُ نَصًّا صَرِیْحًا" یعنی عرف نص صریح کے خلاف نہ ہو۔ اگر کسی مسئلہ کا حکم نص صریح سے ثابت ہو مگر عادت اس کے خلاف ہو تو ایسی عادت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ عمل نص کے مطابق کیا جائیگا۔

(۲) "اِذَا اطَّرَدَتِ الْعَادَةُ عَامًّا وَ غَلَبَتْ" وہ عادت عام جاری ہو اور غالب ہو۔ ایسی عادت معتبر نہیں ہوگی جسے اقل افراد نے اپنا رکھا ہو یا کسی شخص معین کا ذاتی عمل ہو۔

(۳) "اَنْ یَکُوْنَ الْعُرْفُ عَامًّا فَالْحُکْمُ الْعَامُ لَا یَثْبُتُ بِالْعُرْفِ الْخَاصِ" وہ عرف عام ہو کیونکہ عام حکم عرف خاص سے ثابت نہیں ہوتا۔

مذکورہ قاعدہ کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے "وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ" (مسند امام احمد) (وہ شئی یا عمل جسے مسلمانوں نے اچھا گمان کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوتی ہے) اس اثر کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ یہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے۔

امثلہ:۔

(۱) ایسی اشیاء جن میں ربوا پایا جاتا ہے مگر ان کے کیلی یا وزنی ہونے کے بارے میں واضح نص موجود نہیں تو ان پر کیلی یا وزنی ہونے کا حکم عادت اور عرف کے مطابق لگایا جائیگا یعنی جن کی خرید و فروخت کیل سے ہوتی ہے وہ کیلی کہلائیں گی اور جن کی بیع و شرا وزن سے ہوتی ہے وہ وزنی کہلائیں گی۔

(۲) اگر کسی نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ وقف کیا مگر وقف کے مخصوص الفاظ "وَقَفْتُ لِفُلَانٍ" وغیرہ استعمال نہ کئے بلکہ اپنے عرف میں مروج الفاظ استعمال کئے تو وقف درست ہوگا۔ اسی طرح اگر قسم اٹھاتے وقت یا نذر مانتے وقت مخصوص الفاظ کی بجائے اپنے عرفی الفاظ استعمال کئے تو اس کی نذر اور قسم صحیح ہوگی۔

(۳) دوران نماز ایسا عمل کرنا جسے دیکھنے والے کو گمان ہو کہ یہ حالت نماز میں نہیں تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس فساد کی علت عرف ہے۔

(۴) اگر بچے کو دودھ پلانے کے لئے دائی اجرت پر لی گئی تو اس کا نان و نفقہ بچے کے باپ کے ذمہ لازم ہوگا اگرچہ عقد کے وقت یہ طے نہ کیا گیا ہو کیونکہ عرف عام میں ایسا ہی مروج ہے اگر

بلپ نے خرچہ ادا کرنے سے انکار کردیا تو عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اسے شرعاً بھی ادائیگی پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

(۵) اگر کسی نے اپنی بیٹی کو جہیز دینے کے بعد یہ کہنا شروع کردیا کہ جہیز میں دیا جانے والا سامان میری ذاتی ملکیت نہیں تھا بلکہ کئی لوگوں سے عاریۃً لیکر فقط عزت محفوظ رکھنے کی خاطر دکھلایا گیا لہٰذا مجھے واپس لوٹا دیا جائے تاکہ اصلی مالکان کو واپس کیا جاسکے۔ اگر قائل کا تعلق معاشرہ کے شرفاء سے ہو تو اس کا قول قطعاً قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ عرفاً شرفاء جہیز دینے کے بعد واپسی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ مستقل ملکیت کے ساتھ دیتے ہیں اور اگر اس کا شمار معاشرہ کے رذیل افراد میں ہو تو پھر اس کا قول تسلیم کرلیا جائیگا کیونکہ ایسے لوگوں کا مزاج ایسا ہوا کرتا ہے۔ ہاں اگر کسی معاشرہ میں جہیز کا واضح رواج نہ ہو تو پھر مطلقاً قائل کا قول معتبر سمجھا جائیگا۔

(۶) عورتوں کے ایام حیض اور نفاس میں بھی علوت کا اعتبار کیا جاتا ہے مثلاً حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور اکثر مدت دس دن ہے جبکہ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن اور اقل مدت مقرر نہیں اگر حیض کی صورت میں دس دن گزر جانے کے باوجود خون منقطع نہ ہو تو زائد دنوں کا خون حکماً استحاضہ کہلائے گا اور اگر اس میں عورت کی کوئی علوت معروفہ ہو تو پھر اس کا اعتبار کرتے ہوئے زائد دنوں کا خون استحاضہ کہلائے گا مثلاً کسی کی علوت معروفہ یہ ہو کہ ہر ماہ سات دن حیض آنے کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہو مگر اس بار دس دن سے زائد ایام تک دم حیض جاری رہا تو اس کی سابقہ علوت کے مطابق سات دن حیض میں اور بقیہ دن استحاضہ میں شمار ہونگے یہی حال نفاس میں بھی ہو گا۔

(۷) کسی دعوی کے صدق و کذب کے بارے میں بھی عرف کا اعتبار کیا جائیگا۔ یعنی ایسا دعوی جس کی تصدیق عرف عام کر رہا ہو وہ قابل سماعت ہو گا اور ثبوت کے لئے گواہ مدعی کے ذمہ ہونگے اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہوگی۔ مثلاً ایک صاحب ثروت کسی فقیر کو کچھ مال بطور قرض دیتا ہے اور کچھ مدت کے بعد اس کی واپسی کا دعوی کرتا ہے تو اس کا دعوی عرفاً درست ہو گا مگر اس کے برعکس ایسا دعوی جس کی تکذیب عرف عام کر رہا ہو تو وہ سماعت کے لئے قبول ہی نہیں کیا جائیگا مثلاً کسی فاسق و فاجر نے کسی شریف، متقی اور معزز آدمی کے خلاف نقب زنی یا عورت سے تعرض کرنے کا دعوی کردیا تو ایسا دعوی قابل سماعت نہیں ہو گا بلکہ مدعی کو تعزیری سزا دی جائیگی۔

قاعدہ نمبر ۷

"إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضِيْ فَإِنَّهُ يُقَدَّمُ الْمَانِعُ"

ترجمہ

(جب دلیل مانع اور مقتضی (تقاضا کرنے والی) باہم متعارض آجائیں تو دلیل مانع کو مقدم کیا جائیگا) یعنی جب ایک مسئلہ میں دو دلیلیں آپس میں اس طرح متعارض آئیں کہ ایک حکم کی نفی کا اور دوسری اس کے اثبات کا تقاضا کرتی ہو تو پھر دلیل مانع کو دلیل مثبت پر ترجیح دی جائیگی۔

امثلہ:۔

(۱) اگر کسی کو دو زخم لگ جائیں ان میں سے ایک عمداً "(جان بوجھ کر) لگایا گیا ہو دوسرا خطاء" لگ جائے تو اس صورت میں قصاص نہیں ہوگا کیونکہ عمد "الگایا ہوا زخم قصاص کا تقاضا کرتا ہے۔ جبکہ خطا" لگا ہوا زخم اس کے مانع ہے اس لئے اس کو مقتضی پر ترجیح دی جائے گی۔

(۲) جب کسی نے دوسرے کے پاس اپنی چیز بطور رہن (گروی) رکھی تو جب تک وہ چیز مرتہن کے پاس رہے گی راہن کے لئے اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا اس میں راہن کی ملکیت تصرف کرنے کے جواز کا تقاضا کرتی ہے جبکہ مرتہن کی حق تلفی اس کے مانع ہے اس لئے مانع کو مقتضی پر ترجیح دی جائے گی۔

(۳) کسی غیر کی عقد پر عقد کرنا مکروہ ہے یعنی اگر ایک آدمی نے دوسرے کے ساتھ مخصوص شئی خریدنے کی بات کر رکھی ہو اور اس کے ثمن وغیرہ کا تعین بھی ہو چکا ہو مگر ابھی تک عقد کی تکمیل باقی ہو۔ اتنے میں کسی دوسرے نے معینہ ثمن سے زیادہ کے عوض وہ چیز خرید لی اور پہلے کو اس سے محروم کر دیا تو ایسا کرنا شرعاً" مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اب اس میں بیع کی تمام شرائط کا پایا جانا اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے مگر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس کے مانع ہے "لَا يَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا يَسُوْمُ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ ○" (رواہ البخاری والمسلم) (کسی آدمی کو اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہیں کرنی چاہئے اور نہ کسی غیر کے سودے پر سودا کرنا چاہئے۔

لہٰذا مانع کو ترجیح دیتے ہوئے بیع کو مکروہ قرار دیا گیا۔

(۴) اذانِ جمعہ کے بعد بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے گو بیع کی تمام شرائط کا موجود ہونا اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے مگر "وَذَرُوا الْبَيْعَ" (بیع چھوڑ دو) کا امر اس جواز کے مانع ہے اس لئے مانع کو ترجیح دیتے ہوئے کراہت کا حکم صادر کیا گیا جبکہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک یہ بیع سرے سے ہوتی ہی نہیں (کنز الدقائق)

(۵) نماز کی ہر رکعت میں سراً (آہستہ) بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے مگر اس کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی یہ ہے "اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَكَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ يَجْهَرُوْنَ بِهَا (بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ شریف سے نماز کا آغاز کرتے تھے اور حضرات عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اسے بالجہر (بلند آواز کے ساتھ) پڑھتے تھے) یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ بسم اللہ شریف بالجہر پڑھنی چاہئے۔ اس کے برعکس دوسری روایت بایں الفاظ ہے "عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی اور ان میں سے کسی سے بسم اللہ شریف بالجہر نہیں سنی "اسی طرح حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں "كَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا يَجْهَرُ بِهَا" (حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھتے تھے یہ روایات بسم اللہ شریف بالجہر پڑھنے کے مانع ہیں لہٰذا مذکورہ اصول کے مطابق مانع کو مقتضی پر ترجیح دیتے ہوئے حکم سراً پڑھنے کا ہوگا۔

(۶) حدیث طیبہ ہے "عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ اَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ" (بخاری شریف) (حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کے

لئے تکبیر کہتے اور پھر رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح پھر رفع یدین کرتے اور کہتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اور سجود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہ کرتے تھے) یہ ارشاد گرامی دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کا تقاضا کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس دوسرا ارشاد گرامی بایں الفاظ موجود ہے "عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ قَرِيْبًا مِنْ شَحْمَتَيْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ" (عمدۃ القاری ج: ۵: ص۲۷۲) (جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح صلوٰۃ کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ بلند فرماتے یہاں تک کہ آپکے انگوٹھے کانوں کی لوؤں کے قریب ہو جاتے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کا اعادہ نہ فرماتے یہ روایت تکبیر تحریمہ کے بغیر رفع یدین کرنے کے مانع ہے لہٰذا مذکورہ اصول کے مطابق مانع کو مقتضی پر ترجیح دی جائے گی (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر۸

"يُقَدَّمُ فِيْ كُلِّ وِلَايَةٍ مَنْ هُوَ اَقْدَرُ عَلَى الْقِيَامِ بِحُقُوْقِهَا وَمَصَالِحِهَا" (ہر ولایت میں ایسے شخص کو دوسروں پر مقدم کیا جائیگا جو اس کے حقوق اور مصالح کے قیام پر زیادہ قدرت رکھتا ہو۔ یعنی کسی ملک 'علاقے یا خاص محکمے کی ولایت ایسے شخص کے حوالے کی جائے گی جو اس کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کی پیچیدگیوں سے واقف ہو اور پھر اپنی خداداد ذہانت وفطانت اور اپنی تعلیمی قابلیت کے ساتھ احسن انداز میں انہیں حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

(۱) پس ولایت عامہ کی زمام ایسے آدمی کے ہاتھ میں دی جائے گی جو ملکی سیاست سے خوب واقف ہو نیز احکام شریعت اور مقاصد شریعت سے بھی آگاہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ جرأت رکھتا ہو کہ اعلیٰ کردار کے مالک باصلاحیت افراد کو مختلف شعبوں کا قلمدان سونپ سکتا ہو اور نااہل اور ناقص الفہم افراد کو معزول کرنے کی قوت بھی رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں اپنے ملک کو دشمن کے مکروفریب اور تمام چالوں سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت سے معمور ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی مملکت کی تمام تر ضروریات پوری کرنے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے

نے لئے سرمایہ مہیا کرنے اور پھر اسے اپنے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی صلاحیت سے بھی آراستہ ہو۔

امارت کے متعلق حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

(۱) "عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِمَارَةُ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا وَأَنّٰى ذٰلِكَ يَا أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" (مسند امام اعظم ۲۴۳)

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امارت امانت ہے اور قیامت کے دن یہ ذلت اور شرمساری ہے مگر جس نے اس کا حق ادا کیا اور اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری ادا کی (پھر فرمایا) اے ابوذر ایسا ہونا ہی کہاں ہے)

(۲) طبرانی نے حضرت عوف بن مالک کی روایت اس طرح نقل کی ہے "أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ وَثَانِيْهَا نَدَامَةٌ وَثَالِثُهَا عَذَابٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ عَدَلَ"

ترجمہ

(امارت کی پہلی منزل ملامت ہے دوسری شرمندگی ہے اور تیسری قیامت کا عذاب ہے مگر اس کے لئے نہیں) جو عدل و انصاف سے کام لے)

یہ ارشادات حکومت و ولایت کی نزاکت اور ذمہ داریوں کو جہاں اجاگر کرتے ہیں ساتھ ساتھ ان کے حق میں ایک سنگین تازیانے کا کام بھی دیتے ہیں جو اسے ایک کھیل سمجھتے ہوئے دنیوی عیش و عشرت اور نفسانی لذات و شہوات پوری کرنے کا ایک ذریعہ خیال کرتے ہیں کیونکہ اقتدار ایک امانت ہے اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے والا خائن ہے۔ نتیجہ "خائن کو قیامت کے دن ندامت شرمساری اور عذاب الٰہی کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا اس کے برعکس عادل حکمران کے متعلق حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَرْفَعَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ" (مسند امام اعظم ص ۲۴۳) حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام

لوگوں سے بلند مقام عادل حکمران کا ہوگا۔
(۳) ملک میں عدل وانصاف کی فضا قائم کرنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے شعبہ قضاء کلیدی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا قلمدان ایسے شخص کے سپرد کیا جائیگا جو دیگر علوم کے ساتھ ساتھ احکام شرعیہ میں کامل دسترس رکھتا ہو اور ہر قسم کی حرص وہوس اور لالچ وخوف سے بے نیاز ہو کر عدل وانصاف کے تمام تر تقاضے پورے کرنے کی کلی جرأت رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں حددرجہ کی ذہانت وفطانت سے آراستہ ہو تاکہ فریقین کے مکروفریب 'عیاری اور دھوکہ دہی سے بآسانی آگاہ ہو سکے اور چاہیئے کہ فریقین کے مابین مساوات قائم کرنے میں کسی کا رعب ودبدبہ یا قوت وطاقت اس کے لئے رکاوٹ نہ بنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذَا ابْتُلِیَ اَحَدُکُمْ بِالْقَضَاءِ فَلْیُسَوِّ بَیْنَهُمْ فِی الْمَجْلِسِ وَالْاِشَارَةِ وَالنَّظْرِ الحدیث" (جب تم میں سے کسی کو عہدہ قضا سونپا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ خصمین کے مابین انہیں بٹھانے 'انکی طرف اشارہ کرنے اور دیکھنے میں مساوات قائم رکھے)
قضاء کے متعلق حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "عَنْ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ قَاضِیَانِ فِی النَّارِ وَ قَاضٍ یَقْضِیْ فِی النَّاسِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَیُوْکِلُ بَعْضُهُمْ مَالَ بَعْضٍ وَقَاضٍ یَتْرُکُ عِلْمَهٗ وَیَقْضِیْ بِغَیْرِ الْحَقِّ فَهٰذَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ یَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ فِی الْجَنَّةِ (مسند امام اعظم ص ۳۶۵)

ترجمہ

(حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو ان میں سے آگ میں ہیں ایک وہ قاضی جو کتاب وسنت کے علم کے بغیر لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور بعض کو بعض کا مال (ناحق) کھلاتا ہے اور دوسرا وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ناحق فیصلے کرتا ہے تو یہ دونوں آگ میں ہوں گے اور تیسرا وہ قاضی جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں ہوگا)
اسی نوعیت کے متعدد ارشادات دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں لہٰذا اس مرتبہ پر فائز

ہونے سے قبل اور بعد انہیں ذہن میں محفوظ رکھنا اور پھران کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

(۳) کسی بھی مملکت میں محکمہ دفاع (فوج) انتہائی حساس اور کلیدی حیثیت رکھتا ہے جتنا یہ ادارہ مضبوط اور مستحکم ہو گا اتنا ہی ملک اندرونی اور بیرونی سازشوں اور خلفشار سے محفوظ رہے گا اور ترقی کی منزل کی طرف اس کا سفر تیزی سے رواں دواں رہے گا اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا سالار اعظم اور قائد ایسے شخص کو بنایا جائے جو اعلیٰ درجے کا دلیر اور جری ہو' عزم واستقلال کا پیکر ہو اور عالی حوصلہ ہونے کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بھی معمور ہو علاوہ ازیں محب وطن اور ماہر جنگجو ہو۔ اپنی افواج میں پیشہ ورانہ مہارت اور جذبہ حب الوطنی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اتحاد و یگانگت رکھنے میں ید طولیٰ رکھتا ہو دشمن کے مکروفریب عیاری اور جنگی چال سے خوب آگاہ ہو اور وقت آنے پر پوری ہمت اور قوت کے ساتھ ان کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ نہ کہ یہ عظیم اور نازک ترعہدہ ایسے شخص کے سپرد کر دیا جائے جو جذبہ جہاد سے عاری ہو اور فنون حرب سے نابلد ہو۔ اگر ایسا کیا جائے تو مشکل لمحات میں یہ سنگین نتائج سے دوچار کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

(۴) نماز کی امامت کے لئے بھی ایسے ہی آدمی کو ذمہ داری سونپی جائے جو تمام حاضرین میں اس کا زیادہ اہل ہو۔ یعنی نماز سے متعلقہ مسائل سے اچھی طرح واقف ہو۔ قرآن پاک کی تلاوت احسن انداز میں کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی ہو۔

نوٹ: مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر ولایت عامہ' وزارت عظمیٰ' وزارت علیا' عدلیہ' انتظامیہ اور فوج یا اسی نوعیت کے دیگر اعلیٰ مراتب کے لئے مردوں کو عورتوں پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ ان تمام میں مرد عورتوں کی نسبت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ احسن انداز میں کر سکتے ہیں اور عائد ہونے والی تمام تر ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی سرانجام دے سکتے ہیں مگر اس کے برعکس بچوں کی پرورش اور تربیت وغیرہ میں عورتوں کو مردوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ ان میں بچوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کو برداشت کرنے کی صلاحیت و قوت زیادہ ہوتی ہے اور علاوہ ازیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ شفیق اور نرم خو بھی ہوتی ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر۹

ترجمہ "مَاجَازَلِعُذرٍ بَطَلَ بِزَوَالِہٖ"

(وہ شی جس کا استعمال عذر کے سبب جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی اس کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔)

معذور آدمی کے لئے دوران عذر بعض افعل واعمال اور اشیاء کے استعمال کی اجازت شرعاً دی گئی ہے مگر ان کے جواز کا حکم عذر کے ساتھ متقید ہوتا ہے اور جونہی وہ عذر زائل ہوتا ہے تو ساتھ ہی وہ حکم بھی باطل ہو جاتا ہے۔

امثلہ:۔

تیمم کرنا شرعاً جائز ہے مگر اس کے اسباب مختلف ہیں مثلاً پانی کا نہ پانا۔ بیماری کے سبب پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا اور شدید سردی میں اعضاء کے شل ہونے کا اندیشہ ہونا وغیرہ یہ وہ اعذار ہیں جن کے سبب تیمم کے جواز کا شرعی حکم دیا گیا ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک عذر بھی پایا جائیگا تو تیمم کرنا جائز ہو گا۔ مگر جونہی یہ اعذار زائل ہو نگے مثلاً پانی کا مل جانا صحت یاب ہونے کے بعد پانی کے استعمال کا نقصان دہ نہ ہونا اور سردی کی شدت میں کمی آنے کے سبب اعضا کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ رہنا وغیرہ تو تیمم کرنا جائز نہیں ہو گا بلکہ وضو کے ساتھ نماز کی ادائیگی لازم ہوگی۔

(۲) شہادت علی الشہادت جائز ہے۔ مگر اس کا سبب یہ ہے کہ اصلی گواہ کسی معقول عذر کے سبب مقررہ وقت پر قاضی کے پاس حاضر ہونے سے قاصر ہوں مثلاً ان کا بیمار ہونا یا مسافت متقعد پر غائب ہونا وغیرہ تو ایسی صورت میں فرعی گواہ پیش ہو سکتے ہیں مگر جونہی اصلی گواہوں کا عذر زائل ہو گا تو فرعی شہادت کا جواز بھی ختم ہو جائیگا اور اگر انہوں نے شہادت دی تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا۔

(۳) بیٹھ کر اور اشارے کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے مگر اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی بیماری اور تکلیف کے سبب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا رکوع وسجود پر قادر نہ ہو۔ لیکن جونہی وہ رکوع وسجود اور قیام وغیرہ پر قادر ہو گا تو بیٹھ کر یا اشارے کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی جائز نہیں ہوگی۔

(۴) مقیم کے لئے مسح علی الخفین کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے جبکہ مسافر کے لئے یہ

مدت تین دن اور تین راتیں ہیں مدت ختم ہوتے ہی خفین اتار کر پاؤں دھونا لازم ہوتا ہے ہاں اگر اتنی شدید سردی ہو کہ خفین اتار کر پاؤں دھونے سے انکے شل ہونے کا اندیشہ ہو تو اس عذر کے سبب مسح کو جاری رکھنا جائز ہے مگر بعد ازاں جونہی سردی کی شدت کم ہوگی تو پھر ان پر مسح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا بلکہ خفین اتار کر پاؤں دھونا لازم ہوگا۔

(۵) عام حالات میں تصویر بنوانا جائز نہیں مگر ایسا عذر جس میں تصویر کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو اس کا بنوانا مباح ہے مثلاً" شناختی کارڈ' حج اور بیرون ملک ملازمت کے لئے پاسپورٹ وغیرہ۔ تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ مگر جونہی مذکورہ نوعیت کا کوئی عذر باقی نہیں رہے گا تو ساتھ ہی تصویر کی اباحت بھی ختم ہو جائے گی تصویر بنانے والے کے بارے میں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) يَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا الْمُصَوِّرُوْنَ" (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ عذاب کے مستحق تصویر بنانے والے ہونگے۔

قاعدہ نمبر ۱۰

"ذِكْرُ بَعْضِ مَالَا يَتَجَزَّءُ كَذِكْرِ كُلِّهٖ"

ترجمہ

(جس شی کو تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو اس کے بعض کا ذکر کل کے ذکر کی مثل ہوتا ہے)

یعنی وہ اشیاء جنہیں اجزا میں تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو اگر دوران گفتگو ان کے نصف' ثلث اور ربع وغیرہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی نسبت ان کے کل کی طرف ہوگی اور حکم مکمل شئی پر لگایا جائیگا۔

امثلہ نمبر ۱۔ طلاق: اگر خاوند اور بیوی کے مابین ناچاکی اور اختلاف کے سبب ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ایک دوسرے سے علیحدگی اور جدائی لازم ہو جائے تو ایسے حالات میں بذریعہ طلاق دونوں کا مفارقت اختیار کرنا شرعاً" جائز ہے۔ مگر طلاق ایسی شئی ہے جو اجزا میں تقسیم نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر خاوند نے طلاق کا حق استعمال کرتے ہوئے کہا "طَلَّقْتُكِ نِصْفَ طَلَاقٍ" (میں نے تجھے نصف طلاق دی) یا اسی کی مثل یہ کہا "طَلَّقْتُكِ ثُلُثَ طَلَاقٍ" (میں نے

تجھے طلاق کا تیسرا حصہ دیا) تو ان الفاظ کے ساتھ نصف یا ثلث کی بجائے ایک مکمل طلاق ہو گی یا اس کے برعکس اس طرح کہا "نِصْفُكِ طَالِقٌ" (تیرے نصف کو طلاق) یا کہا "ثُلُثُكِ طَالِقٌ" (تیرے تیسرے حصہ کو طلاق) تو چونکہ عورت کا وجود تقسیم نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے نصف یا ثلث حصہ کی بجائے مکمل جسم کو طلاق واقع ہو گی۔

تنبیہ:۔

ایسے حالات کے بغیر جن کی اصلاح طلاق کے بغیر ممکن نہ ہو طلاق دینے یا لینے سے گریز کرنی چاہئے گو یہ عمل شرعاً" مباح ہے مگر اس کے باوجود اللہ تعالی اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے عیاں ہوتا ہے۔

(۱) "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ ۝" (سنن ابی داوٗد)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

(۲) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ (ترمذی وابو داوٗد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت نے عذر معقول کے بغیر اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے)

(۲) قصاص

ارشاد باری تعالی ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى الآية" (اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے جو (ناحق) مارے جائیں (البقرہ ۱۷۸)

رب قدوس نے اس آیت کریمہ میں قانون قصاص کی فرضیت کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر

ایک مسلمان دوسرے کو ناحق قتل کردے یا اس کو زخمی کردے تو اسی کے مطابق اس سے قصاص لیا جائیگا یعنی قتل کا قصاص قتل سے اور زخم کا قصاص زخم سے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت اور احسان کا درس دیتے ہوئے مقتول کے ورثاء کو مال کے عوض صلح کرنے یا بلا عوض معاف کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے اور ساتھ ہی قاتل کو صلح کی شرائط احسن انداز میں پوری کرنے کا درس دیا گیا ہے اب اگر قصاص میں غور کیا جائے تو ہمارے مذکورہ اصول کے مطابق اس کا تعلق ان اشیاء سے ہے جو تجزی اور تقسیم کو قبول نہیں کرتیں اس لئے اگر قصاص کے ورثاء میں سے کسی ایک نے اپنے حصہ کی صلح کرلی یا بلا عوض معاف کردیا تو دوسروں کا مطالبہ قصاص بھی ساقط ہو جائیگا اور انہیں بھی اپنے اپنے حصہ کا مال وصول کرنا ہوگا یا پھر بلا معاوضہ معاف کرنا پڑے گا جیساکہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے "اِذَا صَالَحَ اَحَدُهُمْ اَوْ عَفَا سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ مِنَ الْقَوَدِ لِعَدَمِ التَّجَزِّیْ فَيَنْقَلِبُ نَصِيْبُهُمْ مَالاً" (حاشیہ کنز الدقائق بحوالہ عینی ۴۵۳)

(جب ورثا میں سے ایک صلح کرلے یا معاف کردے تو دوسروں کا حق قصاص تقسیم نہ ہونے کے سبب ساقط ہو جاتا ہے اور ان کے حصص مال میں بدل جاتے ہیں)

(۳) قربانی

اگر کسی نے نیت کی کہ میں اس مینڈھے کا نصف قربانی دوں گا تو اس سے مراد مکمل مینڈھے کی قربانی ہوگی یا کسی نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے اس جانور کا ثلث (تیسرا حصہ) ھبہ کردیا ہے تو اس کا اطلاق اس سارے جانور پر ہوگا کیونکہ نصف مینڈھے کی قربانی شرعاً جائز نہیں اس لئے کہ وہ قابل تقسیم نہیں لہٰذا جز بول کر مراد کل ہوگا اس طرح ھبہ کی صورت میں جانور کا ثلث کاٹ کر کسی کو نہیں دیا جاسکتا اس لئے اس صورت میں بھی جز بول کر کل ہی مراد لیا جائیگا الختصر ہر وہ شئی جو تقسیم اور اجزا کو قبول نہ کرتی ہو اگر دوران گفتگو اس کا جز بولا گیا تو اس کا اطلاق اس شئی کے کل پر ہوگا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۱۱

"اِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ اُضِيفَ الْحُكْمُ اِلَى الْمُبَاشِرِ"

ترجمہ

(جب کسی عمل میں مباشر (خود عمل کرنے والا) اور متسبب (کام کا سبب بننے والا) جمع ہوجائیں تو اس کے حکم کی نسبت مباشر کی طرف کی جائے گی)

امثلہ:۔

اگر کسی نے کنواں کھودا اور پھر کسی نے دوسرے کی کوئی شئی اس میں پھینک کر ضائع کردی یا کسی آدمی کو اس میں دھکیل دیا جس کے سبب وہ مرگیا تو مذکورہ اصول کے مطابق ضائع ہونے والی شئی کی ضمانت اور فوت ہونے والے کا قصاص مباشر (پھینکنے والے) پر ہوگا متسبب یعنی کنواں کھودنے والا اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(۲) اگر کسی نے غیر کے مال پر دوسرے کی راہنمائی کی اور اس نے وہاں پہنچ کر اس کا سامان چوری کرلیا تو اس چوری کی سزا اور مال کی ضمانت سارق (مباشر) پر ہوگی راہنما (متسبب) اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

(۳) اگر عداوت کے سبب کسی نے اپنے دشمن کو غیر سے قتل کرا دیا یا وارث نے میراث کے لالچ میں اپنے مورث کو غیر سے قتل کرا دیا تو ان دونوں صورتوں میں قصاص قاتل سے لیا جائیگا پہلی صورت میں متسبب بری ہوگا جبکہ دوسری صورت میں اسے میراث کا مستحق ٹھہرایا جائیگا

نوٹ:۔ اگر اس قاعدہ میں بنظر عمیق غور کیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اسے بغیر قیودو شرائط کے جاری کرنا ظلم تعدی کا راستہ ہموار کرنے اور جرائم کا ارتکاب سہل بنانے کے مترادف ہے اس لئے اس میں عام رائے یہ ہے کہ حکم کی نسبت صرف مباشر کی طرف تب ہونی چاہئے جب متسبب بالقصد کسی شئی کے ضیاع اور تلف ہونے کا سبب نہ بنے اور اگر متسبب نے بالارادہ کسی عمل کا مشورہ دیا ہو تو پھر جس طرح حکم کی نسبت مباشر کی طرف کی جاتی ہے اسی طرح متسبب کی طرف بھی ہونی چاہئے لہٰذا اس صورت میں قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے جرم کے مطابق سزا دے تاکہ کسی کو اس طرح دوسرے کو نقصان پہنچانے کی جرات نہ ہو۔

احناف نے اسے قاعدہ کلیہ شمار نہ کرتے ہوئے چند ایسی صورتیں بیان کی ہیں جن میں یہ استعمال نہیں ہوتا اور حکم کی نسبت مباشر کی بجائے متسبب کی طرف ہوتی ہے۔

امثلہ:۔

اگر مودع (جس کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا ہو) نے بذات خود مال ودیعت پر چور کی راہنمائی کی اور اس نے مال چرالیا تو اس صورت میں مال کی ضمانت متسبب (مودع) پر ہوگی۔
(۲) اگر محرم (احرام باندھنے والا) نے کسی غیر محرم کی شکار پر راہنمائی کی اور اس نے اسے شکار کرلیا تو اس کی ضمانت محرم (متسبب) پر ہوگی۔
(۳) اگر کسی حاسد نے ظالم حاکم کے پاس کسی کے مال کی چغلی کھائی جس کے سبب حاکم نے مال کا کچھ حصہ ضبط کرلیا تو اس مال کا ضامن چغلخور (متسبب) ہوگا۔
(۴) اگر کسی نے بچے کے ہاتھ میں تیز دھار آلہ پکڑا دیا جس کے سبب بچے نے اپنے آپ کو زخمی کرلیا تو اس صورت میں بھی ضامن پکڑانے والا (متسبب) ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۱۲

"اَلْحُکْمُ یَتْبَعُ الْمَصْلِحَۃَ الرَّاجِحَۃَ"

ترجمہ

(حکم مصلحت راجحہ کے تابع ہوتا ہے) یہ اصول امر و نہی دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔

امثلہ نمبر۱ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر زکوٰۃ ادا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے مثلاً" زکوٰۃ کے متعلق ارشاد فرمایا "اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" (البقرۃ:۴۳) (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) اور انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ الآیۃ" (البقرۃ پ۳:۲۶۷) (اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو)

ان احکام کے ظاہر کو دیکھنے سے ان میں نقصان نظر آتا ہے کیونکہ مال کمانے اور جمع کرنے کے لئے محنت کسی کی ہوتی ہے اور اسے کھانے اور لطف اندوز ہونے کے لئے کوئی اور ہوتا ہے۔
اسی طرح جہاد کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے "وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ" (الحج پ۱۷:۷۸) (اور (سرتوڑ) کوشش کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے) اس

میں بھی میدان جنگ میں داد شجاعت دینے والے اور ہوتے ہیں جان کا نذرانہ پیش کرنے اور خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے والے اور ہوتے ہیں جبکہ امن و سکون سے محفوظ ہونے والے اور ہوتے ہیں تو ایسے احکام کی ظاہر صورت حال کا مشاہدہ کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں انصاف کا پہلو مفقود ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ انہی احکام میں بنظر غائر تدبر کرنے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ گو ان میں نقصان کا پہلو بھی ہے مگر منفعت کا پہلو غالب ہے مثلاً" اگر زکواۃ نہ دی جائے اور انفاق فی سبیل اللہ پر عمل پیرا نہ ہوا جائے تو نتیجتہً معاشرے میں محرومی کا احساس پیدا ہو جائے گا جو غرباء اور افلاس کی چکی میں پسنے والوں کو چور' لٹیرا اور ڈاکو بنا کر رکھ دے گا جس کے سبب امرا اور دولتمند افراد کی عزت اور جان و مال ہرگز محفوظ نہیں رہ سکیں گے لہٰذا امرا اور خوشحال طبقہ کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے غرباء اور مساکین کو طرح طرح کے جرائم کے ارتکاب سے بچانے کے لئے اور معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کے لئے صاحب نصاب افراد کو اپنے مال کا ۴۰/۱ چالیسواں حصہ بطور زکواۃ ادا کرنے اور عام حالات میں صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ معاشرے کا مفلوک الحال اور نادار طبقہ بھی اپنی حاجات و ضروریات باحسن طریق پوری کر سکے۔ یہی صورت حال جہاد اور دیگر احکام شرعیہ کی ہے لہٰذا تقابلی جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت راجحہ یہی ہے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہوا جائے۔

(۲) شراب کا استعمال حرام ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ ○" (المائدۃ پ۷ نمبر ۹۰) (اے ایمان والو!) یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو ان سے بچو) مگر اس میں غور کرنے سے اس کے چند فوائد بھی سامنے آتے ہیں مثلاً" سردی سے محفوظ رکھنا' ذہنی آرام و سکون پہنچانا اور خون میں اضافہ کا سبب بننا وغیرہ' مگر اس کے باوجود جب اس میں بنظر عمیق تدبر و تفکر کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شراب کے استعمال کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کی صفت علیا یعنی عقل ضائع ہو جاتی ہے اور اس کے نشہ کی حالت میں ماں بہن اور بہو بیٹی کی تمیز اڑ جاتی ہے تو اس تقابلی جائزہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ شراب کے مفاسد اور نقصانات زیادہ ہیں اور اس کے فوائد و منافع کم ہیں لہٰذا اس میں مصلحت راجحہ یہی ہے کہ اس کی حرمت کا حکم

دیا جاتا۔
علاوہ ازیں دیگر احکام شرعیہ مثلاً" قصاص' حدود' دیت' عبادات کی تمام اقسام اور دیگر فواحش و مظالم میں اوامر ونواہی مصلحت راجحہ کے تابع ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۱۳

"مَا حَرُمَ اَخْذُہٗ حَرُمَ اِعْطَاءُہٗ"

ترجمہ

(جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔)
یعنی مال ودولت جمع کرنے کے وہ تمام طرق جن کے ذریعے مال لینا شرعاً" ممنوع اور حرام ہے بعینہ ان کے ذریعہ سے کسی کو مال دینا بھی شرعاً" حرام ہے۔

امثلہ:

سود: جس طرح سود لینا شرعاً" حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے کیونکہ قرآن پاک نے " حَرَّمَ الرِّبٰوا" فرما کر اسے کلیتہ" حرام قرار دیا ہے
ربوا (سود) کا لغوی معنی مطلق زیادتی ہے جبکہ اس کا شرعی مفہوم یہ ہے "ھُوَ فَضْلُ مَالٍ بِلَا عِوْضٍ فِیْ مُعَاوَضَۃِ مَالٍ بِمَالٍ" (کنزالدقائق ۲۴۸) (مال کی وہ زیادتی جو مال کے بدلے مال کے معاوضہ میں بلاعوض ہوتی ہے ربوا کہلاتی ہے) ربوا کے ثبوت کے لئے قدر اور جنس کا ایک ہونا ضروری ہے اگر دونوں شرطیں موجود ہوں گی تو مال میں تفاضل (زیادتی) اور نساء (تاخیر ادھار) دونوں حرام ہونگے اور اگر صرف ایک شرط پائی جائے گی تو تفاضل جائز ہوگا اور نساء حرام ہوگا اگر دونوں شرائط مفقود ہوں گی تو تفاضل اور نساء دونوں جائز ہوں گے سود کی حرمت قرآن وسنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے اور دینے والے کے متعلق ارشاد فرمایا "عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَیْہِ وَقَالَ ھُمْ سَوَاءٌ" (مسلم شریف)
(حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے

والے، سود دینے والے، اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ تمام اس (گناہ) میں برابر ہیں)

نمبر۲: "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ" (رواہ ابن ماجہ وبیہقی)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ سود (کا گناہ) ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے)

مذکورہ ارشادات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ سود حرام قطعی ہے لہٰذا اس کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے۔

(۴) نوحہ کی اجرت:۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عورتیں بیعت کے لئے حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نوحہ (ماتم) نہ کرنے کا عہد لیتے تھے اس لئے نوحہ کرنا بالاجماع حرام ہے شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں

"اِنَّ النَّوْحَ حَرَامٌ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّہٗ جَاھِلِیَّۃٌ" (عمدۃ القاری ج ۸: ص: ۸۴)

(بیشک نوحہ بالاجماع حرام ہے کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسم ہے) لہٰذا اگر کسی نے اس فعل حرام کے لئے کسی کو اجرت پر لیا تو اس کا اجرت دینا اور نوحہ کرنے والی کا اجرت لینا حرام ہو گا حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس فعل شنیع سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف انداز میں شدید وعیدیں بیان فرمائیں ان میں سے چند آپ بھی ملاحظ فرمایئے۔

(۱) "عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَیِّتُ یُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِہٖ بِمَا نِیْحَ عَلَیْہِ" (بخاری شریف) (حضرت ابن عمر اپنے باپ سے اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو قبر میں اسی شئی سے عذاب دیا جاتا ہے جس سے اس پر نوحہ کیا جائے۔

(۲) "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰہُ النَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ (ابوداود)

(حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے۔)

(۳) "عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنِ النَّوْحِ" (مصنف ابن ابی شیبہ)

(حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے)

(۴) حدیث ابن عمر اخرجہ البیہقی "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ وَالْحَالِقَةَ وَالسَّالِقَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُتَوَشِّمَةَ وَقَالَ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ فِيْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ اَجْرٌ" (منقول عمدۃ القاری ج:۸ ص:۸۵) (امام بیہقی نے حضرت ابن عمر کی سند سے حدیث بیان کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' نوحہ کرنے والی 'نوحہ سننے والی 'مصیبت کے وقت بال کھولنے والی 'مصیبت کے وقت آواز بلند کرنے والی پر لعنت کی ہے اور فرمایا عورتوں کے لئے جنازوں کے پیچھے چلنے میں کوئی اجر نہیں ہے)

نمبر۵: "عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (بخاری شریف)

(حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے رخساروں پر تماچے لگائے اور گریبان چاک کیا اور زمانہ جاہلیت کی طرح بین کئے)

مذکورہ تمام ارشادات نبویہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ شریعت اسلامیہ میں نوحہ کرنے کی قطعاً" اجازت نہیں اور یہ بالاجماع حرام ہے لہٰذا اس پر اجرت لینا اور دینا بھی حرام ہے۔

(۳) کاہنوں اور نجومیوں کی اجرت: کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جاکر اپنے حالات دریافت کرنا اور پھر ان کی بتائی ہوئی باتوں پر صحت کا اعتقاد رکھنا شرعاً" جائز نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے افراد کے لئے انتہائی شدید وعیدیں بیان فرمائی ہیں اور کاہنوں کی اجرت کو ممنوع قرار دیا ہے لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی مخالفت کرنے کے سبب

اس عمل پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات ملاحظ فرمایئے

(۱) "عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا" (مسلم شریف ریاض الصالحین)

(حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن و نجومی کے پاس آیا اور کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کی جائیں گی)

نمبر(۲) "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (رواہ احمد وابو داؤد) (منقول انوار الحدیث)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کے قول کو سچا جانا تو وہ قرآن اور دین اسلام سے الگ ہو گیا)

(۳) "عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ متفق علیہ" (ریاض الصالحین)

(حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرنی (عطیے) سے منع فرمایا ہے)

(۴) گانے بجانے کی اجرت: لھو ولعب اور وقت گزاری کے لئے ناچ گانے اور رقص و سرود کی محفل سجانا حرام ہے۔ اس عمل کے لئے لائی گئی عورتوں کو اجرت دینا اور ان کا وصول کرنا شرعاً حرام ہے کیونکہ رب ذوالجلال اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" (لقمٰن:٦)

(اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا بیوپار کرتے ہیں تاکہ راہ خدا سے بھٹکاتے رہیں (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر اس کا مذاق اڑاتے رہیں یہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے) آیت کریمہ میں مذکورہ لفظ لھو الحدیث کی

وضاحت کرتے ہوئے حضرت علامہ محمود آلوسیؒ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں "عَنِ الْحَسَنِ كُلُّ مَاشَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَذِكْرِهٖ مِنَ السَّمَرِ وَالْاَضَاحِيْكِ وَالْخُرَافَاتِ وَالْغِنَاءِ وَنَحْوِهَا" (روح المعانی)

(یعنی ہر وہ بات لھو الحدیث ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کردے رات گئے تک قصہ گوئیاں ہنسانے والے چٹکلے ' ہر طرح کے خرافات اور گانا بجانا وغیرہ اس میں شامل ہیں)

اس آیت کی روشنی میں ایسے تمام امور کے لئے اجرت دینا اور لینا حرام ہے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی بھی پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیے

(۱) "عَنْ اَبِیْ سَلْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ تَعْلِيْمُ الْمُغَنِّيَاتِ وَاَثْمَانُهُنَّ حَرَامٌ وَفِيْ مِثْلِ هٰذَا نَزَلَتْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الْاٰيَةَ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالْغِنَاءِ اِلَّا بَعَثَ اللّٰهُ شَيْطَانَيْنِ اَحَدُهُمَا عَلٰى هٰذَا الْمَنْكِبِ وَالْاٰخَرُ عَلٰى هٰذَا الْمَنْكِبِ وَلَا يَزَالَانِ يَضْرِبَانِ بِاَرْجُلِهِمَا حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَسْكُتُ" (رواہ البغوی) (تفسیر مظہری ج:۷ ص:۲۴۷)

(حضرت ابو سلمہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانے کی تعلیم دینا جائز نہیں اور ان سے حاصل ہونے والی رقم حرام ہے اسی کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" نازل ہوئی جو آدمی گانے کے لئے اپنی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ دو شیطان اس کے پاس بھیج دیتا ہے ان میں سے ایک دائیں کندھے پر ہوتا ہے اور دوسرا بائیں کندھے پر اور وہ اسے اپنے پاؤں کے ساتھ مسلسل مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے)

(۲) "عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِيْ تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ" (رواہ الترمذی)

(حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گانے والیوں کو نہ بیچو ' نہ انہیں خریدو اور نہ انہیں تعلیم دو۔ ان

کی تجارت میں نفع ہرگز نہیں اور ان کی کمائی حرام ہے) مذکورہ آیت طیبہ اور اُحادیث کی روشنی میں ہی فقہا فرماتے ہیں "الغناء حرام" (گانا حرام ہے) اس مسئلہ پر تفصیلی بحث تفسیر مظہری۔ تفسیر ضیاالقرآن اور دیگر تفاسیر میں مذکورہ آیت کریمہ کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے ہمارا مقصود فقط اتنا ہے کہ رقص و سرود کی وہ محفل جو خالصہ "لھو ولعب کے لئے 'معصیت و گناہ کو عام کرنے اور فسق و فجور کو رواج دینے کے لئے منعقد کی جائے اور اس میں شریک افراد فسق و فجور کے عادی ہوں اور محفل کی کشش نماز اور دیگر ارکان شرعیہ بجالانے میں ان کے لئے رکاوٹ ہو تو بالاتفاق ایسی محفل کا انعقاد ناجائز ہے اور اس پر خرچ کی گئی رقم کا لینا دینا حرام ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴

"اِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ"

ترجمہ

(جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا)

قاعدہ کا مقصود یہ ہے "اِذَا تَعَارَضَ دَلِیْلَانِ اَحَدُهُمَا یَقْتَضِیْ التَّحْرِیْمَ وَالْاٰخَرُ الْاِبَاحَةَ قُدِّمَ التَّحْرِیْمُ" (جب دو دلیلیں باہم متعارض ہوں ایک حرمت کا تقاضا کرتی ہو اور دوسری اباحت کا' تو دلیل حرمت کو اباحت پر مقدم کیا جائیگا یعنی اسے ترجیح دی جائے گی)

امثلہ نمبر۱: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا "لَکَ مِنَ الْحَائِضِ مَافَوْقَ الْاِزَارِ" (تیرے لئے حائضہ کی ناف سے اوپر استمتاع جائز ہے) اس ارشاد گرامی سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کی ناف سے لیکر گھٹنوں کے نیچے تک کے حصہ سے لطف اندوز ہونا حرام ہے مگر اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد گرامی ہے "اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ" (نکاح (وطی) کے سوا ہر عمل بجالاؤ) تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حائضہ سے وطی کرنا تو حرام ہے مگر اس کے جمیع اعضا سے استمتاع کرنا مباح ہے یہ دونوں حدیثیں حکم کے اعتبار سے باہم متعارض ہیں لہٰذا ائمہ فقہاء حضرت امام اعظم ابو حنیفہ" امام ابو یوسف" امام شافعی" اور حضرت امام مالک" نے مذکورہ اصول کے مطابق دلیل حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے پہلی حدیث کو راجح قرار دیا اور

حکم یہ صادر کیا کہ ایام حیض میں ناف سے گھٹنوں تک استمتاع حرام ہے۔

(۲) اگر دوران شکار سکھلائے ہوئے شکاری کتے کے ساتھ ایسا کتا مل جائے جو سکھلایا ہوا نہ ہو اور دونوں ملکر شکار کریں تو ایسا شکار حرام ہوگا حالانکہ سکھلائے ہوئے کتے کا شکار حلت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ دوسرے کتے کا شکار حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر مذکورہ اصول کے مطابق دلیل حرمت کو ترجیح دیتے ہوئے شکار کو حرام قرار دیا گیا۔ (ھکذا فی الکنز)

(۳) اگر کسی نے شکار پر وار کیا جس کے سبب وہ پانی میں گر پڑا یا وہ پہاڑی پر تھا وہاں سے نیچے چٹان پر گرا پھر لڑھکتا ہوا زمین پر آپہنچا تو ایسا شکار حرام ہوگا کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ شکاری کے وار سے نہ مرا ہو بلکہ پانی میں گرنے یا چٹان پر لگنے کے سبب اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ لہٰذا احتیاطی حکم یہی دیا گیا کہ ایسا شکار استعمال نہ کیا جائے۔

(۴) اگر ایک ہی بیع میں مذبوحہ بکری اور مردار بکری جمع کردی جائے تو ایسی بیع باطل ہوگی۔ اس میں مردار بکری مال نہ ہونے کے سبب بیع کے بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مذبوحہ بکری مال ہونے کی سبب بیع کے جواز کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا مذکورہ اصول کے مطابق دلیل بطلان کو دلیل جواز پر ترجیح دیتے ہوئے حکم بیع باطل کا لگایا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۱۵

"اَلْبَيِّنَةُ عَلٰى مَنِ ادَّعٰى وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ"

ترجمہ

(گواہ لانا اس کے ذمہ ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے دعوی کا انکار کیا) اس اصول کی بنیاد اور اصل یہ واقعہ ہے کہ حضرت علقمہ اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں "قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتٍ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ

يَتَوَرَّعُ عَنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَالِكَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَحْلِفَ لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ" (هذا حديث حسن صحیح (ترمذی ج:۱ص ۲۴۹)

ترجمہ

(حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں دو آدمی حاضر ہوئے ایک حضرموت کا رہنے والا تھا اور دوسرا کندہ کا تو حضرمی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے بعدازاں کندی بولا زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس میں کوئی حق نہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہے اس نے عرض کی نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے کندی پر قسم ہوگی۔ یہ سن کر حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک یہ ایک فاجر انسان ہے یہ قسم اٹھاتے ہوئے کسی شئی کی پرواہ نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی معصیت سے اجتناب کرے گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تیرے لئے اس کی جانب سے قسم کے سوا اور کچھ نہیں۔ حضرت وائل فرماتے ہیں جب وہ آدمی قسم اٹھانے کیلئے چلا اور وہ پچھلے پاؤں مڑا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس نے دوسرے کا مال ظلماً" کھانے کے لئے قسم اٹھائی تو یقیناً" وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوگا اور اپنی رحمت سے اسے دور ہٹا دے گا) پس اسی فرمان نبوی سے یہ قانون معرض وجود میں آیا کہ کسی بھی مقدمہ اور باہمی نزاع میں گواہ لانا مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور اس کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کے ذمہ قسم لازم ہوتی ہے۔

بینہ کی تعریف

"اَلشَّهَادَةُ الْعَادِلَةُ الَّتِيْ تُؤَيِّدُ صِدْقَ دَعْوَى الْمُدَّعِيْ" (الاشباہ والنظائر)

(ایسی سچی شہادت جو مدعی کے دعویٰ کے صدق کی تائید کرتی ہو بینہ کہلاتی ہے) مگر یہ لفظ فی الحقیقت شہادت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ "تَشْمُلُ كُلَّ مَا يُبَيِّنُ الْحَقَّ وَيُظْهِرُهُ" (یہ لفظ ہر اس شئی کو شامل ہوتا ہے جو حق کو بیان کرتی ہو اور اس کی وضاحت کرتی ہو) قاعدہ

میں غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ اصول عین عقل سلیم کے مطابق ہے کیونکہ مدعی کا دعوی ظاہر صورت کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بھی اصول ہے "اِنَّ الْاَصْلَ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ" (یعنی بنیادی طور پر ہر انسان دوسرے کی ذمہ داری سے بری ہے اس لئے مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوی کے صدق کو ثابت کرنے کے لئے شہادت پیش کرے اگر اس کے سبب اس کے دعوی کی صداقت ثابت ہو جائے تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اور اگر مدعی اپنے دعوی کے حق میں بینہ لانے سے عاجز ہو تو پھر مدعی علیہ کو اس دعوی کے انکار کا ثبوت مہیا کرنے کیلئے قسم اٹھانے کا موقع فراہم کیا جائے اگر اس نے قسم اٹھادی تو یہی اس کی صداقت کی دلیل ہوگی اور نتیجۃً وہ اس دعوی سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

مثلاً اگر زید نے خالد کے خلاف قاضی کی عدالت میں سرقہ (چوری) کا دعوی دائر کردیا تو اس میں دعوی کے ثبوت کے لئے زید (مدعی) کے ذمہ گواہ لانا لازم ہیں اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو خالد (مدعی علیہ) پر حد سرقہ نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ گواہ لانے سے عاجز رہا تو پھر قاضی خالد (مدعی علیہ) سے قسم لے گا اگر اس دعوی کے خلاف قاضی کی عدالت میں اس نے قسم اٹھادی تو وہ اس دعوی سے بری ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم اٹھانے سے انکار کردیا تو پھر مال سرقہ کی ضمانت اس پر لازم ہوگی مگر قسم سے انکار کرنے کے سبب اس پر حد سرقہ (قطع ید) نہیں لگائی جائے گی جیسا کہ کنزالدقائق میں ہے "وَيُسْتَحْلِفُ السَّارِقُ فَاِنْ نَكَلَ ضَمِنَ" "قاضی سارق سے قسم لے گا اگر اس نے انکار کیا تو مال کا ضامن ہوگا۔

قاعدہ نمبر ٢٦

"لَا يُنْكَرُ تَغَيُّرُ الْاَحْكَامِ بِتَغَيُّرِ الْاَزْمَانِ"

ترجمہ

(زمانہ کی تبدیلی کے سبب احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائیگا)

مذکورہ قاعدہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے احکام جن کا انحصار عرف اور عادت پر ہوتا ہے وہ زمانہ کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں چونکہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی حاجات و ضروریات میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے اور پھر یہی تبدیلی عرف میں تغیر کا سبب بنتی ہے اور پھر عرف احکام بدلنے کا سبب بن جاتا ہے مگر اس کے برعکس ایسے احکام

جن کا دارومدار عرف کی بجائے ادلہ شرعیہ پر ہوتا ہے وہ ہر دور میں قائم رہتے ہیں اور عرف میں کسی نوعیت کی تبدیلی ان میں تغیر کا سبب نہیں بن سکتی مثلاً" قصاص اور دیگر حدود وغیرہ تمام احکام صریح نصوص سے ثابت ہیں لہٰذا حالات میں کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ رونما ہو جائے ان میں قطعاً" تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

امثلہ نمبرا:زمانہ قدیم میں لفظ دار کا اطلاق ایسی حویلی پر ہوتا تھا جس میں ایک ہی نوعیت کے متعدد کمرے موجود ہوتے۔ اگر اسے کوئی خریدنے کی خواہش کرتا تو اس کے لئے اصول یہ تھا کہ اگر دار کے متعدد کمروں میں سے ایک کو دیکھ لیتا تو اس کا خیار رویت ساقط ہو جاتا اور بعد ازاں اس خیار کی بنا پر اسے اپنا عقد توڑنے کا حق حاصل نہیں ہوتا تھا۔ مگر زمانہ جدید میں رسوم ورواج کی تبدیلی کے سبب دار کی نوعیت بھی بدل گئی لہٰذا ایک ہی دار میں مختلف نوعیتوں اور ڈیزائنوں کے کمرے تعمیر ہونے لگے اسی تبدیلی کی بنا پر متاخرین فقہاء نے یہ فتوی صادر کیا کہ جب تک مشتری دار کے ہر کمرہ کو علیحدہ علیحدہ دیکھ نہ لے تب تک اس کا خیار رویت ساقط نہیں ہو گا۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہ" اپنے دور میں دعوی مال میں شاہد کا تزکیہ لازمی قرار نہیں دیتے تھے اور اس کی علت یہ تھی کہ آپ کے دور میں اکثر لوگ متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے اور احکام شرعیہ کی پابندی کرتے تھے ہاں اگر خصم گواہ پر جرح کے دوران اس کے تزکیہ کا ثبوت طلب کرتا تو پھر آپ" کے نزدیک بھی تزکیہ کا ثبوت پیش کرنا لازم ہوتا تھا مگر آپ کے بعد جب صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا دور آیا تو حالات بدل چکے تھے۔ اور لوگوں کے مزاج میں اچھا خاصا بگاڑ آچکا تھا حتی کہ جھوٹی شہادت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے حالات کی اس تبدیلی کے پیش نظر انھوں نے یہ فتوی دیا کہ شہادت کے لئے شاہدوں کے تقوی اور ان کی صداقت و شرافت کا ثبوت سراً" اور اعلانیتہً لازمی اور ضروری ہے۔

(۳) ایسی اجناس جن کے کیلی یا وزنی ہونے کی تعیین زمانہ رسالت سے ثابت نہیں تو انکے کیلی یا وزنی ہونے کا فیصلہ عرف کے مطابق ہو گا یعنی جس زمانہ یا علاقہ کے لوگ جن کا کاروبار کیل سے کرتے ہیں وہاں وہ کیلی اجناس میں شمار ہوں گی اور جن کا لین دین وزن سے کرتے ہیں وہ وزنی اشیاء میں شمار ہو نگی اور اگر کچھ عرصہ کے بعد حالات اس کے برعکس ہو جائیں یعنی وزنی اشیاء کی خرید و فروخت کیل سے ہونے لگے اور کیلی کی بیع و شرا وزن سے ہونے لگے تو ان کے

احکام بھی انہی کے مطابق بدل جائیں گے۔

نمبر۴: زمانہ قدیم میں دوران جنگ جو ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے ان میں تیر' نیزے' تلواریں' ڈھالیں وغیرہ شامل تھیں مگر غزوہ طائف میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے قلعہ کی دیواریں توڑنے کے لئے منجنیق کا استعمال کیا بعد ازاں خلفائے راشدین کے ادوار میں آلات حرب اور فنون حرب میں اچھی خاصی تبدیلی رونما ہوئی مگر اب حالات کلیتہ" تبدیل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق جدید سے جدید تر ایسا سامان حرب جس سے ملک کا دفاع احسن انداز میں ہو سکتا ہو اس کا استعمال ضروری ہے۔ کیونکہ حالات بدلنے سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں۔

نمبر۵: اذان کا لغوی معنی "اَلْاِعْلَامُ" (آگاہ کرنا) ہے۔ اور اس کا شرعی مفہوم یہ ہے "اَلْاَذَانُ اِعْلَامٌ مَخْصُوْصٌ بِاَلْفَاظٍ مَخْصُوْصَةٍ فِیْ اَوْقَاتٍ مَخْصُوْصَةٍ" (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج:۵ ص ۱۰۷)

(مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص اعلان کرنا اذان کہلاتا ہے) اس تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا مقصود اصلی لوگوں کو اوقات نماز سے آگاہ کرنا ہے۔ اور انہیں اپنے ذمہ لازم فرض کی ادائیگی کی دعوت دینا ہے۔ تاکہ جمیع افراد اذان کی آواز سن کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو سکیں۔ اس لئے اذان بلند آواز کے ساتھ بلند جگہ پر کہنا مستحب ہے۔ جیسا کہ عمدہ القاری ج:۵ ص ۱۱۵ پر موجود ہے۔ "فِیْهِ اِسْتِحْبَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْاَذَانِ لِیَکْثُرَ مَنْ یَّشْهَدُ لَهٗ وَلَوْ اُذِّنَ عَلٰی مَکَانٍ مُرْتَفِعٍ لِیَکُوْنَ اَبْعَدَ لِذِهَابِ الصَّوْتِ وَکَانَ بِلَالٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یُؤَذِّنُ عَلٰی بَیْتِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِیْ النَّجَّارِ بَیْتُهَا اَطْوَلُ بَیْتٍ حَوْلَ الْمَسْجِدِ"

(اذان میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ تاکہ اس کی شہادت دینے والے کثیر ہو جائیں اگرچہ وہ بلند جگہ پر اذان کہے کیونکہ یہ آواز دور تک پہنچانے کے لئے زیادہ مناسب ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک عورت کے گھر پر اذان کہتے تھے کیونکہ اس کا گھر مسجد کے اردگرد کے تمام گھروں سے زیادہ بلند تھا۔)

مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہوا کہ بلند جگہ پر اذان کہنے کا مقصود صرف اور صرف آواز دور دراز تک پہنچانا تھا اسی طرح صاحب ہدایہ ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّ الْاَذَانَ عَلٰی مَوْضِعٍ

عَالٍ مُسْتَحَبٌّ" ہدایہ ج۱ ص ۵۸، ح ۳
(بیشک بلند جگہ پر اذان کہنا مستحب ہے) مسجد نبوی میں میناروں کی تعمیر ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں ہوئی۔ جیسا کہ وفا الوفاء باخبار دار المصطفےٰ میں ہے "یَظْهَرُ مِنْ سِیَاقِ مَا تَقَدَّمَ اَنَّ اَوَّلَ جَعْلِ الْمَنَارَاتِ فِیْ الْمَسْجِدِ کَانَ فِیْ زِیَادَةِ الْوَلِیْدِ فِیْ الْمَسْجِدِ النَّبَوِیْ۔" (منقول ہدایہ ج ۱ ص ۵۸ ح ۳)
جبکہ کتاب الاوائل للسیوطی میں ہے "اَوَّلُ مَنْ رَقٰی مِنَارَةَ مِصْرَ شَرَحْبِیْلُ بْنُ عَامِرٍ وَبَنٰی مُسْلِمَةُ الْمَنَائِرَ لِلْاَذَانِ وَلَمْ تَکُنْ قَبْلَ ذَالِکَ" (ہدایہ ج ۱ ص ۵۸) (منارہ مصر سب سے پہلے شرحبیل بن عامر نے بنایا اور اذان کے لئے منارے مسلمہ نے تعمیر کرائے اس سے قبل کوئی منار نہیں تھا)
مذکورہ عبارات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک امر مستحب کی ادائیگی کے لئے جدت پیدا کی گئی۔ اس طرح کہ وہی اذان جو پہلے مکان یا مسجد کی چھت پر کہی جاتی تھی اس کے لئے مینارے تعمیر کر دیئے گئے اور ان پر اذان کہی جانے لگی مگر ان تمام سے مقصود یہ تھا کہ اذان کی آواز دور دور تک پہنچائی جا سکے مگر سائنس کی روز افزوں ترقی کے ساتھ جب سے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) ایجاد ہوا وہی عمل جو پہلے مینار پر کیا جاتا تھا اگر بند کمرے میں بھی کیا جائے تو اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز شہر کی آبادی سے باہر تک بآسانی پہنچائی جا سکتی ہے لہٰذا اگر مذکورہ فقہی قاعدہ کی روشنی میں غور کیا جائے تو یہ کہنا درست ہے کہ زمانہ جدید کی اس ایجاد (لاؤڈ سپیکر) کا استعمال اذان کے لئے مباح ہے۔ اور اس کی موجودگی میں مینار پر اذان کہنا ضروری نہیں ہے۔
علاوہ ازیں مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں جدید دور کے تمام تر ذرائع رسل و رسائل ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون اور وائرلیس وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۱۷

"اِذَا تَعَارَضَتِ الْحُقُوْقُ قُدِّمَ مِنْهَا الْمُضَیَّقُ عَلَی الْمُوَسَّعِ وَالْفَوْرِیُّ عَلَی الْمُتَرَاخِیْ وَفَرْضُ الْعَیْنِ عَلَی الْکِفَایَةِ"

ترجمہ

(جب حقوق باہم متعارض آجائیں تو ان میں سے مضیق (جس کا وقت تنگ ہو) "کو موسع" (جس کا وقت وسیع ہو) پر اور فوری (جس کی ادائیگی بالفور ضروری ہو) کو متراخی (جس کی ادائیگی بالتاخیر ہو سکتی ہو) پر اور فرض عین کو فرض کفایہ پر مقدم کیا جائے۔

امثلہ نمبر۱: اذان کا جواب قرات قرآن پر مقدم کیا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب موذن اذان کہہ رہا ہو تو سامع کے لئے اس کا جواب دینا سنت سے ثابت ہے۔ اور اگر اسی وقت سامع قرات قرآن میں مصروف ہو تو اس کے لئے دو مختلف حقوق کی ادائیگی بیک وقت لازم ہو گئی مگر چونکہ اذان کے جواب کا وقت تنگ ہے کیونکہ یہ صرف موذن کی اذان کہنے کے وقت تک محدود ہے۔ اور اس کے برعکس قرات قرآن کا وقت وسیع ہے اس لئے اسے چاہئے کہ تھوڑی دیر کے لئے قرات قرآن کو موقوف کردے اور اذان کا جواب دے اور اس کے بعد پھر تلاوت کلام مجید میں مصروف ہو جائے۔ جیسا کہ بہار شریعت جز سوم ص ۳۰ میں بحوالہ درمختار اور فتاوی عالمگیری موجود ہے۔

"جب اذان ہو تو اتنی دیر کے لئے سلام، کلام اور جواب سلام تمام اشغال موقوف کر دے یہاں تک کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اذان کی آواز آئے تو تلاوت موقوف کرے اور اذان کو غور سے سنے اور جواب دے۔

نمبر۲: نماز ادا کرنے کی نسبت ڈوبنے یا جلنے والے کو بچانا مقدم ہے تفصیل اس طرح ہے کہ اگر ایک جانب نمازی کے لئے نماز کا وقت ہو اور اسی لمحے آنکھوں کے سامنے اسے ایک آدمی غرق ہوتا یا جلتا نظر آئے تو اس صورت میں نمازی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی موخر کر دے اور اس آدمی کی زندگی بچانے کی اولاً "کوشش کرے کیونکہ اس میں اولاً" تو نماز کا وقت وسیع ہے اور اگر وقت تنگ بھی ہو جائے تو پھر بھی وقت کے بعد اس کی قضا ممکن ہے جب کہ اس کے برعکس اگر غرق ہونے یا جلنے والے کو بالفور بچانے کی کوشش نہ کی جائے تو اس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا اور وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا اس لئے یہ لازم ہے کہ فوری حق کو متراخی پر مقدم کیا جائے بلکہ اگر انسان نماز ادا بھی کر رہا ہو اور اس کے سامنے مذکورہ نوعیت کا واقعہ پیش آجائے تو ایسی صورت میں نماز توڑنا واجب ہے۔

نمبر۳: "عام حالات میں بوڑھے والدین کی خدمت کرنا فرض عین ہے۔ اور جہاد میں شرکت کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس لئے والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضور

ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا" (مشکوٰۃ، نسائی)

(حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ سے مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی جی ہاں تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی خدمت اپنے اوپر لازم کر لے بیشک جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے) جہاد کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا "اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ اِلَى الْعَدُوِّ مَا كَانَ يُخْرِجُ كُلَّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ" (جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے خلاف جہاد کے لئے نکلتے تو آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے جمیع افراد کو ساتھ نہ لے جاتے) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جہاد فرض عین ہوتا تو آپ ﷺ یقیناً" جہاد کے وقت جمیع اہل مدینہ کو ساتھ لے کر نکلتے اسی لئے فقہاء نے یہ فیصلہ فرمایا "اَلْجِهَادُ فَرْضُ كِفَايَةٍ اِبْتِدَاءً فَاِنْ قَامَ بِهٖ قَوْمٌ سَقَطَ عَنِ الْكُلِّ وَاِلَّا اَثِمُوْا بِتَرْكِهٖ" (کنز الدقائق ص ۱۹۹)

(جہاد ابتدا" فرض کفایہ ہے بس اگر بعض افراد نے یہ فریضہ ادا کر دیا تو تمام کے ذمہ سے یہ ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی جہاد میں شرکت نہ کی تو اسے ترک کرنے کے سبب تمام گناہ گار ہوں گے۔)

مگر جب صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی دشمن اسلام اسلامی مملکت پر عام حملہ کر دے اور ادھر اسلامی افواج بھی دفاع کے لئے کامل طور پر تیار نہ ہوں یا دشمن کی افواج قاہرہ کی تعداد اتنی کثیر ہو اور حملہ اتنا شدید ہو کہ اسلامی افواج کے لئے دفاع ممکن نہ ہو ایسے حالات میں اگر حاکم وقت مملکت کو بچانے کے لئے اور دین کی سربلندی کے لئے جہاد کے لئے اعلان عام کر دے اور رعایا کے ایسے تمام افراد کو جہاد میں شریک ہونے کی دعوت عام دے جو اس فریضہ کو ادا کرنے کی قوت و صلاحیت رکھتے ہوں تو ان حالات میں جہاد فرض عین بن جاتا ہے۔ لہذا ہر

اس آدمی کی شرکت اس میں لازمی ہو جاتی ہے جو کسی بھی اعتبار سے اس میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے۔

"وَاِنَّمَا صَارَ الْجِهَادُ عِنْدَ النَّفِيْرِ فَرْضُ عَيْنٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) (توبہ:۴۱)
(کنز الدقائق ص ۱۹۹)

(نفیر عام کے وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرو) یعنی جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے تم کسی بھی حال میں ہو دنیا کا کوئی بندھن' کوئی مجبوری اور کوئی عذر تمہیں میدان جہاد کا رخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ علامہ اسماعیل حقی خفافا و ثقالا کی وضاحت میں فرماتے ہیں "اَیْ حَالَ کَوْنِکُمْ شُبَّانًا وَّشُیُوْخًا اَوْ فُقَرَاءَ اَوْ اَغْنِیَاءَ اَوْ رُکْبَانًا وَّمُشَاةً اَوْ اَصِحَّاءَ وَّمَرْضٰی اَوْ عُزَّبًا وَّمُتَاَهِّلِیْنَ" (روح البیان)

(خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے' فقیر ہو یا امیر' سوار ہو یا پیادے' تندرست ہو یا بیمار' تنہا ہو یا عیالدار ہر حال میں دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزم گاہ حق و باطل میں شریک ہو جاؤ)

نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جب صورت حال ایسی ہو جائے تو پھر خدمت والدین پر جہاد کو ترجیح دیتے ہوئے مقدم کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۱۸

"تَخْصِیْصُ الْعَامِ بِالنِّیَّةِ مَقْبُوْلَةٌ دِیَانَةً لَّا قَضَاءً"

ترجمہ

(عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ" مقبول ہوتی ہے مگر قضاء" نہیں)

امثلہ نمبر ۱ اگر کسی نے حلفاً کہا "کُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِیَ طَالِقٌ" (ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں گا اسے طلاق) اس میں لفظ "کل" "امراۃ" نکرہ کی طرف مضاف ہے۔ ایسی صورت میں لفظ "کل" نکرہ کے افراد کے استغراق کے لئے آتا ہے اس معنی کے پیش نظر حالف نے جتنی بھی عورتوں سے یکے بعد دیگرے شادی کی انہیں طلاق ہو جائے گی۔

اگر اس نے مذکورہ جملہ زبان سے ادا کرنے کے بعد کہا کہ میں نے اس عام سے صرف فلاں شہر کی عورتوں کی نیت کی تھی تو ظاہر مذہب کے مطابق اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ قضاء عام کی تخصیص صرف نیت کے ساتھ مقبول نہیں ہوتی۔

نمبر۲: مال غصب کرنے کی صورت میں غاصب نے حلفاً یہ کہا "وَاللّٰہِ مَا غَصَبْتُ شَیْئًا" (قسم بخدا میں نے کوئی شئے غصب نہیں کی) یا چوری کی صورت میں سارق نے کہا "وَاللّٰہِ مَا سَرَقْتُ شَیْئًا" (قسم بخدا میں نے کوئی شئے چوری نہیں کی) ان میں کلمہ "ما" معنی عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے مطابق قائل نے اپنے آپ کو ہر شئے کے غصب یا چوری سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ اور اگر بعد میں اس نے کہا کہ میں نے تو مخصوص مال کی نیت کی تھی تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہوگا کیونکہ عام کی تخصیص صرف نیت کے ساتھ مقبول نہیں ہوتی۔

قاعدہ نمبر۱۹

"اَلْاَیْمَانُ مَبْنِیَّۃٌ عَلَی الْاَلْفَاظِ لَا عَلَی الْاَغْرَاضِ"

ترجمہ

(قسم کا دارومدار الفاظ پر ہوتا ہے اغراض پر نہیں ہوتا) یعنی قسم اٹھاتے وقت حالف جو الفاظ استعمال کرے گا اعتبار ان ہی کا ہوگا اور قسم توڑنے کی صورت میں اس کے ذمہ کفارہ قسم واجب ہوگا۔ مگر الفاظ تبدیل ہونے کی صورت میں نہ وہ حانث ہوگا اور نہ اس کے ذمہ کفارہ قسم واجب ہوگا اگرچہ مقصود ایک ہو یا نہ ہو۔

امثلہ نمبر۱: کسی نے قسم اٹھائی "وَاللّٰہِ لَا یَشْتَرِیْ لِفُلَانٍ شَیْئًا بِفَلْسٍ" (قسم بخدا وہ فلاں کے لئے فلوس کے عوض کوئی چیز نہیں خریدے گا) مگر بعد میں دراھم کے عوض اس کے لئے اشیاء خرید لیں تو اس صورت میں وہ حانث نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے ذمہ کفارہ وغیرہ ہوگا کیونکہ حالف نے قسم کے وقت لفظ "فلس" استعمال کیا ہے۔ جبکہ اشیاء دراہم کے عوض خریدی ہیں۔ اس لئے الفاظ تبدیل ہو جانے کے سبب وہ حانث نہیں ہوگا۔

نمبر۲: کسی نے قسم اٹھائی "وَاللّٰہِ لَا یَبِیْعُہٗ بِعَشَرَۃٍ" (قسم بخدا وہ دس کے عوض اسے فروخت نہیں کرے گا) مگر پھر اس نے وہی چیز گیارہ یا نو روپے کے عوض فروخت کر دی تو وہ

حانث نہیں ہو گا کیونکہ قسم کھاتے وقت اس نے دس کا مخصوص عدد استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اعتبار بھی اسی کا ہو گا اس لئے عدد تبدیل ہونے سے وہ حانث شمار نہیں ہو گا۔

قاعدہ نمبر ۲۰

"اَلْاَصْلُ بَقَاءُ مَا کَانَ عَلٰی مَا کَانَ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر جو چیز جس حالت پر ہو اسی پر باقی رہتی ہے)

امثلہ نمبر۱: اگر کسی کو رات کے باقی ہونے میں تردد ہو یعنی یہ امر مشکوک ہو کہ رات کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے یا نہیں حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی! تو ایسی حالت میں سحری کھانے سے روزہ صحیح ہو گا اور اس کے ذمہ قضا واجب نہیں ہوگی۔ "لِاَنَّ الْاَصْلَ بَقَاءُ اللَّيْلِ" (کیونکہ اس میں اصل رات کا باقی ہونا ہے) جیسا کہ کنز الدقائق میں موجود ہے "لَوْ تَسَحَّرَ ظَنَّهٗ لَيْلاً وَالْفَجْرُ طَالِعٌ مَفْهُوْمُهٗ اَنَّهٗ لَوْ لَمْ يَتَبَيَّنْ لَهٗ اَنَّهٗ اَكَلَ بَعْدَ الْفَجْرِ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِاَنَّ الْاَصْلَ هُوَ اللَّيْلُ فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَلَوْ شَكَّ فِيْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَالْاَفْضَلُ تَرْكُ الْاَكْلِ" (ص ۷۰)

اس کے برعکس اگر روزے دار کو سورج غروب ہونے میں تردد ہو تو اسے روزہ افطار کرنے کی اجازت نہیں اگر اس نے روزہ افطار کر لیا اور ابھی بعد میں سورج ظاہر ہو گیا تو روزے کی قضاء اس کے ذمہ واجب ہو گی۔ "لِاَنَّ الْاَصْلَ بَقَاءُ النَّهَارِ" (کیونکہ اس صورت میں اصل دن کا باقی ہونا ہے)

نمبر ۲: اگر عورت نے اپنے خاوند کے خلاف مقررہ نفقہ اور لباس وغیرہ نہ دینے کا دعوی کر دیا اور خاوند نے اس کے برعکس موقف اختیار کیا تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہو گا " لِاَنَّ الْاَصْلَ بَقَاءُهُمَا فِيْ ذِمَّتِهٖ" (کیونکہ اس میں اصل ان کا خاوند کے ذمہ باقی ہونا ہے۔) نمبر ۳: ایسا لقیط (گرا ہوا بچہ) جو دار الاسلام میں پڑا ہوا ملے وہ آزاد متصور ہو گا "لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْهِ حُرِّيَّةٌ" (کیونکہ اس میں اصل آزادی ہے)

قاعدہ نمبر ۲۱

"اَلْاَصْلُ بَرَاءَۃُ الذِّمَّۃِ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر ذمہ سے بری ہوتا ہے) یعنی معاملات میں ہر انسان بنیادی طور پر اس ذمہ داری سے بری ہوتا ہے جسے اس نے قبول نہ کیا ہو۔

امثلہ نمبر ۱: اگر مدعی اور مدعی علیہ کے مابین کسی مغصوبہ یا تلف شدہ شے کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو قول غارم (تلف کرنے والا) کا معتبر ہو گا اور مدعی نے جتنی زائد قیمت کا دعوی کیا اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔ "لِاَنَّ الْاَصْلَ بَرَاءَۃٌ عَمَّا زَادَ" (کیونکہ بنیادی طور پر وہ زائد قیمت کی ادائیگی سے بری ہے) مگر جب مدعی نے اپنے دعوی پر بینہ قائم کر دیئے تو پھر اس کا دعوی معتبر ہو گا اور غارم اس کی ادائیگی کا پابند ہو گا۔

نمبر ۲: اگر کسی نے اپنی موت سے قبل میراث کے تیسرے حصہ میں سے اپنی نمازوں یا روزوں وغیرہ کا فدیہ دینے کی وصیت نہ کی تو پھر ورثاء کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی۔ "لِاَنَّ الْاَصْلَ بَرَاءَۃُ الذِّمَّۃِ" (کیونکہ بنیادی طور پر انسان بری الذمہ ہے۔) اور اگر ورثاء نے تبرعاً فدیہ ادا کر دیا تو وہ ادا ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۲۲

"اَلْوِلَایَۃُ الْخَاصَّۃُ اَقْوٰی مِنَ الْوِلَایَۃِ الْعَامَّۃِ"

ترجمہ

(ولایت خاصہ ولایت عامہ کی نسبت قوی ہوتی ہے)

ولی کی تعریف

"کُلُّ مَنْ وَلِیَ اَمْرَ اَحَدٍ" (ہر وہ جو کسی کے معاملات کا محافظ ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے) اس تعریف کے مطابق مذکورہ قاعدہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ ایسا ولی جسے دوسروں پر ولایتِ خاصہ حاصل ہو مثلاً "باپ' دادا یا دیگر قریبی رشتہ دار' اسے اپنا اختیار استعمال کرنے کا زیادہ حق حاصل ہو گا بہ نسبت اس ولی کے جسے ولایت عامہ حاصل ہو مثلاً" قاضی یا امام وقت وغیرہ۔

امثلہ نمبر ۱: اگر یتیم بچے یا بچی کا اپنا ولی خاص موجود ہو تو پھر ان کی شادی بیاہ کا حق قاضی وغیرہ کو حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ ولی عام ہے اور ولی خاص کو ولی عام پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

نمبر۲: مسئلہ قصاص میں دونوں نوع کے ولی کے مابین فرق اس قدر ہے کہ ولی خاص کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے یا مال کے عوض صلح کر لے یا بلا عوض معاف کر دے مگر اس کے برعکس ولی عام (قاضی یا امام وقت) کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

نوٹ

ولی کی مختلف اقسام ہیں ا۔ ایسا ولی جسے مال اور نکاح دونوں کی ولایت حاصل ہوتی ہے جیسے باپ اور دادا وغیرہ۔

۲۔ ایسا ولی جسے صرف ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے جیسے تمام عصبات' ماں اور ذوالارحام

۳۔ ایسا ولی جسے صرف ولایت مال حاصل ہوتی ہے جیسے اجنبی وصی وغیرہ

قاعدہ نمبر۲۳

"مَنِ اسْتَعْجَلَ الشَّیْءَ قَبْلَ اَوَانِہٖ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِہٖ"

ترجمہ

(جس نے قبل از وقت کسی شئے کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔

امثلہ نمبر۱: اگر کسی نے اپنے مورث کو اس لئے قتل کر دیا تاکہ اس کی جائیداد اس کی ملکیت میں آ جائے تو ایسے قاتل کو مقتول کی جائیداد سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ اسے قصاصاً" قتل کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو بھی اس کا وارث نہیں بنایا جائے گا۔

نمبر۲: اگر کسی نے اپنی مرض موت میں اپنی بیوی کو اس کی رضا کے بغیر طلاق بائن دے دی اور اس سے بیوی کو جائیداد سے محروم کرنے کا قصد کیا تو اب اگر اس کی موت عورت کی عدت کے دوران ہوئی تو پھر عورت کو جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اپنا حصہ ضرور دیا جائے گا اور اگر اس کی موت عورت کے عدت گزارنے کے بعد ہوئی یا وہ بیماری اس کے لئے مرض موت ثابت نہ ہوئی تو پھر عورت کو اس کی میراث سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔

نمبر۳: ایسی تمام عبادات جنہیں ادا کرنے کا وقت مقرر ہے۔ اگر کسی نے اپنے انتہائی زہد و

تقویٰ اور پارسائی کا اظہار کرنے کے لئے انہیں قبل از وقت ادا کیا تو ان کی ادائیگی صحیح نہیں ہو گی اور اس وقت تک ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گی جب تک معینہ اوقات میں ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً" اذان اگر نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے دی جائے تو وقت شروع ہونے کے بعد اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے اسی طرح فرض نمازیں ہیں اگر کسی نے وقت داخل ہونے سے قبل اپنی نماز ادا کرلی اگرچہ اس کی نیت جلدی جلدی اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کی ہو پھر بھی یہ فرض اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہو گا اور وقت داخل ہونے کے بعد اس کا اعادہ واجب ہو گا۔ اسی طرح حج ہے اگر ایام حج سے قبل ادا کرلیا جائے تو ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کی دوبارہ ادائیگی واجب ہوتی ہے یہی حال قربانی کا ہے کہ اس کا وقت نماز عید کے بعد ہے۔ اگر کسی نے تیزی دکھاتے ہوئے نماز عید سے پہلے ہی اپنی قربانی ذبح کردی تو قربانی کا واجب ذمہ سے ادا نہیں ہو گا۔

نوٹ

بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔

نمبر ۱: اگر قرض خواہ نے اپنے مقروض کو قتل کر دیا تو اس صورت میں اسے قرضے سے محروم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا قرض ضرور واپس دلوایا جائے گا البتہ اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔

نمبر ۲: اگر کسی عورت نے صرف حیض جاری کرنے کے لئے دوا استعمال کی تو اس صورت میں حیض جاری ہونے کے ساتھ وہ حائضہ شمار ہو گی اور اس دوران جتنی نمازیں قضا ہوں گی ان کی قضا اس کے ذمہ واجب نہیں ہو گی۔

قاعدہ نمبر ۲۴

"اِعْمَالُ الْکَلَامِ اَوْلٰی مِنْ اِھْمَالِہٖ مَتٰی اَمْکَنَ فَاِنْ لَّمْ یُمْکِنْ اُھْمِلَ"

ترجمہ

(کلام پر عمل کرنا اسے مہمل چھوڑنے کی نسبت اولیٰ ہے جب تک اس پر عمل ممکن ہو اور اگر اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو اسے مہمل چھوڑ دیا جائے)

یعنی جب ایک عاقل بلغ انسان گفتگو کرے تو اس کی گفتگو اور کلام کو لغو اور مہمل قرار دینے کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کلام سے معانی اور مفہوم اخذ کیا جائے لہذا اگر اسے اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا ممکن ہو تو فبہا۔ ورنہ اسے مجازی معنی پر ہی محمول کر دیا جائے۔ کیونکہ علمائے اصول کا اس پر اتفاق ہے کہ "اِنَّ الْحَقِيْقَةَ اِذَا كَانَتْ مُتَعَذِّرَةً فَاِنَّهٗ يُصَارُ اِلَى الْمَجَازِ"

(جب کسی لفظ سے حقیقی معنی مراد لینا مشکل اور متعذر ہو تو اسے مجازی معنی کی طرف پھیر دیا جائے گا اور اگر کلام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لینے محال ہوں تو پھر اسے لغو اور مہمل قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ کتب اصول میں مذکور ہے "وَاِنْ تَعَذَّرَتِ الْحَقِيْقَةُ وَالْمَجَازُ اَوْ كَانَ اللَّفْظُ مُشْتَرِكًا بِلَا مُرَجِّحٍ اُهْمِلَ لِعَدَمِ الْاِمْكَانِ"

امثلہ نمبر۱: اگر کسی نے یہ قسم کھائی "وَاللّٰهِ لَا يَاْكُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ اَوْ هٰذَا الدَّقِيْقِ" (قسم بخدا وہ یہ کھجور یا یہ آٹا نہیں کھائے گا) تو اس کلام میں لفظ النخلہ کا اطلاق کھجور کے درخت سے حاصل ہونے والے اس پھل پر ہو گا جسے کھایا جاتا ہے اور مارکیٹ میں بیع و شراء کے وقت اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح لفظ دقیق کا اطلاق آٹے کی ایسی حالت پر ہو گا جس میں وہ کھانے کے قابل ہوتا ہے یعنی روٹی وغیرہ لہذا ان چیزوں کے استعمال سے تو وہ حانث ہو گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر اس نے کھجور کا درخت کھانا شروع کر دیا یا آٹا پھانکنا شروع کر دیا تو اس سے وہ حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ کلام کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا عرفاً متعذر ہے۔

نمبر۲: اگر کسی نے بیوی کے متعلق کہا "ہذہ بنتی (یہ میری بیٹی ہے)" "لَمْ تَحْرُمْ بِذٰلِكَ اَبَدًا" تو اتنا کہنے سے وہ اس پر حرام نہیں ہو گی کیونکہ کلام میں موجود لفظ بنت کو حقیقی اور مجازی دونوں معنوں پر محمول کرنا متعذر ہے اس لئے اس کا کلام لغو جائے گا۔

نمبر۳: اگر کسی نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو کہا "اَنْتِ طَالِقٌ اَرْبَعًا" (تجھے چار طلاقیں) اور اس کے جواب میں اس نے کہا مجھے تین ہی کافی ہیں تو پھر مرد نے کہا "اَوْقَعْتُ الزِّيَادَةَ عَلٰى فُلَانَةَ" (کہ میں نے زائد طلاق فلانہ پر واقع کر دی ہے) تو اتنا کہنے سے دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر اس نے یہ کہا "اَلثَّلَاثُ

لَكِ وَالْبَاقِيْ لِصَاحِبَتِكِ" (کہ تین تیرے لئے ہیں اور باقی تیری صاحبہ کے لئے) تو اس سے بھی دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس میں عمل ممکن نہیں "لِأَنَّ الشَّارِعَ حَكَمَ بِبُطْلَانِ مَازَادَ فَلَا يُمْكِنُ إِيْقَاعُهُ عَلٰى أَحَدٍ" (الاشباہ والنظائر ص ۱۳۵)

(کیونکہ شارع علیہ السلام نے تین سے زائد طلاقوں کے باطل ہونے کا حکم فرمایا ہے اس لئے اسے کسی پر واقع کرنا ممکن نہیں)

نمبر۴: اگر کسی نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ ملا کر کہا "إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ" تم میں سے ایک کو طلاق) تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی لیکن اس کے برعکس بیوی کے ساتھ کسی دیوار، مرد یا حیوان وغیرہ کو ملا کر کہا "إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ" تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ دیوار وغیرہ محل طلاق نہیں بن سکتی اس لئے کلام پر عمل کرتے ہوئے اس کا رخ بیوی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

نمبر۵: اگر کسی نے بیوی سے کہا "أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِيْ" (تجھے میری موت کے ساتھ طلاق) یا کہا أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِكِ (تجھے تیری موت کے ساتھ طلاق) تو ان دونوں صورتوں میں کلام لغو جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اس کلام میں طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی جا رہی ہے جو صراحۃً طلاق کے منافی ہے کیونکہ پہلی صورت میں خاوند کی موت سے اس میں طلاق دینے کی اہلیت باقی نہیں رہی جبکہ دوسری صورت میں بیوی کی موت سے محل طلاق ہی باقی نہیں رہا نتیجۃً کلام پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

نمبر۶: اگر کسی نے کہا "وَقَفْتُ عَلٰى أَوْلَادِيْ هٰذَا الشَّيْءَ" (میں نے یہ شی اپنی اولاد (بچوں) کے لئے وقف کی) اور صورت حال یہ ہو کہ اس کی اولاد صرف اولاد الاولاد (پوتے) ہی ہو تو اس کے الفاظ کو مجازاً ان ہی پر محمول کیا جائے گا تاکہ کلام لغو ہونے سے محفوظ رہے۔

قاعدہ نمبر ۲۵

"كَلَامُ صَاحِبِ الشَّرْعِ إِذَا كَانَ مُحْتَمِلًا احْتِمَالَيْنِ عَلَى السَّوَاءِ صَارَ مُجْمَلًا وَلَيْسَ حَمْلُهُ عَلٰى أَحَدِهِمَا بِأَوْلٰى مِنْ حَمْلِهِ عَلَى

الْآخَرِ"

ترجمہ

(شارع کا کلام جب دو مساوی احتمال رکھتا ہو تو وہ مجمل ہو گا اور اسے دوسرے کی نسبت صرف ایک پر محمول کرنا اولیٰ نہیں ہوتا)

امثلہ نمبر۱: ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرہ پ۲: ۲۲۸) (مطلقات تین قروء اپنے آپ کو روکے رکھیں) اس آیت طیبہ میں لفظ "قروء" عورت کی عدت کے بارے میں مجمل ہے کیونکہ یہ دو معنوں کا مساوی احتمال رکھتا ہے یعنی حیض اور طہر۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ پوری آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثلثہ کا لفظ اس کا معنی متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کے مابین خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک ثلثہ قروء سے مراد تین حیض ہیں کیونکہ ثلثہ کا اطلاق پورے تین کے عدد پر ہوتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ پر اس کا صدق ممکن نہیں۔ اس لئے اگر قروء سے مراد تین طہر لئے جائیں تو وہ مکمل تین نہیں ہو سکتے بلکہ وہ یا تین سے کم ہوں گے یا تین سے زیادہ مگر اس کے برعکس شوافع کے نزدیک ثلثہ قروء سے مراد تین طہر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ثلثہ کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے چاہے وہ عدد مکمل ہو یا نہ ہو۔

نمبر۲: اسی طرح لفظ "مولیٰ" ہے یہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے ہی آقا اور غلام دونوں معنوں میں مشترک ہے اور اس کا اطلاق دونوں معنوں پر مساوی ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اس لئے اگر کسی نے اپنے موالی کے لئے مال کی وصیت کی درانحالانکہ اس کے دونوں قسم کے موالی موجود ہوں یعنی موالی اسفل اور موالی اعلیٰ تو ایک معنی متعین نہ ہونے کے سبب یہ وصیت قابل عمل نہیں ہوگی۔ ایسے اجمال کو ختم کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ متکلم بذات خود اس کی تفسیر بیان کردے۔

قاعدہ نمبر۲۶

"إِذَا جَاءَ الْإِحْتِمَالُ بَطَلَ الْإِسْتِدْلَالُ"

ترجمہ

(جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔)

تنبیہہ:۔ استدلال ہمیشہ ایسے احتمال سے باطل ہوتا ہے جو ارجح اور اقوی ہو۔ اور اگر احتمال ضعیف یا مرجوح ہو تو اس سے استدلال باطل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ہر عام باطل ہو گا کیونکہ اس میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ صرف وہی احتمال ساقط ہوتا ہے جو ناشئی عن الدلیل نہو۔

امثلہ نمبر ۱: اگر کسی عورت کے خلاف قاضی کے پاس چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی مگر بعد میں چند عورتیں پیش ہوئیں اور انہوں نے اس عورت کے باکرہ یا رتقاء (جس کی ہڈھی بڑھی ہوئی ہو) ہونے کی شہادت دی تو اس شہادت سے اس عورت سے حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی مرد کے خلاف زنا کی شہادت مکمل ہو مگر بعد میں اس کے مجبوب (ذکر کٹا) ہونے کی شہادت موصول ہو جائے تو اس سے بھی حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں شاہدوں کی تعداد حد زنا ثابت کرنے کے لئے مکمل ہے۔ مگر اس کے خلاف ان کی شہادت نے شہادت میں جھوٹ کا احتمال پیدا کر دیا ہے۔ لہذا اس احتمال سے استدلال باطل ہو جائے گا اور حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

نمبر ۲: اگر حد زنا کے ثبوت کے لئے چار افراد نے شہادت دی مگر بعد میں ان کا فسق و فجور ثابت ہو گیا تو ثبوت حد کے لئے ان کی شہادت رد کر دی جائے گی کیونکہ فسق کے ظہور کے سبب کذب کا احتمال پیدا ہو گیا ہے۔ اور جب حدود میں احتمال آجاتا ہے تو وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

نمبر ۳: اگر قتل کے دو گواہوں کے مابین زمان و مکان کا اختلاف ہو جائے یعنی ایک نے کہا کہ دن کے وقت شہر سے باہر قتل کیا گیا جبکہ دوسرے نے کہا کہ رات کے وقت شہر کے اندر قتل کیا گیا یا دونوں کے مابین آلہ قتل میں اختلاف ہو جائے یعنی ایک نے کہا کہ اسے لاٹھی سے قتل کیا گیا اور دوسرے نے کہا مجھے اس کا علم ہی نہیں کہ اسے کس سے قتل کیا گیا ہے تو اس اختلاف کے سبب ان کی گواہی باطل ہو جائے گی کیونکہ اس میں جھوٹ کا احتمال موجود ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۷

"اَلضَّرَرُ يُزَالُ" ۱

ترجمہ

ضرر (نقصان) کا ازالہ کیا جائے گا۔)

مذکورہ اصول کی اصل حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا یہ ارشاد گرامی ہے "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ" (اسلام میں نقصان اٹھانا اور کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں)

اس قاعدہ کی فروعات کثیر ہیں جن میں تدبر کرنے سے شریعت اسلامیہ کا یہ موقف اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کسی فرد یا جماعت کو قطعاً" یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدل کے ثبوت اور ظلم و تعدی کے ازالہ کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچائے تاکہ معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے حقوق اطمینان اور آسانی کے ساتھ حاصل کر سکے۔

امثلہ نمبر۱: اگر کسی مقروض نے اپنی جائیداد وقف کر دی درآنحالانکہ وقف سے قبل اس نے اپنا قرض ادا نہ کیا تو اس کا یہ وقف کالعدم ہو گا کیونکہ وقف کے ذریعے اس نے اپنے قرض خواہوں کو قرض سے محروم کر کے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وقف سے قبل اپنا قرض ادا کرے۔

نمبر۲: شفعہ کا حق بھی اسی قاعدہ سے متعلق ہے اگرچہ ایک عاقل و بالغ اور آزاد انسان اپنا حق ملکیت استعمال کرتے ہوئے اپنی زمین یا مکان فروخت کرتا ہے اور اس میں کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنا حق اس طرح استعمال کرے جو اس کے شریک فی الملک اور پڑوسی کے لئے نقصان دہ ہو تو پھر انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے امن و سکون کی پاسبانی اور تکلیف و نقصان سے اپنی حفاظت کے لئے عدالت کے دروازہ پر دستک دیں اور فروخت شدہ زمین و مکان کے خلاف شفعہ کا دعوی دائر کر دیں تاکہ بعد ازاں کسی کو اس طرح دوسروں کو نقصان پہنچانے کی جرات نہ ہو۔

نمبر۳: اگر کسی کے صحن میں طویل شاخوں والا اتنا بڑا پھلدار درخت ہو کہ اس کی شاخیں پڑوسی کے گھر تک پہنچی ہوئی ہوں تو اس کے لئے ایسے شخص کے ہاتھ درخت فروخت کرنا جائز نہیں جس کے پھل توڑنے کے لئے درخت پر چڑھنے کے سبب پڑوسی کی عورتوں کو بار بار پردہ کی ضرورت محسوس ہو اگر پڑوسی کے روکنے کے باوجود درخت کے مالک نے ایسا کیا تو پھر اسے عدالت کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہے لہذا اس کا معقول اور احسن طریقہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں مالک بذات خود پھل توڑے اور پھر اسے فروخت کر دے۔

نمبر۴: مبیع میں عیب ہونے کے سبب اسے واپس لوٹانے کا اختیار، قصاص، حدود، کفارات کی

مشروعیت اور دیگر تلف شدہ اشیاء کی ضمانت وغیرہ مسائل اسی اصول کے تحت آتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۸

"اَلضَّرَرُ لَا یُزَالُ بِالضَّرَرِ"

ترجمہ

(نقصان کا ازالہ نقصان کے ساتھ نہیں کیا جائے گا) یعنی ایک حقدار سے اس کا حق چھین کر دوسرے محروم کو دینا جائز نہیں۔

امثلہ نمبر۱: ایک انسان شدید بھوک کی لپیٹ میں ہو اور بڑی تگ ودو کے بعد اس نے کہیں سے کھانا حاصل کیا اتنے میں اسی طرح کا ایک اور شخص آجائے تو کسی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں کہ وہ پہلے سے کھانا چھین کر دوسرے کے حوالے کردے کیونکہ تکلیف کا ازالہ تکلیف سے کرنا جائز نہیں۔

(۲) اگر ایک کارخانہ دار کم اجرت کے عوض مزدوروں سے زیادہ کام لیتا ہے تو اس مسئلہ کے حل کیلئے ایسا کرنا قطعاً" جائز نہیں ہے کہ اس سے کارخانہ چھین لیا جائے کیونکہ ظلم کا ازالہ ظلم سے کرنا جائز نہیں ہاں البتہ کارخانہ دار کو مزدوروں کی اجرت بڑھانے کا پابند بنانا درست ہے۔

(۳) اگر کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کر دیا تو مقتول کے ورثا کے لئے انتقاما قاتل یا اسکے کسی رشتہ دار کو قتل کرنا قطعاً" جائز نہیں کیونکہ ایک ظلم کا ازالہ دوسرے ظلم کے ساتھ کرنے کے سبب قتل کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جائیگا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے گا اس لئے مقتول کے ورثا کو چاہئے کہ وہ قاتل کو قرار واقعی سزا دلوانے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کریں پھر چاہے تو قاضی اس کے لئے قصاصاً" قتل کرنے کا حکم صادر کرے یا دیگر اسباب کی بنا پر اس کے لئے کوئی اور سزا تجویز کرے۔

قاعدہ نمبر ۲۹

"یُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِأَجْلِ دَفْعِ الضَّرَرِ الْعَامِّ" ترجمہ

(ضرر عام دور کرنے کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جاسکتا ہے)

شریعت اسلامیہ نے فرد اور جماعت دونوں کی مصالح اور مفادات کی محافظت کا ذمہ اٹھا رکھا ہے

اور یہ ہر ایک کے حقوق کی پاسداری کا درس دیتی ہے۔ مگر جہاں دونوں کے منافع اور مفادات باہم معارض آجائیں تو پھر ایسے حالات میں جماعت کے مفادات کو فرد کے مفاد پر ترجیح دینے کا درس بھی دیتی ہے اس لئے پوری قوم کو ضرر اور نقصان سے بچانے کے لئے اگر چند افراد کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

امثلہ نمبرا: ایسا طبیب یا ڈاکٹر جو اپنے ناقص علم اور ناتجربہ کاری کے سبب عام لوگوں کی موت اور ان کی تکالیف میں اضافہ کا سبب بن رہا ہو تو اسے پریکٹس سے روک دینا جائز ہے اگرچہ اس کے پاس لوگوں کی آمد و رفت اپنی مرضی اور پسند سے ہوتی ہے مگر اس کے باوجود عامۃ الناس کو اس کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر پابندی عائد کرنا جائز ہے کیونکہ ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص قابل برداشت ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی امیر اور دولت مند آدمی کے ورثاء میں ایسا شخص ہو جو دیگر ورثاء کے حقوق کا خیال رکھے بغیر اس کی مجموعی دولت و ثروت شراب و کباب اور دیگر فضولیات میں ضائع کرنا شروع کردے تو اسے دیگر ورثا کے حقوق کی حفاظت کے لئے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا جائز ہے گو اس میں اسے تصرف سے منع کرنے پر اس کا نقصان ہے مگر ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص برداشت کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر کوئی ذخیرہ اندوز اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کی خاطر مال خرید کر سٹور کرنا شروع کردے تو عوام الناس کو اس کے شر سے بچانے کے لئے اس کی خرید و فروخت پر پابندی لگانا جائز ہے اور ایسے حالات میں اس کا سامان جبراً" فروخت کرنا بھی جائز ہے اگرچہ بیع و شرا میں ہر انسان آزاد ہے مگر ایسے حالات میں عامۃ الناس کے مفاد کی خاطر بعض مخصوص افراد پر پابندی عائد کرنا جائز ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اشیاء کا نرخ مقرر کرنا بھی جائز ہے تاکہ کسی کو بلیک مارکیٹنگ اور ذخیرہ اندوزی کی جرات نہ ہو۔

(۴) اگر کسی کی دیوار شارع عام کی طرف جھک جائے اور کسی بھی وقت اس کے گرنے سے عام نقصان کا اندیشہ ہو تو اس موہومہ نقصان سے بچنے کے لئے دیوار کے مالک کو دیوار اکھیڑنے کا حکم دینا جائز ہے اور اس کی تعمیل اس کے ذمہ لازم ہے۔

(۵) اگر کسی مقروض نے اپنے قرض خواہوں کو قرض واپس کرنے سے انکار کردیا یا صرف لیت و لعل سے ہی کام لیتا رہے مگر ادا کرنے کا نام نہ لے تو ایسی صورت میں قرض ادا کرنے کی خاطر

اس کا سازو سامان فروخت کر دینا جائز ہے۔

قاعدہ نمبر۳۰

"إِذَا اجْتَمَعَ الضَّرَرَانِ وَكَانَ أَحَدُهُمَا أَعْظَمَ ضَرَرًا مِنَ الْآخَرِ فَإِنَّ الْأَشَدَّ يُزَالُ بِالْأَخَفِّ"

ترجمہ

(جب دو نقصان جمع ہو جائیں درآنحالانکہ ایک ضرر دوسرے کی نسبت بڑا ہو تو اخف کے ساتھ اشد کا ازالہ کیا جائیگا یعنی (وہ ضرر اور نقصان جو کم ہو اسے برداشت کیا جائیگا اور وہ پہلو جس میں نقصان اور ضرر زیادہ ہو اسے ترک کر دیا جائیگا)

امثلہ نمبر۱ اگر کسی نے لکڑی غصب کی اور اسے مکان کی چھت وغیرہ میں استعمال کر لیا تو اس صورت میں مغصوبہ لکڑی اور بقیہ مکان کی قیمت کا باہم موازنہ کیا جائے گا اگر لکڑی کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب پر مکان اکھیڑ کر لکڑی اصلی مالک کو واپس کرنا لازم ہے اور اگر اس کے برعکس مکان کی قیمت لکڑی کی نسبت زیادہ ہو تو لکڑی کی قیمت ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو گا اور اسے مکان اکھیڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں اس کا نقصان زیادہ ہے۔

نمبر۲ اگر کسی نے مغصوبہ زمین میں مکان بنا لئے یا درخت وغیرہ لگا دیئے تو اس صورت میں بھی مغصوبہ زمین اور مکان یا درختوں کی قیمت کا باہم موازنہ کیا جائے گا اگر زمین کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب پر لازم ہو گا کہ وہ اپنے مکان اور درخت وغیرہ اکھیڑ لے اور زمین اصلی مالک کے سپرد کر دے اور اگر صورت اس کے برعکس ہو تو وہ زمین کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہو گا۔

نمبر۳ اگر کوئی اپنا سامان کسی کے گھر بھول جائے اور یاد آنے پر جب واپس آئے تو اسے یہ خدشہ ہو کہ اگر سامان کے متعلق صاحب خانہ سے دریافت کیا تو وہ صحیح راہنمائی کرنے کی بجائے اسے چھپا دے گا تو ایسے حالات میں اپنے سامان کی تلاش کے لئے بلا اجازت اس کے گھر داخل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ یہ ضرر سامان گم ہونے کے ضرر کی نسبت اخف ہے۔

نمبر۴ اگر کسی مردار کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس کے زندہ ہونے کا گمان غالب ہو تو اس صورت میں بچے کی زندگی بچانے کے لئے مردار کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر کوئی انسان موتی، سونا یا کوئی قیمتی چیز نگل جائے تو اسے نکالنے کے لئے انسان کا پیٹ چاک

کرنا جائز نہیں۔ "لِاَنَّ حُرْمَةَ الْاٰدَمِیِّ اَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْمَالِ" (کیونکہ آدمی کی حرمت مال کی حرمت سے زیادہ ہے۔

نمبر ۵: اگر کسی میت یا بچے کا قرض کسی کے ذمہ واجب الادا ہو مگر قرض کے شاہد موجود نہ ہوں اور مقروض بھی مقدار معلوم کا منکر ہو تو ایسی صورت میں وہ جتنا قرض واپس کرنے کے لئے تیار ہو اتنا ہی لے لیا جائے کیونکہ کلی قرض سے محروم ہونے کی نسبت یہ ضرر کم ہے اور اگر اس کے برعکس قرض کی مقدار معلوم پر گواہ موجود ہوں تو پھر نقصان اٹھا کر کم وصول کرنا صحیح نہیں۔

قاعدہ نمبر ۳۱

"اَلتَّاسِیْسُ خَیْرٌ مِنَ التَّاکِیْدِ"

ترجمہ

(تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے۔)

تاسیس کی تعریف

تاسیس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں وہ الفاظ جو مکرر (دوبارہ) ذکر کیے جائیں ان سے ایک نیا معنی مراد لیا جائے۔

تاکید کی تعریف

اس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں وہ الفاظ جو مکرر ذکر کیے جائیں ان سے پہلے معنی کی ہی وضاحت اور تحسین مقصود ہو۔

مذکورہ تعریفات کے بعد قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کلام میں الفاظ کی نوعیت اس طرح ہو کہ ان سے تاسیس اور تاکید دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہوں تو پھر ایسی صورت میں تاکید کی نسبت تاسیس مراد لینا زیادہ اولی اور بہتر ہے۔

امثلہ نمبر ۱: اگر کسی نے بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ" تو اس قول سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگرچہ خاوند نے یہ بھی کہا کہ لفظ طلاق بار بار کہنے سے میری مراد صرف تاکید تھی اور میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی تو اس قول کی تصدیق دیانۃ "تو کی جائے

گی مگر قضا" نہیں

نمبر۳: اگر کسی نے متعدد قسمیں اٹھائیں اور پھر کہا میں نے صرف ایک قسم کی نیت کی ہے اور دوسری تاکید کے لئے کہیں ہیں تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہو گا۔ بلکہ اس نے جتنی قسمیں کھائیں انہیں توڑنے سے اتنے ہی کفارے لازم ہوں گے۔ جیسا کہ تجرید میں امام اعظم ابو حنیفہ" کا قول موجود ہے۔ "اِذَا حَلَفَ بِاَیْمَانٍ فَعَلَیْهِ لِكُلِّ یَمِیْنٍ كَفَّارَةٌ وَالْمَجْلِسُ وَالْمَجَالِسُ فِیْهِ سَوَاءٌ وَلَوْ قَالَ عَنَیْتُ بِالثَّانِیْ الاَوَّلَ لَمْ یَسْتَقِمْ ذَالِكَ فِیْ الْیَمِیْنِ بِاللّٰهِ تَعَالٰی"

(جب کسی نے کئی قسمیں اٹھائیں تو اس کے ذمہ ہر قسم کے عوض کفارہ ہو گا چاہے ایک مجلس میں اٹھائے یا کئی مجالس میں اور اگر اس نے کہا میں نے دوسری سے پہلی قسم ہی مراد لی تھی تو اس کا یہ قول یمین باللہ میں درست نہیں ہو گا) اسی طرح "نوازل" میں ہے کہ اگر کسی نے کہا "وَاللّٰهِ لَا اُكَلِّمُهٗ یَوْمًا وَاللّٰهِ لَا اُكَلِّمُهٗ شَهْرًا۔ وَاللّٰهِ لَا اُكَلِّمُهٗ سَنَةً" یہ قسمیں کھانے کے بعد اگر اس نے اسی دن کلام کی تو اس پر تین قسموں کا کفارہ لازم ہو گا اور اگر دوسرے دن کلام کی تو پھر دو قسموں کا کفارہ واجب الادا ہو گا اور اگر ایک ماہ بعد کلام کی تو پھر ایک قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر پورا سال گزرنے کے بعد کلام کی تو پھر اس پر کوئی کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ اس نے تینوں قسموں کو پورا کر دیا ہے

۳۲ قاعدہ

"اَلسُّؤَالُ مُعَادٌ فِیْ الْجَوَابِ"

ترجمہ

(سوال جواب میں لوٹ آتا ہے)

امثلہ نمبر۱: اگر کسی نے زید سے کہا "اِمْرَاَةُ زَیْدٍ طَالِقٌ وَعَلَیْهِ الْمَشْیُ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ تَعَالٰی الْحَرَامِ اِنْ دَخَلَ هٰذِهِ الدَّارَ" (اگر زید اس گھر میں داخل ہوا تو کیا اس کی بیوی کو طلاق ہو گی اور بیت اللہ شریف تک پیدل چلنا اس پر لازم ہو گا؟) تو اگر اس سوال کے جواب میں زید نے کہا "نعم" (جی ہاں) تو "كَانَ زَیْدٌ حَالِفًا بِكُلِّهٖ" زید ان تمام کی قسم اٹھانے والا ہو جائیگا یعنی بعد ازاں اگر زید اس گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق بھی

ہو جائے گی اور اس پر بیت اللہ شریف کی پیدل حاضری بھی لازم ہوگی کیونکہ لفظ "نعم" سے اس کا جواب سوال کے اعادہ کو متضمن ہے۔ اور اگر مذکورہ سوال کا جواب اس نے "اجزت ذالک" (کہ میں نے اسے جائز قرار دیا) کے ساتھ دیا اور اس کے ساتھ لفظ نعم نہ کہا تو وہ کسی بھی چیز کا حالف متصور نہیں ہوگا کیونکہ اس کے یہ الفاظ اعادہ سوال کو متضمن نہیں

(۲) اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا "أَأَنَا طَالِقٌ" (کیا مجھے طلاق ہے؟) تو اگر اس کے جواب میں خاوند نے کہا "نعم" تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ حقیقتاً یہ جواب ان الفاظ کو متضمن ہے "نَعَمْ أَنْتِ طَالِقٌ" (جی ہاں تجھے طلاق ہے؟) (۳) اگر کسی نے یہ سوال کیا "أَلَسْتَ طَلَّقْتَ امْرَأَتَکَ" (کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی) تو اس کے جواب میں اس نے کہا "بلی" (کیونکہ نہیں) تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ جواب سوال کے اثبات میں ہے اور ان الفاظ کو متضمن ہے "بَلٰی طَلَّقْتُ امْرَأَتِیْ" (کیوں نہیں میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے) اور اگر اس نے مذکورہ سوال کا جواب نعم کے ساتھ دیا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ جواب سوال کی نفی میں ہے اور سوال کے اعادہ کو متضمن نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے "نَعَمْ مَا طَلَّقْتُ امْرَأَتِیْ" "جی ہاں میں نے طلاق نہیں دی)

قاعدہ نمبر ۳۳

"دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ"

ترجمہ

(جلب مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے) یعنی اگر ایک ہی عمل کے کچھ منافع اور کچھ مفاسد ہوں تو پھر اس سے منافع اور فوائد حاصل کرنے کی بجائے اس کے مفاسد اور نقصانات کا ازالہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ کیونکہ شریعت نے ماموارت کی نسبت منہیات کا اہتمام زیادہ کیا ہے اور بار بار ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا "إِذَا أَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ" (جب میں تمہیں کسی شئی کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اسے بجلاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو پھر اس سے رک جاؤ) اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے "لَتَرْکُ ذَرَّةٍ مِمَّا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ أَفْضَلُ مِنْ

عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ "(جس ذرہ سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اسے چھوڑ دینا دونوں جہان کی عبادت سے افضل ہے) ان ارشادات عالیہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ امر کے مقابلہ میں نہی کو ترجیح حاصل ہے

امثلہ (۱) استنجاء کے لئے ایسی باپردہ جگہ کا ہونا ضروری ہے جہاں آدمی کا ستر عریاں ہونے سے مکمل طور پر محفوظ ہو اور اگر ایسی جگہ میسر نہ آئے تو استنجانہ کرنا مباح ہے اگرچہ آدمی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ کھڑا ہو کیونکہ لوگوں کی موجودگی میں ستر کا اہتمام کرنا بالاجماع واجب ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے "اِذَا كَانَ خَارِجَ الصَّلٰوةِ يَجِبُ السَّتْرُ بِحَضْرَةِ النَّاسِ اِجْمَاعًا" (ردالمحتار ج۱ ص ۲۸۲)

(۲) کلی اور ناک میں پانی ڈالتے وقت مبالغہ کرنا سنت ہے لیکن روزے دار کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے اور کراہت کی علت یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا سنت پر عمل کے نفع کی نسبت روزہ ٹوٹنے کے نقصان کا ازالہ کرنا اولیٰ ہے

(۳) شراب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" (البقرۃ پ۲ ۲۱۹) (اے میرے محبوب) تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے منافع بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے) تو چونکہ منافع کی نسبت مفاسد زیادہ ہیں اس لئے ان کے ازالہ کیلئے شراب حرام قرار دی گئی۔

قاعدہ نمبر ۳۴

"اِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَتَانِ ارْتُكِبَ اَخَفُّهُمَا وَعُمِلَ عَنْ اَعْظَمِهِمَا ضَرَرًا"

ترجمہ

(جب دو مفاسد (برائیاں) باہم متعارض آجائیں تو ان میں سے اخف (کم) کو اپنا لیا جائے اور جس کا ضرر (نقصان) زیادہ ہو اس سے اعراض کرلیا جائے)

مذکورہ اصول پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ حالات ایسے ہوں کہ آدمی کیلئے دو مفاسد میں سے

ایک کا ارتکاب کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے تب "اَخَفُّ الْبَلِیَّتَیْنِ" کو اپنا لینے کی اجازت ہے ورنہ نہیں

امثلہ نمبر۱ اگر آدمی کے زخم کی کیفیت یہ ہو کہ رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرنے سے اس سے خون بہتا ہو اور اس کے برعکس اگر وہ رکوع و سجود کے بغیر اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس سے خون رسنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے کیونکہ رکوع و سجود کو ترک کرنا بلا وضو نماز ادا کرنے کی نسبت اہون اور اخف ہے

(۲) اگر کسی عورت کے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے اس کی کشفِ عورۃ (شرمگاہ کا ننگا ہونا) کا ظن غالب ہو جب کہ اس کے بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسے چاہئے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے کیونکہ کشفِ عورۃ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی نسبت قیام ترک کرنا اخف ہے

(۳) اگر ایک مضطر آدمی کے پاس مردار اور مغصوبہ مال ہی ہو۔ اگرچہ فی الحقیقت دونوں کا استعمال حرام ہے مگر حالت اضطرار میں اس کیلئے مغصوبہ مال کا استعمال بقدر ضرورت مباح ہے ۔ کیونکہ مردار کی نسبت اس کی حرمت اخف ہے یہ حضرت امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ کا قول ہے مگر بعض فقہاء نے اس کے برعکس بھی قول کیا ہے

(۴) ایسے مقامات جہاں سچ بولنے سے مفاسد عظیمہ کا یقین ہو اور جھوٹ کے مشابہ تعریض کرنے سے حالات بہتر ہونے کا ظن غالب ہے ہو تو اس صورت میں تعریضاً جھوٹ بولنا مباح ہے یہ درج ذیل صورتیں ہیں

(۱) "فِی الْاِصْلَاحِ بَیْنَ النَّاسِ" (لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں برسرپیکار ہوں اور صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہو کہ سچ بات کہنے سے اختلافات کی خلیج وسیع ہونے کا یقین ہو تو ایسے حالات میں کذب بیانی سے کام لیکر انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنا مباح ہے کیونکہ کذب بیانی کا ضرر باہمی جنگ وجدال اور قتل وغارت کے ضرر کی نسبت اخف ہے جیسا کہ حضور رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِیْ خَیْرًا" (بخاری و مسلم)

ترجمہ

(حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور اچھی بات کہتا ہے اور اچھی بات پہنچاتا ہے) یہ بھی منقول ہے کہ احیاءِ حق کیلئے اور ظلم و تعدی کے خاتمہ کیلئے کذب صریح بولنا بھی جائز ہے

(۲) "فِی الحرب" (دوران جنگ جھوٹ بولنا مباح ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دوران جنگ اسلامی لشکر کے سپاہی لشکر کفار کی قید میں آجائیں اور وہ انھیں اپنے ملک کے سربستہ راز افشاء کرنے اور اپنی جنگی قوت و طاقت سے آگاہ کرنے پر مجبور کریں تو ایسے حالات میں اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر ان قیدیوں پر جھوٹ بولنا واجب ہے کیونکہ اس میں انکے وطن اور اہل وطن کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور جھوٹ کا نقصان وطن اور قوم کے نقصان کی نسبت کہیں کم ہے

اسیطرح اگر مسلمان جاسوس کفار کے نرغہ میں آجائے تو اس پر لازم ہے کہ جھوٹ بولکر دشمن کی غلط رہنمائی کرے مگر اپنے ملک کے حساس مقامات اور دیگر سربستہ رازوں پر سچ بول کر دشمن کو قطعاً" آگاہ نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں جھوٹ کا نقصان سچ کے نقصان کی نسبت قلیل ہے

اسیطرح اگر کسی کے پاس دوسرے کا مال بطور امانت پڑا ہو اور اس دوران کوئی ظالم وہ مال چھیننا چاہتا ہو تو اس صورت میں بھی امین کیلئے جھوٹ بول کر وہ مال بچالینا جائز ہے

(۳) "عَلَی الزَّوْجَۃِ لِاِصْلَاحِھَا" (بیوی کی اصلاح کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے) یعنی اگر کسی کی بیوی تند خو اور درشت مزاج ہو اور خاوند کی لائی ہوئی ہر شئی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور پھر اسے کم قیمت سمجھ کر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتی ہو نتیجۃً" اس کی یہ عادت زوجین کے مابین ناچاکی جھگڑے فساد اور عدم محبت کا سبب بنتی جارہی ہو تو ایسے حالات میں خاوند کیلئے مباح ہے کہ وہ اسے مطمئن رکھنے کیلئے کم قیمت پر لائی ہوئی چیز کی قیمت بڑھا کر بیان کرے تاکہ دونوں کے مابین محبت والفت کی فضاء پیدا ہو جائے اور ان کے شب و روز راحت و سکون کے ساتھ بسر ہو سکیں

تنبیہ

یاد رہے مذکورہ خاص احوال کے بغیر جھوٹ بولنا قطعا" جائز نہیں بلکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کذاب کے متعلق مختلف نوعیت کی شدید وعیدیں بیان فرمائیں صرف دو ارشاد نبوی پیش خدمت ہیں

(۱) "عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلاً عَنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِہٖ" (ترمذی شریف)

ترجمہ

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس سے آنے والی بدبو کے سبب فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے)

(۲) "عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ اَنَّہٗ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا" قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِیْلاً قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ کَذَّابًا قَالَ لَا" (بیہقی مشکوٰۃ موطا امام مالک)

ترجمہ

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں (ہو سکتا ہے) پھر عرض کی گئی کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے ؟ فرمایا ہاں (ہو سکتا ہے) پھر عرض کی گئی کیا مومن کذاب (جھوٹا) ہو سکتا ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں)

قاعدہ نمبر ۳۵

"یُکْرَہُ الْاِیْثَارُ بِالْقُرْبِ"

ترجمہ

عبادات میں ایثار مکروہ ہے)

ایسے اعمال جن کے ذریعے حقوق اللہ کی ادائیگی احسن طریقے سے ممکن ہو ان میں ایثار کا اظہار مکروہ ہوتا ہے حضرت شیخ عزالدین فرماتے ہیں "لَا اِیْثَارَ فِی الْقُرُبَاتِ فَلَا اِیْثَارَ بِمَاءِ

الطَّهَارَةِ وَلَا بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ وَلَا بِالصَّفِّ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْغَرْضَ بِالْعِبَادَاتِ التَّعْظِيمُ وَالْإِجْلَالُ فَمَنْ آثَرَ بِهِ فَقَدْ تَرَكَ إِجْلَالَ الْإِلٰهِ وَتَعْظِيمَهُ"

(الاشباہ والنظائر ص:۱۱۹)

ترجمہ

(اعمال قربت میں ایثار نہیں ہے وضو کے پانی، شرمگاہ ڈھانپنے والے کپڑے اور صف اول میں کھڑے ہونے میں بھی ایثار نہیں ہے کیونکہ عبادات سے مقصود تعظیم واجلال ہے پس جس نے ان میں ایثار کیا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجلال بجالانے کو ترک کیا)

امثلہ نمبر۱۔شیخ ابو محمد "فروق" میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کے پاس نماز کے وقت صرف اپنے وضو کیلئے پانی موجود ہو اور پھر عین نماز کے وقت ایک اور ایسا آدمی آجائے جو وضو کیلئے پانی کا حاجتمند ہو تو پہلے شخص کیلئے اپنے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پانی دینا جائز نہیں مگر اس کے برعکس اگر ایک آدمی کے پاس صرف اپنے لئے کھانا موجود ہو اور عین کھانے کے وقت ایک سائل آجائے اور پہلے نے ایثار کا اظہار کرتے ہوئے کھانا اس کے حوالے کردیا تو یہ بالکل جائز ہے بلکہ پروردگار عالم کے اس ارشاد گرامی کے عین مطابق ہے "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"

ایثار کی مذکورہ دونوں صورتوں میں فرق اس قدر ہے کہ طہارت اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا اس میں ایثار جائز نہیں بلکہ ہر آدمی کے ذمہ انفرادی طور پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق اللہ پورے خشوع و خضوع اور کامل پاکیزگی وطہارت کے ساتھ ادا کرے مگر اس کے برعکس کھانا آدمی کا ذاتی حق ہے اس لئے اس میں ایثار جائز ہے کیونکہ اس کے حصول میں انسان خود مختار ہے چاہے تو اپنا حق وصول کرے اور اگر چاہے تو دوسرے کے حوالے کردے۔

(ایک طالب علم کے لئے اپنے ساتھی کے حق میں اپنی قرأۃ کی باری کا ایثار کرنا مکروہ ہے" لِأَنَّ قِرَاءَةَ الْعِلْمِ وَالْمُسَارَعَةَ إِلَيْهِ قُرْبَةٌ وَالْإِيْثَارُ بِالْقُرَبِ مَكْرُوْهٌ" (الاشباہ ص۱۱۹) (کیونکہ علم پڑھنا اور اس کے حصول میں جلدی کرنا قرب کا سبب ہے اور ایثار بالقرب مکروہ ہے)

قاعدہ نمبر ۳۶

"اِذَا اجْتَمَعَ اَمْرَانِ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ وَلَمْ یَخْتَلِفْ مَقْصُوْدُهُمَا دَخَلَ اَحَدُهُمَا فِی الْاٰخَرِ غَالِبًا"

ترجمہ

(جب دو امر ایک ہی جنس کے جمع ہو جائیں اور دونوں کا مقصود مختلف نہ ہو (بلکہ ایک ہو) تو اکثر وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں

امثلہ نمبر ۱: اگر کسی نے بیت اللہ شریف کے طواف کی نذر مانی اور پھر مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر نذر کی ادائیگی کیلئے طواف کعبہ کیا تو اس طواف کے ضمن میں اس کا طواف قدوم بھی ادا ہو جائیگا اسے علیحدہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی مگر اس کے برعکس طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس نے فرض نماز ادا کی تو اس کے ضمن میں طواف کی دو رکعتیں ادا نہیں ہوں گی کیونکہ ان کا وجوب فرض نماز سے الگ ہے لہذا وہ فرض نماز کی ادائیگی سے ساقط نہیں ہوگا

(۲) اگر کسی نے حالت نماز میں دوران قرات آیت سجدہ تلاوت کی اور اس سے آگے تین آیات پڑھنے سے قبل اس نے نماز کا رکوع اور سجدہ ادا کیا تو نماز کے سجدہ کے ساتھ ہی سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائیگا کیونکہ دونوں کا مقصود (تعظیم) ایک ہے۔ اسیطرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی نے ایک مجلس میں ایک ہی آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کی اور آخر میں صرف ایک سجدہ ادا کیا تو وہ متعدد سجود تلاوت کی جانب سے کافی ہوگا۔ ہر بار کی تلاوت کے عوض علیحدہ سجدہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر نمازی سے دوران نماز متعدد بار سہو ہو جائے تو آخری قعدہ میں صرف ایک بار سجدہ سہو ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے جس کے سبب متعدد سہووں اور بھولوں سے نماز میں پیدا ہونے والے نقص اور کمی کا ازالہ ہو جاتا ہے ہر سہو کے بدلے اس پر علیحدہ علیحدہ سجدہ سہو ادا کرنا لازم نہیں ہوتا۔

(۳) اگر کسی نے ایسے اعمال کا متعدد بار ارتکاب کیا جن کے کرنے سے اس پر حد شرعی جاری کی جاسکتی ہو مثلاً" زنا کرنا' شراب پینا' زنا کی تہمت لگانا اور چوری کرنا وغیرہ تو ایک عمل کئی بار کرنے کے بعد اس پر صرف ایک حد لگائی جائے گی بشرطیکہ ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد اس پر حد جاری نہ کی گئی ہو۔ اگر کسی پر ایک بار حد جاری کردی گئی اور اس نے پھر اسی فعل کا

ارتکاب کیاتو اسے حد بھی دوبارہ لگائی جائے گی۔

نوٹ

اگر کسی نے ایسے افعال متعدد بار کیئے جن کی جنس مختلف ہو اور مقصود بھی مختلف ہو مثلاً" ایک آدمی نے زنا کیا اس کی حد جاری ہونے سے قبل ہی اس نے شراب پی لی ابھی یہ حد جاری نہیں ہوئی تھی کہ کسی پر زنا کی تہمت عائد کردی اور ابھی اس کا فیصلہ باقی تھا کہ اس نے کسی کا سامان چوری کرلیا تو اس صورت میں افعال متعدد ہونے کی وجہ سے صرف ایک حد کافی نہیں ہوگی بلکہ ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ حد اس پر نافذ کی جائیگی۔ کیونکہ تمام افعال کی اجناس اور مقاصد مختلف ہیں۔ اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر محرم نے خوشبو لگائی اور پھر سلا ہوا کپڑا بھی پہنا تو اس پر دونوں جنایتوں کی جنس اور مقصد مختلف ہونے کے سبب فدیہ بھی علیحدہ علیحدہ ہوگا

قاعدہ نمبر ۳

"اَلْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا النَّادِرِ" اَوْ "اَلْاَصْلُ اِعْتِبَارُ الْغَالِبِ وَتَقْدِيْمُهٗ عَلَى النَّادِرِ"

ترجمہ

(اعتبار غالب اور مشہور امر کا ہوتا ہے نہ کہ امر نادر کا) یا (بنیادی طور پر اعتبار امر غالب کا ہوتا ہے اور وہ امر نادر پر مقدم ہوتا ہے)

"اَلشَّائِعُ هُوَ الْاَمْرُ الَّذِیْ اَصْبَحَ مَعْلُوْمًا لِلنَّاسِ وَذَائِعًا بَيْنَهُمْ وَالنَّادِرُ هُوَ الْقَلِيْلُ الْحُدُوْثُ"

ترجمہ

(شائع سے مراد ایسا امر ہے جو عوام الناس کو معلوم ہو اور ان کے درمیان مشہور ہو۔ اور نادر وہ امر ہوتا ہے جو قلیل یعنی کبھی کبھار وقوع پذیر ہو)

مذکورہ تعریف کے مطابق قاعدہ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ احکام میں ایسا امر معتبر ہوگا جو معاشرہ میں مشہور و معروف ہو اور عوام الناس اس سے واقف اور آگاہ ہوں مگر اس کے برعکس کبھی کبھار

صادر ہونے والا امر شذوذ میں شمار کیا جائیگا اور احکام میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔
امسئلہ نمبر۱: مشہور قول کے مطابق بچہ پندرہ برس کی عمر میں بلوغ ہو جاتا ہے اور فی الحقیقت بھی اتنی ہی عمر بلوغت تک پہنچنے کیلئے مروج ہے۔ جبکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچے میں سترہ' اٹھارہ برس کی عمر میں پہنچنے کے باوجود بلوغت کے آثار ظاہر نہیں ہوتے مگر ایسا بہت کم اور نادر ہوتا ہے اس لئے کسی پر بلوغ ہونے کا حکم صادر کرتے وقت اعتبار اس کا نہیں ہوگا بلکہ مشہور قول کا اعتبار ہوگا نتیجہ "جس بچے کی عمر پندرہ سال ہوگی وہ بلوغ متصور ہوگا۔

(۲) شریعت نے ماں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ سات سال کی عمر تک بچے کی اور نو سال کی عمر تک بچی کی پرورش کرے اور اس کی علت یہ ہے "لِأَنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحِضَانَةِ" (کنز الدقائق ص ۱۵۱)

(کیونکہ ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور بہتر انداز میں تربیت کرنے کی قدرت رکھتی ہے) اور بچوں کیلئے یہی وہ غالب عمر ہے جس میں وہ بذات خود کھانے پینے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اپنی طہارت وصفائی رکھنے کی قدرت حاصل کرلیتے ہیں اس طرح بچیاں بھی عموماً" اتنی عمر تک کھانا پکانے اور دیگر گھریلو امور کی تربیت حاصل کرلیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عورتوں سے متعلقہ امور سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل کرلیتی ہیں جیسا کہ حاشیہ کنز میں بھی موجود ہے "وَقَدَّرَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ فَسَّرَهُ الْقُدُوْرِيُّ بِأَنْ يَأْكُلَ وَيَشْرَبَ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ وَقَدَّرَهُ الْخَصَّافُ بِسَبْعِ سِنِيْنَ اِعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ لِأَنَّ الْوَلَدَ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ يَسْتَنْجِيْ وَحْدَهُ أَلَا تَرَى مَا رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا، وَالْأَمْرُ بِالصَّلٰوةِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّهَارَةِ" (ص ۱۵۱)

ترجمہ

(بچوں کیلئے سات سال کی عمر مقرر کی گئی ہے صاحب قدوری نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ اتنی عمر میں بچہ اکیلا کھانے پینے اور استنجا وغیرہ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور " خصاف " نے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے سات سال عمر مقرر کی ہے کیونکہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ اکیلا استنجا وغیرہ کر سکتا ہے کیا تم نے اس ارشاد نبوی کی جانب نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات

سال کی عمر کو پہنچ جائیں" اور نماز کا حکم طہارت پر قدرت رکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے)
مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں میں یہ وہ غالب عمر ہے جس کے بعد ان کی مزید تربیت کا حق باپ کو حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ کبھی اس کے برعکس یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض بچے اتنی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی مذکورہ افعال کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ مگر ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے اس لئے اعتبار غالب کا ہوگا اور امر نادر کو چھوڑ دیا جائے گا یہی صورت حال بچیوں میں بھی ہے "عَنْ مُحَمَّدٍ اِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ فَالْاَبُ اَحَقُّ بِهٖ وَبِهٖ يُفْتٰى فِيْ زَمَانِنَا لِكَثْرَةِ الْفَسَادِ۔۔۔۔۔۔ وَقَدَّرَ اَبُوْ اللَّيْثِ بِتِسْعِ سِنِيْنَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى" (کنز الدقائق ص ۱۵۱)
(حضرت امام محمدؒ کا قول ہے کہ جب بچی حد شہوۃ تک پہنچ جائے تو باپ اس کی تربیت کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے ہمارے دور میں فساد کی کثرت کے سبب اسی کے مطابق فتوی دیا جائیگا اور فقیہ ابو اللیث نے اس کے لئے نو سال کی عمر مقرر کی ہے۔ اور فتوی اسی پر ہے گو کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ بچی اس عمر کو پہنچ کر بھی عورتوں سے متعلقہ معاملات سے آگاہ نہیں ہوتی مگر یہ امر نادر ہے اور اعتبار امر غالب کا ہوتا ہے۔

(۳) مسافر کیلئے دوران سفر نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی سہولت مہیا کی گئی ہے اور اس رخصت کی علت وہ صعوبت اور مشقت ہے جو دوران سفر پیش آتی ہے حالانکہ دور جدید میں بہتر سے بہتر اور آرام دہ ذرائع آمدورفت موجود ہیں جن کے سبب افطاری اور قصر نماز کی حقیقی علت (صعوبت) خاصی حد تک کم ہو چکی ہے مگر چونکہ طبائع مختلف ہیں بعض کیلئے معمولی سا سفر مشقت کا سبب ہوتا ہے جبکہ بعض افراد کیلئے طویل مسافت بھی تکلیف کا سبب نہیں بنتی تو چونکہ احکام شرعیہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی مفاد کے حامل ہیں اور سفر میں امر غالب یہی ہے کہ مسافر کو مشقت کا سامنا ہوتا ہے اور امر نادر یہ ہے کہ مسافر کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی اس لئے امر غالب کا اعتبار کرتے ہوئے حکم افطاری اور قصر کا باقی رہے گا اور امر نادر کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

(۴) مخاصم اور دشمن کی شہادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ اس میں نقصان کا ظن غالب ہوتا ہے یعنی اگر مدعی نے بطور شاہد ایسے شخص کو پیش کیا جو پہلے سے ہی مدعی علیہ سے مخاصمت اور عداوت رکھتا ہو تو اس کی شہادت معتبر نہیں ہوگی کیونکہ اس میں امر غالب یہ ہے کہ وہ ذاتی

عداوت کے سبب اس کے خلاف جھوٹی شہادت دیکر اس کیلئے نقصان کا سبب بنے گا۔ جبکہ امر نادر یہ ہے کہ وہ عداوت رکھنے کے باوجود بھی فطرتی طور پر نیک اور پارسا ہو اور جھوٹی شہادت دینے سے گریز کرے مگر حکم امر غالب کے مطابق ہی لگایا جائیگا۔

اسی طرح باپ بیٹا اور میاں بیوی ایک دوسرے کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے اور اس کی علت یہ ہے کہ ان تمام کا مفاد اور نفع باہم مشترک ہوتا ہے اس لئے اس میں غالب گمان ایک دوسرے کی رعایت کا ہے جس کے سبب جھوٹی شہادت کا ظن غالب ہے گو امر نادر یہ ہے کہ یہ افراد اپنے رشتوں اور تعلقات کی پرواہ کئے بغیر سچی شہادت دیں مگر حکم امر غالب کے مطابق ہی ہوگا۔

(۵) سن بلوغت تک پہنچنے سے قبل بچوں کو مال وجان میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور اس کی علت یہ امر غالب ہے کہ ان میں اس عمر سے قبل تصرف کرنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے جس کے سبب نقصان کا اندیشہ غالب ہوتا ہے جبکہ کبھی یہ بھی ممکن ہے کہ بعض بچوں میں سن بلوغت تک پہنچنے سے قبل بھی تصرف کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو اور وہ اپنے معاملات باحسن انداز سرانجام دے سکتے ہوں مگر اس کے باوجود حکم امر غالب کے مطابق ہی لگایا جائیگا۔

نوٹ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکم امر نادر کے مطابق لگایا جاتا ہے اور امر غالب لغو ہو جاتا ہے مثلاً" نکاح سے چھ ماہ بعد کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہو جائیگا کیونکہ یہی وہ کم از کم مدت ہے جس میں ایک بچہ جنم لے سکتا ہے جیسا کہ کنز میں ہے "اَقَلُّهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ بِالْاِجْمَاعِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا وَقَالَ وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ رُوِيَ هٰذَا عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا" (کنز الدقائق ۱۵۰)

ترجمہ

(بالاجماع حمل قرار پذیر رہنے کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچے کے حمل اور اسے دودھ پلانے کی کل مدت تیس ماہ ہے اور پھر فرمایا بچے کو دودھ

پلانے کی مدت دو سال ہے پس معلوم ہوا کہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے یہ قول حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے) چھ ماہ کے بعد بچے کی پیدائش امر نادر ہے جبکہ اس میں امر غالب یہ ہے کہ بچے کی پیدائش نو ماہ کے بعد ہوتی ہے نتیجہ "مذکورہ مسئلہ میں امر غالب یہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا حمل عقد نکاح سے پہلے کا ہے۔ جبکہ امر نادر یہ ہے کہ وہ عقد نکاح سے بعد کا ہے۔ مگر اس میں امر غالب کو ترک کر کے حکم امر نادر کے مطابق لگایا گیا۔ جس کے سبب بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہو گیا اور ساتھ ہی خاندان رسوائی سے اور بیوی کا سکون تباہ ہونے سے محفوظ ہو گیا۔

قاعدہ نمبر ۳۸

"اَلْغُرْمُ بِالْغُنْمِ"

ترجمہ

(خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی "إِنَّ مَنْ يَنَالُ نَفْعَ شَيْءٍ يَجِبُ أَنْ يَتَحَمَّلَ ضَرَرَهُ" (بیشک جو کسی شئی کا نفع حاصل کرتا ہے اس شئی کا نقصان برداشت کرنا بھی اسی کے ذمہ لازم ہے)

امثلہ نمبر ا: اگر دو آدمی باہم شراکت پر کاروبار کریں تو جسطرح اس کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کے وہ دونوں مستحق ہوتے ہیں بعینہ اسی طرح اگر اس کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو اسے برداشت کرنا انھی دونوں کی ذمہ داری ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ منافع ہو تو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر نقصان ہو تو اس کا ذمہ دار صرف ایک کو ٹھہرایا جائے۔

(۲) اگر مشترک زمین کا کچھ حصہ قابل کاشت نہ رہے تو وہ اس کے مالکان میں انھی حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے جن کے مطابق اس سے حاصل ہونے والی پیداوار ان میں تقسیم کی جاتی تھی۔ ایسا کرنا قطعا" درست نہیں کہ وہ بنجر زمین کسی ایک مالک کے حصہ میں شمار کر کے اسے بقیہ زمین کی اتنی پیداوار سے محروم کر دیا جائے کیونکہ مذکورہ اصول کے مطابق یہ لازم ہے کہ پہلے جسطرح اس سے حاصل ہونے والے غلہ میں وہ تمام شریک ہوتے تھے اسیطرح اب اس کے بنجر ہونے کے سبب کل پیداوار میں جتنی کمی واقع ہوئی اس میں بھی شریک ہوں۔

(۳) مشترک زمین کیلئے یہ بھی اصول ہے۔ کہ وہ تمام مالکان جو اس سے حاصل ہونے والی

پیداوار وصول کرتے ہیں اس پر ہونے والے جمیع اخراجات کے بھی وہی ضامن ہونگے۔ مثلاً" فصل کاشت کرنے سے قبل اسے قابل کاشت بنانا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً" اس میں ہل چلانا سہاگہ پھیرنا اور پانی وغیرہ لگانا اور زمین کی تیاری کے بعد اس کے لئے بیج کی ضرورت ہوتی ہے اور بعد ازاں وقتاً" فوقتاً" اسے پانی لگانا اور اس میں مناسب کھاد ڈالنا بھی ضروری ہوتی ہے اور فصل پک جانے کے بعد اسے کاٹنے اور گہنے وغیرہ کے اخراجات بھی ہوتے ہیں تو یہ جمیع اخراجات تمام مالکان میں انہی حصوں کے مطابق تقسیم کئے جائیں گے جن کے مطابق ان میں غلہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر کسی نے زمین خریدی تو اس کے انتقال اور رجسٹری وغیرہ کے جمیع اخراجات مشتری کے ذمہ ہونگے کیونکہ اس سے حاصل ہونے والے تمام تر منافع کا مستحق وہی ہوتا ہے۔

(۵) اگر کسی نے کوئی شئی عارضی نفع کیلئے بطور اجارہ یا اعارہ (کرایہ پر یا مانگ کر) کسی سے لے رکھی ہو۔ اور پھر دوران کام اس میں کوئی نقص یا عیب پڑ جائے تو اس نقصان کی ضمانت مستاجر اور مستعیر کے ذمہ ہوگی کیونکہ اس سے نفع بھی اسی نے حاصل کیا ہے مثلاً" شادی بیاہ یا دعوت وغیرہ کے مواقع پر استعمال کیلئے برتن "کرسیاں اور دیگر سامان کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ اگر دوران استعمال برتن گم ہوجائیں یا کرسی وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس نقصان کی تلافی کا ضامن بھی مستاجر ہوگا۔ کیونکہ نفع کا مستحق وہی ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۹

"لَا يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ مِلْكِ الْغَيْرِ بِلَا اِذْنِهٖ"

ترجمہ

(کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے)

ملکیت غیر محترم ہوتی ہے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر بذریعہ تصرف اس احترام کو ضائع کرنا شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں بلکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کسی کی ملکیت میں ناجائز تصرف کرنے والے کیلئے انتہائی شدید اور اذیت ناک وعیدیں بیان فرمائی ہیں چند ارشادات نبوی پیش خدمت ہیں۔

(۱) "عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّہٖ خُسِفَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ" (بخاری شریف)

ترجمہ

حضرت سالمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دوسرے کی زمین کے کچھ حصہ پر ناحق قبضہ کرلیا اسے قیامت کے دن سات زمینوں کی (تہ) تک دھنسلیا جائے گا)

(۲) "عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّہٗ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ" (بخاری شریف و مسلم شریف)

ترجمہ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً حاصل کی اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا)

(۳) "عَنْ اَبِیْ حُرَّۃَ الرَّقَاشِیِّ عَنْ عَمِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ" (بیہقی شریف)

ترجمہ

(حضرت ابوحرہ رقاشی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خبردار (کسی پر) ظلم نہ کرنا (اور) کان کھول کر سن لو کہ کسی شخص کا مال (تمہارے لئے) حلال نہیں ہو سکتا مگر جب وہ خوشدلی سے راضی ہو جائے)

مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہوا کہ کسی کی مملوکہ اشیاء پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ شریعت اسلامیہ میں صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کی ناراضگی کا سبب ہے اور آدمی کیلئے شدید عذاب کا باعث ہے

امثلہ نمبر۱: اگر دو آدمیوں نے مشترکہ سرمائے سے مال خرید کر تجارت کا آغاز کیا گویہ سامان تجارت دونوں کی یکساں ملکیت میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود دونوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی اس مشترکہ سامان تجارت میں ایسا تصرف قطعاً" جائز نہیں جو اس کی ذاتی منفعت کا سبب ہو اور اس کے شریک کیلئے نقصان اور خسارے کا باعث ہو۔ جیساکہ کنزالدقائق ص:۲۲۱ پر موجود ہے "وَلَا يَجُوزُ لِاَحَدِهِمَا التَّصَرُّفُ فِيْهِ اِلَّا بِاِذْنِ صَاحِبِهٖ" (کہ مال مشترکہ میں دو شریکوں میں سے کسی ایک کیلئے اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں

(۲) اگر کسی نے اپنا مال دوسرے کو مضاربت پر دیا اور ساتھ ہی کام کا وقت، جگہ اور تبادلے کے سامان کا بھی تعین کر دیا تو اس صورت میں مضارب کیلئے رب المال کی اجازت کے بغیر مذکورہ شرائط سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں رب المال کے نقصان کا احتمال موجود ہے اسی طرح مضارب کو وہ مال آگے کسی اور کو مضاربت پر دینے کی بھی اجازت نہیں اگر اس نے رب المال کی اجازت کے بغیر وہ مال مضاربت پر دیا اور مضارب ثانی کے تصرف کے سبب مال میں نقصان ہوا تو مضارب اول اس نقصان کا ضامن ہوگا۔

(۳) اگر کسی نے دوسرے کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور اس میں درخت لگالئے یا فصل کاشت کرلی یا مکان وغیرہ بنالئے تو اس کیلئے مغصوبہ زمین میں کسی بھی نوع کا تصرف قطعاً" جائز نہیں ہوگا اور اس کے تصرف کے سبب زمین میں جو نقص یا عیب پیدا ہوگا اس نقصان کا وہ ضامن ہوگا جیساکہ کنزکتاب الغصب ۳۹۶ پر موجود ہے "فَاِنْ غَصَبَ عِقَارًا وَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ وَمَا نَقَصَ بِسُكْنَاهُ وَزِرَاعَتِهٖ ضَمِنَ النُّقْصَانَ كَمَا فِي النَّقْلِيِّ"

(اگر کسی نے زمین غصب کی اور وہ اس کے قبضے میں ضائع ہو گئی تو غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا اور غاصب کی سکونت اور زراعت کے سبب مغصوبہ زمین میں جو نقص پیدا ہوگا اس نقصان کا وہ ضامن ہوگا۔ جیساکہ منقولہ مغصوبہ چیز کا وہ ضامن ہوتا ہے۔)

نوٹ

اجازت کی اقسام: اجازت دو نوعیت کی ہوتی ہے۔

۱: اجازت صریحہ ۲: اجازت دلالتہ حال

(۱) اجازت صریحہ

اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام تر معاملات کا کسی کو وکیل بنالیتا ہے اور الفاظ صریح کے ساتھ اسے یہ اجازت دیتا ہے کہ میرے سامان میں ہر نوع کا تصرف کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔ تو ایسے اختیارات کے ہوتے ہوئے اگر وکیل کے تصرف کے سبب کچھ مالی نقصان بھی ہو جائے تو اس نقصان کی ضمانت اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔

(۲) اجازت دلالتہ حال

اس اجازت سے مراد یہ ہے کہ مالک کی جانب سے تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی مگر حالات ایسے بن جاتے ہیں کہ اگر آدمی مال میں تصرف نہ کرے تو مالک کا نقصان یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مالک کو اس نقصان سے بچانے کے لئے یہ حالت مال میں تصرف کرنے کی اجازت کی متقاضی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی نے اپنا ریوڑ چرانے کے لئے کسی کو اپنا ملازم رکھا ہو اب جنگل میں ایک بکری شدید بیماری کے سبب موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی اگر چرواہا اسے ذبح نہ کرے تو اسکے حرام ہونے کا یقین ہو تو بکری کی یہ حالت چرواہے کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اسے ذبح کردے تاکہ حلال جانور حرام نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا مالک مکمل طور پر اس سے محروم بھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے بہت سا پھل خرید کر کسی کی تحویل میں دے رکھا ہو۔ مگر ابھی تک اسے فروخت کرنے کا اختیار نہ سونپا ہو۔ اسی اثناء میں مالک کی عدم موجودگی میں اچانک حالات ایسے بن جائیں کہ وہ پھل خراب ہو کر ضائع ہونے لگے اور غالب گمان یہ ہو کہ اگر حالات بدستور قائم رہے تو مالک کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا تو ایسی حالت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اسے مال میں تصرف کرنے کی اجازت ہے تاکہ رب المال نقصان سے محفوظ رہ سکے بشرطیکہ مالک کے بالفور وہاں پہنچنے یا اس سے رابطہ کا کوئی امکان نہ ہو۔

تنبیہ

جس طرح ذاتی طور پر کسی کو غیر کی ملکیت میں بلا اجازت تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی بلا اجازت کسی اور کو دوسرے کی ملکیت میں تصرف

کرنے کا حکم دے کیونکہ اصول یہ ہے کہ "اَلْاَمْرُ بِالتَّصَرُّفِ فِیْ مِلْکِ الْغَیْرِ بَاطِلٌ" (غیر کی ملکیت میں کسی کو تصرف کرنے کا حکم دینا باطل ہے) لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کے کہنے پر ایسا کیا تو وہ اپنے کئے کا خود ضامن ہوگا۔ بشرطیکہ وہ مکرہ نہ ہو۔ ہاں اگر اس نے بالاکراہ ایسا کیا تو پھر نقصان کی ضمانت مکرہ پر ہوگی۔

قاعدہ نمبر ۴۰

"اَلْاَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا یَجْتَمِعَانِ"

ترجمہ

اجرت اور ضمانت (ایک ہی شئی میں) جمع نہیں ہو سکتیں۔

اجرت کی تعریف

اجرت سے مراد کسی شئے کا وہ معاوضہ یا کرایہ ہے جو اس کے منافع کے عوض ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً" رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا تو مالک مکان کو اس میں سکونت کے عوض جو ماہانہ یا سالانہ کرایہ ادا کیا جاتا ہے وہی کرایہ اس کی اجرت کہلاتا ہے اسی طرح شادی بیاہ کے مواقع پر استعمال کے لئے برتن وغیرہ کرائے پر لئے جاتے ہیں انہیں استعمال کرنے کے عوض ان کے مالک کو جو معاوضہ دیا جاتا ہے۔ وہ ان کی اجرت کہلاتا ہے۔

ضمانت کی تعریف

ضمانت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کرایہ پر لی ہوئی شئے مستاجر کی غفلت یا ظلم و تعدی کے سبب ہلاک یا ضائع ہو جائے تو جو بدل مستاجر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ وہ اس کی ضمانت کہلاتا ہے۔ یعنی اگر اصل شئے ذوات الامثال میں سے ہو یعنی اس جیسی اور چیز مل سکتی ہو تو پھر وہ خرید کر اصلی مالک کو دینا لازم ہوتا ہے۔ اور اگر اس شئے کا تعلق ذوات! لقیم سے ہو تو پھر اس کی قیمت مستاجر کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔

مذکورہ تعریفات سے یہ معلوم ہوا کہ اجرت اور ضمانت باہم متضاد ہیں کیونکہ اجرت کا تعلق صرف شئے سے حاصل ہونے والی منفعت کے ساتھ ہے۔ اس میں ملکیت کا تصور موجود نہیں جبکہ اس کے برعکس ضمانت میں ملکیت کا تصور موجود ہے۔ تو چونکہ دونوں کا مفہوم جدا

جدا ہے۔ اسی لئے یہ دونوں ایک شئے میں جمع نہیں ہو سکتیں یعنی جس صورت میں ضمانت واجب ہو گی اسی میں اجرت واجب نہیں ہو گی۔

امثلہ نمبر۱: کسی نے گندم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے خچر کرایہ پر لی اور دوران کام اس پر ایک زیادتی یہ کی کہ اس پر بوجھ دوگنا لاد دیا دوسری غفلت یہ برتی کہ آسان راستہ چھوڑ کر پتھریلہ اور کٹھن راستہ اختیار کیا اور پھر تیسرا ظلم یہ کیا کہ راستے میں اسے معمول سے زیادہ مارا پیٹا جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا اب ہلاک ہونے کی صورت میں مستاجر پر اس کی ضمانت اور اجرت دونوں لازم نہیں ہوں گے۔ بلکہ صرف اس کی ضمانت لازم ہو گی اور اجرت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

نمبر۲: اگر کسی نے دکان کرایہ پر لی اور اس میں حدادیٔ (پیشہ لوہار) کا کام شروع کر دیا یا اس میں آٹا پیسنے کی مشین لگائی اور اپنے ایسے کام کی اطلاع پیشگی مالک دوکان کو نہ دی تو اگر اس عمل کے سبب دوکان منہدم ہو گئی تو اس کی ضمانت اس کے ذمہ واجب ہو گی اس صورت میں اجرت نہیں ہو گی اور اگر کام کے سبب مکان کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو پھر مستاجر پر مقررہ اجرت ہی ہو گی۔ جیسا کہ کنز اور بحرالرائق میں موجود ہے۔

"لَوْ فَعَلَ مَالَا يَجُوْزُ لَهُ مِنْ اِسْكَانِ الْحَدَّادِ وَغَيْرِهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْاَجْرُ وَاِنْ اِنْهَدَمَ الْبِنَاءُ بِعَمَلِهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الضَّمَانُ وَلَا اَجْرَ لَمَّا عُلِمَ اَنَّهُمَا لَا يَجْتَمِعَانِ"

ضمانت کے اسباب

علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں کہ ضمانت مندرجہ ذیل تین اسباب میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے لازم ہوتی ہے۔

نمبر۱۔ تفویت الشئی: (کسی شئے کو ضائع کر دینا) یعنی اگر کسی نے دوسرے کی کوئی شئے ضائع کر دی تو اس کی ضمانت اس کے ذمہ لازم ہو گی مثلاً" کسی کا جانور ہلاک کر دیا' کسی کے کپڑے وغیرہ جلا دیئے یا کسی کا پڑا ہوا کھانا کھا لیا۔

نمبر۲: وَضْعُ الْيَدِ غَيْرَ الْمُؤْتَمَنَةِ (امانت کے علاوہ کسی شئے پر قبضہ کرنا) یعنی اگر کسی نے دوسرے کی کوئی شئے غصب کر لی اور پھر اسے ضائع کر دیا یا وہ خود ہلاک ہو گئی تو اس شئے کی

ضمانت اس کے ذمہ لازم ہوگی مگر اس کے برعکس کوئی شئے کسی کے پاس بطور امانت موجود ہو اور وہ خود اس کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کی ضمانت اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔

نمبر ۳۔ اَلتَّسَبُّبُ فِي الْاِتْلَافِ (کسی شئے کو ضائع کرنے کا سبب بننا) مثلاً" کسی نے دوسرے کے کھلیان کے قریب آگ جلائی وہاں سے ایک چنگاری اڑی جس نے دوسرے کے سارے خرمن کو جلا کر راکھ بنا دیا تو اس نقصان کی ضمانت آگ جلانے والے پر ہوگی کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا سبب ہے اسی طرح کسی نے دوسرے کے کھانے میں زہر ملا دی۔ یا ایسی جگہ اذیت ناک چیز رکھ دی جہاں نہیں رکھنی چاہئے تھی۔ یا شارع عام میں کنواں وغیرہ کھود ڈالا تو ان تمام صورتوں میں ہلاک ہونے والی شئے کی ضمانت سبب بننے والے پر ہوگی۔

قاعدہ نمبر ۱۴

"اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ"

ترجمہ

(ضمانت کے عوض منافع ہوتا ہے)

خراج سے مراد کسی بھی شئے سے حاصل ہونے والا منافع ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے " خِرَاجُ الشَّيْءِ مَنَافِعُهُ اَلْخِرَاجُ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ الشَّيْءِ فَخِرَاجُ الشَّجَرَةِ ثَمَرُهَا" (کسی شئے کا خراج اس کا منافع ہے) اور خراج سے مراد ہر وہ شئے ہے جو کسی شئے سے نکلے پس درخت کا خراج اس کا پھل ہوتا ہے۔)

مذکورہ معنی کے مطابق قاعدے کا مفہوم یہ ہوگا کہ منافع اور پھل محنت و مشقت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کی اصل اور بنیاد حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک آدمی نے کسی سے غلام خریدا کچھ وقت کے بعد وہ غلام کے ایسے عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے پاس اس میں موجود تھا اسی عیب کے سبب مشتری اور بائع کے مابین تنازعہ شروع ہو گیا جب یہ مسئلہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے غلام کی واپسی کا فیصلہ فرمایا تو بائع نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی حضور اس نے میرے غلام سے خدمت بھی لی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً" ارشاد فرمایا "اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ" (منافع ضمانت کے برابر ہے) جیسا کہ اولاد کی

تعلیم و تربیت میں سب سے زیادہ محنت و مشقت اور اخراجات والدین برداشت کرتے ہیں اس لئے بعد میں اولاد کی سب سے زیادہ خدمت کے مستحق بھی والدین ہی ہیں تاکہ وہ پر سکون زندگی بسر کر سکیں۔

امثلہ نمبر ۱: مشتری کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ خیار عیب کے سبب مبیع بائع کو واپس کردے کیونکہ مشتری کامل قیمت ادا کرنے کے سبب اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اسے کامل مبیع دی جائے اور اگر بائع نے کامل قیمت کے عوض عیب دار اور ناقص مبیع مشتری کے حوالے کی تو اسے اس کے عیب پر مطلع ہونے کے بعد اسے واپس لوٹانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

نمبر ۲: اگر کسی نے غیر مملوکہ بنجر زمین پر محنت کر کے اسے قابل کاشت بنا دیا تو اس سے حاصل ہونے والی پیداوار کا مستحق بھی وہی ہوگا۔ بلکہ وہی اس کا مالک ہوگا کیونکہ اس کی محنت و مشقت اس کی متقاضی ہے کہ اس زمین کے منافع اسے ہی دیئے جائیں جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ" رواہ احمد والترمذی) (جس نے غیر آباد زمین آباد کی تو وہ اسی کی ملکیت ہوگی) آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کے مطابق صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) نے فرمایا "يَمْلِكُهُ مَنْ اَحْيَاهُ" (کنز الدقائق ص ۴۱۷) (جو زمین کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا)

نمبر ۳: عاملین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سے دینا جائز ہے۔ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں امام وقت زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے چونکہ وہ اپنے اپنے علاقہ سے مال زکوٰۃ اکٹھا کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اس لئے ان کی یہ محنت معاوضہ کا تقاضا بھی کرتی ہے کیونکہ مشقت کے ساتھ ساتھ منافع بھی ہوتا ہے مگر جو رقم وہ وصول کریں گے وہ زکوٰۃ شمار نہیں ہوگی بلکہ وہ ان کی محنت اور سعی کی اجرت ہوگی۔ جیسا کہ کنز الدقائق ص ۶۴ پر موجود ہے " فَيُعْطِيْهِ الْاِمَامُ وَاِنْ كَانَ غَنِيًّا لِاَنَّ مَا يَاْخُذُهُ لَيْسَ زَكوٰةً وَاِنَّمَا هُوَ بِمُقَابَلَةِ عَمَلِهِ" (امام وقت مال زکوٰۃ میں سے عامل کو دے گا اگرچہ وہ غنی ہو کیونکہ جو کچھ وہ وصول کرے گا وہ زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ اس کے عمل اور محنت کا معاوضہ ہوگا۔

نمبر ۴: موجودہ دور میں سرکاری ملازمین اور پرائیویٹ اداروں میں کام کرنے والوں کی تنخواہیں بھی مذکورہ اصول کے زمرہ میں ہی آتی ہیں چونکہ سرکاری یا غیر سرکاری ملازمین اپنے آپ کو

اپنے اپنے اداروں کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہر ادارے کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص اوقات میں اپنے ملازمین سے پیشہ وارانہ مشقت لے سکتا ہے لہٰذا یہ مشقت اور ادارہ کی جانب سے عائد ہونے والے فرائض کی ادائیگی تقاضا کرتی ہے۔ کہ ملازمین کو باقاعدہ اتنا معاوضہ دیا جائے جس سے وہ اپنی دیگر حاجات و ضروریات احسن انداز میں پوری کر سکیں تاکہ ان کی زندگی اطمینان بخش اور پر سکون بسر ہو سکے کیونکہ اصول یہی ہے "اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ"

قاعدہ نمبر ۴۲

"اَلْاِجْتِهَادُ لَا یُنْقَضُ بِالْاِجْتِهَادِ"

ترجمہ

(اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہو گا۔) یعنی اگر کسی شے پر حکم اجتہاد کے ذریعے لگایا جائے اور بعد ازاں اجتہاد کے ساتھ ہی پہلے حکم کے برعکس حکم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ پہلا حکم باطل نہیں ہو گا کیونکہ "لَیْسَ الْاِجْتِهَادُ الثَّانِیْ بِاَقْوٰی مِنَ الْاَوَّلِ" (دوسرا اجتہاد پہلے اجتہاد کی نسبت قوی نہیں ہوتا) اس قاعدہ کی اصل اجماع ہے۔

امثلہ نمبر۱: اگر قاضی نے فسق کے سبب شاہد (گواہ) کو شہادت سے روک دیا پھر اگر فسق سے توبہ کرنے کے بعد اسی دعوی کے حق میں اس نے قاضی کے پاس شہادت دی تو وہ قبول نہیں ہو گی کیونکہ توبہ کے بعد اس کی شہادت کو قبول کرنا اجتہاد کو اجتہاد کے ساتھ باطل کرنے کو متضمن ہے۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے "مَنْ رُدَّتْ شَهَادَتُهٗ لِعِلَّةٍ ثُمَّ زَالَتْ ثُمَّ اَعَادَهَا فِیْ تِلْکَ الْحَادِثَةِ لَمْ تُقْبَلْ اِلَّا فِیْ اَرْبَعَةٍ اَلصَّبِیُّ وَالْعَبْدُ وَالْکَافِرُ وَالْاَعْمٰی"

(الاشباہ والنظائر ص ۱۰۵)

(ایسا شاہد جس کی شہادت کسی علت کی بنا پر رد کر دی گئی پھر وہ زائل ہو گئی پھر وہ اسی واقعہ کی شہادت دوبارہ دے تو وہ قبول نہ کی جائے مگر چار کی بچہ (جب بالغ ہو جائے) غلام (جب آزاد ہو جائے) اور کافر (جب مسلمان ہو جائے) اور اندھا (جب بینا ہو جائے) تو ان کی شہادت مقبول ہو گی۔)

نمبر۲: اگر ایک آدمی کے پاس دو کپڑے یا دو برتن ہوں ان میں سے ایک پاک ہو اور دوسرا پلید مگر وہ نہ جانتا ہو کہ پاک کونسا ہے اور پلید کونسا۔ تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ نماز کی ادائیگی یا وضو

کرنے کے لئے ان میں تحری (تلاش و جستجو) کرے اگر اس نے مکمل چھان بین کے بعد ان میں سے کوئی نماز یا وضو کے لئے استعمال کیا تو اس کا عمل درست ہو گا اگرچہ بعد میں بذریعہ اجتہاد اس کا فیصلہ پہلے کے برعکس بھی ہو۔ کیونکہ دوسرے اجتہاد سے پہلا اجتہاد باطل نہیں ہوتا لہٰذا اس کی نماز اور وضو دونوں درست رہیں گے۔

نمبر ۳: اگر نمازی پر قبلہ کی سمت مشتبہ ہو جائے تو اس پر قبلہ کی سمت متعین کرنے کے لئے تحری ضروری ہے اگر تحری کے بعد ایک سمت متوجہ ہو کر نماز ادا کر لی اور بعد میں ظن غالب سے یہ ظاہر ہوا کہ قبلہ کی سمت دوسری ہے تو اس دوسرے اجتہاد سے پہلا اجتہاد باطل نہیں ہو گا اور اس کی نماز درست ہو گی۔

نمبر ۴: اگر فیصلہ سنانے کے بعد قاضی کی رائے اپنے فیصلہ کے بارے تبدیل ہو جائے تو اس سے پہلا فیصلہ تبدیل نہیں ہو گا۔ بلکہ دونوں حکم اپنی اپنی جگہ پر برقرار رہیں گے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے ہی سال آپ کے پاس یہ مسئلہ پیش ہوا کہ دو اخیافی بھائی (ایسے دو بھائی جن کی ماں ایک ہو مگر باپ علیحدہ علیحدہ ہو) ہیں ان کی ماں فوت ہو گئی کیا اس کی میراث سے حصہ صرف اخیافی بیٹے کو ملے گا یا دونوں کو۔ تو حضرت فاروق اعظمؓ نے اخیافی بیٹے کے حق میں فیصلہ کیا اور دوسرے کو مکمل طور پر میراث سے محروم کر دیا مگر خلافت کے دوسرے سال اسی نوعیت کا ایک اور مقدمہ پیش ہوا تو اس بار محروم بھائی نے یہ درخواست کی کہ اخیافی بیٹے تو ماں کے وارث بنیں مگر وہ میری بھی ماں ہے آپ فرض کر لیں کہ میرا باپ گدھا تھا یا راستہ میں پڑا ہوا کوئی پتھر تھا تو کیا ماں نے ہمیں جمع نہیں کر دیا؟ تو مکمل تفصیل سماعت فرمانے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ تمام اخیافی بھائی ماں کی میراث میں حصے دار ہوں گے بعد ازاں جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ پہلے سال تو آپ نے فیصلہ اس کے برعکس دیا تھا تو آپ نے جواباً" فرمایا کہ پہلا فیصلہ بھی ہم نے ہی دیا تھا اور یہ بھی ہم ہی دے رہے ہیں۔ یہ فرما کر گویا آپ نے دونوں اجتہادوں کو برقرار رکھا اور دوسرے کو پہلے کے لئے توڑنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ (فقہ الاسلام ص: ۲۵۰)

مذکورہ حکم کی ایک اور مثال اس طرح بھی ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسائل کی کثرت اور امور سلطنت میں اضافہ ہونے کے سبب عہدہ قضا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دو آدمیوں کا تنازعہ انکی

عدالت میں پیش ہوا تو جس کے خلاف انہوں نے فیصلہ کیا وہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور فیصلے کے متعلق آپ کو آگاہ کیا تفصیلات سننے کے بعد آپ نے فرمایا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو فیصلہ تیرے حق میں کرتا یہ سن کر اس نے عرض کیا کہ اب آپ کے لئے کونسی چیز مانع ہے۔ تو آپ ؓ نے فرمایا یہ نص تو ہے نہیں۔ رائے مشترک ہے قاضی جیسے چاہے فیصلہ دے سکتا ہے) اس سے یہ معلوم ہوا کہ گو امیر المومنین کی رائے حضرت ابو دردا ؓ کے فیصلہ کے خلاف تھی مگر اس کے باوجود رائے سے ان کے فیصلے کو ساقط نہیں کیا کیونکہ اجتہاد اجتہاد کے بطلان کا سبب نہیں بن سکتا۔ (لہ۔ فقہ الاسلام ص: ۲۵۰)

قاعدہ نمبر ۴۳

"لَا اِجْتِہَادَ عِنْدَ ظُہُوْرِ النَّصِّ"

ترجمہ

(نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ہوتا)

اجتہاد کی تعریف

اصطلاح فقہاء میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے "صَرْفُ وَبَذْلُ الطَّاقَۃِ وَالْقُدْرَۃِ لِلْوُصُوْلِ اِلَی الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ مِنْ دَلِیْلِہِ الشَّرْعِیِّ" (دلیل شرعی کے ذریعہ حکم شرعی تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری طاقت اور قدرت صرف کر دینا اجتہاد کہلاتا ہے)

مذکورہ قاعدہ کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ شریعت اسلامیہ کے ایسے تمام مسائل جن کا واضح حکم قرآن و سنت میں موجود ہے۔ ان کے لئے اپنی رائے اور عقل سے کوئی حکم تجویز کرنے کی قطعاً" اجازت نہیں بلکہ قرآن و سنت کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ جیسا کہ متعدد آیات قرآنیہ اس پر شاہد ہیں "وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِہِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا" (الاحزاب پ ۲۲: ۳۶)

(جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کو اپنے معاملات کا کوئی اختیار نہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ

کھلی گمراہی میں داخل ہو گیا)
نمبر ۲: "وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ" (المائدہ پ۶: ۴۴)
(اور جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا پس وہ کفار میں سے ہے)

نمبر ۳: "وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (المائدہ پ۶: ۴۵)
(جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالموں میں سے ہیں)
نمبر ۴: "وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ" (المائدہ پ۶: ۴۷)
(اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ فاسقین میں سے ہیں)

مذکورہ آیات بینات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ قرآن و سنت کے خلاف فیصلہ دینا حرام ہے اس پر علماء محققین کا اجماع بھی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔

نمبر ۱: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بنی ثقیف کا ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کی ایسی عورت جو یوم نحر کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد حائضہ ہو گئی کیا اسے واپس جانے کی اجازت ہے؟ تو آپؓ نے جواباً فرمایا اسے واپس جانے کی اجازت نہیں یہ سن کر ثقفی بولا کہ ایسی عورت کے بارے میں آپ کے فیصلہ کے برعکس فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا تھا۔ جونہی آپ نے یہ سنا تو غصے ہو گئے درے سے اس کی پٹائی کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا تو نے مجھ سے ایسا مسئلہ کیوں پوچھا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرما چکے ہیں۔

نمبر ۲: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مسنونہ کے سامنے کسی رائے کی کوئی وقعت نہیں اور ہر چیز اس کے سامنے ہیچ ہے۔

نمبر ۳: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع امت ہے کہ جس کے سامنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ظاہر ہو جائے اسے پھر کسی اور کا قول اپنانے کا اختیار نہیں اسی طرح آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو پھر میرا قول دیوار پر مار دینا اور حدیث پر عمل کرنا۔ (فقہ الاسلام ص: ۲۵۱)

مذکورہ بالا بیانات سے یہ امر صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد قطعاً جائز نہیں۔

امثلہ نمبر ا: سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جیسا کہ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں " اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (البقرہ ۳: ۲۷۵) (اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) حلال کی ہے اور ربوا حرام کیا ہے) لہٰذا اس صریح نص کے مقابلہ میں اپنی عقل و دانش اور قوت اجتہاد سے سود کی حلت کا فتویٰ دینا قطعاً جائز نہیں اور نہ ہی ایسا اجتہاد قابل عمل ہو سکتا ہے۔

نمبر ۲: میراث کی تقسیم میں نص صریح یہ ہے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" (النساء پ ۴: ۱۱) (ایک مذکر کا حصہ دو مونث کے مساوی ہے) اس کے مقابلہ میں ایسا اجتہاد قطعاً ممنوع ہے جس کے ذریعہ مذکر و مونث کے حصوں کو مساوی بنانے کی کوشش کی جائے۔

نمبر ۳: ارشاد ربانی ہے "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (النور پ ۱۸: ۲)

(زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑا لگاؤ) گویا بدکاری کے مرتکب افراد کے لئے جرم ثابت ہونے پر سو کوڑے سزا نص صریح سے ثابت ہے۔ اگر اجتہاد کے ذریعے اس میں کمی و بیشی کی کوشش کی جائے تو یہ جائز نہیں اور اجتہاد قابل قبول نہیں ہوگا۔

المختصر ایسے تمام احکام شرعیہ جن کے لئے نصوص صریحہ موجود ہیں ان میں اجتہاد کے ذریعہ تغیر و تبدل کرنا قطعاً جائز نہیں۔

قاعدہ نمبر ۴۴

"حُكْمُ الْحَاكِمِ فِيْ مَسَائِلِ الْاِجْتِهَادِ يَرْفَعُ الْخِلَافَ"

ترجمہ

(اجتہادی مسائل میں حاکم وقت کا حکم اختلافات ختم کر سکتا ہے)

یعنی اگر ایک ہی مسئلہ کے بارے میں مختلف آئمہ کرام اور علماء محققین کی متعدد آرا موجود ہوں تو حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ جس رائے اور اجتہاد کو رعایا کے لئے زیادہ سود مند گمان کرے اسے اپنا لے اگرچہ وہ قول مرجوح ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس سے توقع یہی ہے کہ وہ ایسا قول ہی اختیار کرے گا جو رعایا کے حق میں زیادہ نفع بخش ہو گا اس لئے حاکم کا اختیار ہی قول مرجوح کی خامیاں دور کرنے اور اسے راجح بنانے کا سبب بن جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں قول راجح پر عمل کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ مطلقہ" قول مرجوح کو اپنانا بھی درست ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو یہاں تک اجازت دی ہے کہ عند الضرورۃ دوسرے امام کے قول کے مطابق فتویٰ دینا بھی صحیح ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں دوسرے امام کے قول کے مطابق فتویٰ دینا در حقیقت امام صاحب کی ہی تقلید ہے۔ کیونکہ یہ بھی انکے قول ہی کے مطابق ہے۔ لہٰذا امام وقت کو اختیار ہے کہ موقع محل کے مطابق جس قول کے مطابق چاہے فیصلہ دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ امام وقت مکمل طور پر احکام شریعہ سے آگاہ اور انکا پابند ہو۔ (فقہ الاسلام)

قاعدہ نمبر ۴۵

"سَبِيْلُ الْكَسْبِ الْخَبِيْثِ التَّصَدُّقُ بِهٖ اِذَا تَعَذَّرَ الرَّدُّ عَلٰى صَاحِبِ الْحَقِّ"

ترجمہ

(ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ کمائی (مال و متاع) صدقہ کر دینی چاہیئے بشرطیکہ اصلی مالک کو لوٹانا مشکل ہو۔ یعنی اگر کسی نے دوران ملازمت بذریعہ رشوت یا اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے لوگوں سے ظلماً" مال و دولت چھین لیا یا کسی نے کاروبار کے دوران دھوکہ اور مکرو فریب کے ساتھ سازو سامان کے انبار لگا لئے یا اپنی رقم سود پر قرض دے کر لوگوں سے سود وصول کرتا رہا یہاں تک کہ ایسے ہی ناجائز اور حرام ذرائع سے اس کے پاس کافی مقدار میں مال و دولت جمع ہو گئی ایسے شخص کو اگر زندگی کے کسی موڑ پر ہدایت نصیب ہو جائے اور وہ چاہے کہ حرام مال سے اسے چھٹکارا اور نجات حاصل ہو جائے تو اس کے لئے اولین حکم تو یہ

ہے کہ وہ ان افراد تک وہ مال واپس لوٹا دے جن سے اس نے حاصل کیا تھا اور اگر ایسا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر ان کی نیت سے وہ مال صدقہ کردے جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں " وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ اِنْ عَلِمَ اَرْبَابَ الْاَمْوَالِ وَجَبَ رَدُّهٗ عَلَيْهِمْ وَاِلَّا فَاِنْ عَلِمَ عَيْنَ الْحَرَامِ لَا يَحِلُّ لَهٗ وَيَتَصَدَّقُ بِهٖ بِنِيَّةِ صَاحِبِهٖ" (رد المحتار ج: ۵ ص: ۹۹) (حاصل کلام یہ ہے کہ جس کے پاس مالِ حرام ہو اگر وہ اس مال کے مالک کو جانتا ہو تو مال اس کو واپس لوٹانا اس پر واجب ہے۔ اور اگر مالک کا علم نہ ہو تو یہ مال اس کے لئے حلال نہیں اور وہ اصل مالک کی نیت سے صدقہ کردے۔)

اور اگر مالک کا علم نہ ہو (تو پھر اگر وہ حرام مال کو جانتا ہو) تو یہ مال اس کے لئے حلال نہیں

اور اگر کوئی مال حرام اکٹھا کرنے کے بعد موت کی آغوش میں چلا جائے تو اس کے ورثا کے لئے بھی اس کا استعمال کرنا دیانۃ "جائز نہیں مگر قضا" انہیں تقسیم کرنے کی اجازت ہے۔ اگر ورثا ایسے مال سے نجات حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لئے بھی یہی مذکورہ بالا حکم ہے۔

تنبیہ:

مذکورہ قاعدہ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ شائد بینک سے سود کی رقم لے کر اگر غربا میں تقسیم کردی جائے تو یہ درست ہے۔ تو اس الجھن کے ازالہ کے لئے مقالات سعیدی ص ۳۲۲ سے اقتباس پیش خدمت ہے۔ "بینک قرض پر جو سود ادا کرتا ہے وہ ربا النسیۃ کی تعریف میں آتا ہے اور ربا النسیۃ حرام قطعی ہے جس طرح خنزیر اور مردار کا کھانا حرام ہے اسی طرح سود کی رقم لے کر کھانا حرام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سود کی رقم لے کر کسی غریب کو دے دی جائے یہ تجویز دو وجہ سے باطل ہے اول تو جب اس نے سود لے لیا تو اس نے حرام قطعی کا ارتکاب کیا اور اگر اسے حلال سمجھ کر لیا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق کافر ہو گیا کیونکہ حرام قطعی کو حلال کرنا کفر ہے۔ اور اگر حرام سمجھ کر لیا تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور جب بالقصد یہ سود کی رقم کسی غریب شخص کو دی تو از روئے حدیث "لَعَنَ اللّٰهُ عَلٰی اٰكِلِ الرِّبَا وَمُوْكِلِهٖ" (سود کے کھانے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت ہے) یہ سود کی رقم کھلانے والا لعنت کا مستحق قرار پایا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں "فِیْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَةِ عَنْ

اَلْبَزَّازِیَّۃِ اِنَّمَا یَکْفُرُ اِذَا تَصَدَّقَ بِالْحَرَامِ الْقَطْعِیِّ" (در مختار علی ہامش رد المحتار ج:۲ص:۳۵)

(شرح وہبانیہ میں بزازیہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص حرام قطعی سے مال صدقہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں "رَجُلٌ دَفَعَ اِلٰی فَقِیْرٍ مِنْ مَالِ الْحَرَامِ شَیْئًا یَرْجُوْبِہِ الثَّوَابَ یَکْفُرُ وَ لَوْ عَلِمَ الْفَقِیْرُ بِذٰلِکَ فَدَعَالَہٗ وَاَمَّنَ الْمُعْطِیْ کَفَرَا جَمِیْعًا"

(رد المحتار ج:۲ص:۳۵)

(کسی شخص نے اس مال سے صدقہ کیا جو حرام قطعی ہے اور ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر فقیر کو مال کی حرمت کا علم ہو گیا اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور اس نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو گئے)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ بالقصد مال حرام کو حلال سمجھ کر دینا کفر ہے اور حرام سمجھ کر لینا گناہ کبیرہ ہے اور بالقصد لے کر اس کو کسی شخص کو کھلانا گناہ کبیرہ بھی ہے اور لعنت کا مصداق بھی۔ (منقول از مقالات سعیدی ص ۴۲۲ مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی)

قاعدہ نمبر ۴۶

"اَلْاَصْلُ اِضَافَۃُ الْحَادِثِ اِلٰی اَقْرَبِ اَوْقَاتِہٖ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر کسی نئے واقعہ کی نسبت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جائے گی۔)

امثلہ نمبر ۱: اگر کسی عورت نے یہ دعوی کیا کہ خاوند نے اسے اپنی میراث سے محروم کرنے کے لئے طلاق دی ہے تو اس دعوی کی نسبت اس کے خاوند کی قریب ترین حالت کی طرف کی جائے گی۔ یعنی اگر خاوند نے اسے طلاق اپنی مرض الموت میں دی ہو تو وہ میراث کی مستحق ہو گی اور اسے اپنا حصہ دیا جائے گا۔ اگرچہ اب کے خاوند کے ورثاء کا موقف یہ ہو کہ اس نے حالت صحت میں اسے طلاق دی تھی۔ ہاں اگر عورت اپنا دعوی بینہ کے ساتھ ثابت نہ کر سکے

تو پھر وہ وراثت کی مستحق نہیں ہوگی۔

نمبر ۲: اگر کسی شخص نے اپنی مرض الموت میں ورثاء میں سے کسی کے لئے قرض یا کسی اور چیز کا اقرار کیا تو اس کی قریبی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کی علت یہ ہے کہ شائد وہ اس کے ذریعہ دیگر ورثاء کو اس سے محروم کر رہا ہو مگر اس کے برعکس اگر کسی نے حالت صحت میں ایسا اقرار کیا تو وہ معتبر ہوگا۔ ہاں اگر مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا جائے) اور دیگر ورثاء کے مابین یہ اختلاف ہو جائے کہ مقرلہ یہ کہے کہ اقرار حالت صحت میں ہوا ہے اور دیگر ورثاء یہ کہیں کہ اقرار حالت مرض میں ہوا ہے تو اس صورت میں اگر مقرلہ نے اپنے دعوی پر بینہ قائم نہ کئے تو قریبی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے دیگر ورثاء کا قول قبول ہوگا اور اقرار رد کر دیا جائے گا اور اگر اس نے بینہ قائم کر دیئے تو پھر اس کا قول معتبر ہوگا۔

نمبر ۳: اگر کسی نے نماز ادا کرنے کے بعد اپنے کپڑے پر ایسی نجاست دیکھی جس کے لگنے کا وقت اسے معلوم نہ ہو تو قریبی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے صرف آخری حدث لاحق ہونے کے بعد ادا کی جانے والی نمازوں کا اعادہ اس کے ذمہ لازم ہوگا۔

نمبر ۴: اگر جنگ یا جھگڑے فساد کے دوران زخمی ہونے کے سبب کوئی صاحب فراش ہو گیا یہاں تک کہ اسی حالت میں اسکی موت واقع ہو گئی تو اس موت کا سبب اسی قریب ترین لگنے والے زخم کو گمان کیا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق اس پر حکم بھی لگایا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۔ ۴

"مَنْ شَکَّ هَلْ فَعَلَ شَيْئًا أَمْ لَا فَالْأَصْلُ أَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْ"

ترجمہ

(جسے شک لاحق ہو کہ اس نے عمل کیا یا نہیں تو (ایسی صورت میں) اصل یہ ہے کہ اس نے وہ نہیں کیا)

امثلہ نمبر ۱: اگر کسی کو نماز میں شروع ہونے سے قبل یہ شک لاحق ہو جائے کہ وہ وضو سے ہے یا نہیں تو ایسی حالت میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ وضو سے نہیں لہذا اپنی نماز کی ادائیگی کو صحیح بنانے کے لئے اس پر وضو کرنا واجب ہوگا۔

نمبر ۲: اگر نماز ادا کرنے کے دوران کسی رکن کے بارے میں یہ شک لاحق ہو جائے کہ وہ ادا کیا گیا ہے یا نہیں اور اس میں شک کی دونوں طرفیں مساوی ہوں یعنی شک کی کوئی ایک جانب غالب نہ ہو تو اس صورت میں حکم مشکوک رکن کی عدم ادائیگی کا ہو گا لہٰذا نماز کی صحت کے لئے اس کی تکمیل ضروری ہو گی۔

نمبر ۳: اگر کسی کو طلاق کے بارے میں یہ شک لاحق ہوا کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں تو حکم یہ ہو گا کہ طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قاعدہ نمبر ۴۸

"مَنْ تَيَقَّنَ الْفِعْلَ وَ شَكَّ فِي الْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ حُمِلَ عَلَى الْقَلِيْلِ لِاَنَّهُ الْمُتَيَقَّنُ"

ترجمہ

(جسے عمل کرنے کا یقین ہو اور اس کی مقدار کی قلت و کثرت میں شک ہو تو اسے قلیل مقدار پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہی مقدار یقینی ہے)

امثلہ نمبر ۱: اگر دوران نماز کسی کو یہ شک لاحق ہو جائے کہ تین رکعتیں ادا ہو چکی ہیں یا چار۔ تو اس صورت میں اگر یہ شک نمازی کو پہلی بار لاحق ہوا تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی نماز نئے سرے سے ادا کرے اور اگر اس نوعیت کا شک اس سے قبل بھی کئی بار لاحق ہو چکا ہو تو پھر اس کے لئے مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

نمبر ۱: ظن غالب کا اعتبار ہو گا یعنی اگر اسے غالب گمان تین رکعتوں کی ادائیگی کا ہو تو وہ چوتھی رکعت ساتھ ادا کرے اور اگر غالب گمان چار رکعتوں کی ادائیگی کا ہو تو پھر تشہد کے ساتھ اپنی نماز مکمل کر لے۔

نمبر ۲: اقل مقدار پر عمل ہو گا یعنی اگر نمازی کا ظن غالب نہ ہو بلکہ ظن کی دونوں طرفیں مساوی ہوں تو پھر اقل مقدار پر عمل کیا جائے گا کیونکہ ان کی ادائیگی کا یقین ہے۔ لیکن ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر دو مشکوک رکعتوں کے بعد ان میں سے ہر ایک کو آخری رکعت گمان کرتے ہوئے قعدہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کے ساتھ اپنی نماز مکمل کرے تاکہ آخری قعدہ کی ادائیگی اپنے محل میں ہو سکے۔

نمبر۳: اگر کسی کو طلاق کی مقدار میں شک لاحق ہو جائے کہ ایک طلاق دی ہے یا ایک سے زائد تو ایسی صورت میں صرف ایک طلاق ہی واقع ہو گی بشرطیکہ اسے ایک سے زیادہ طلاقوں کا نہ تو یقین ہو اور نہ ہی ظن غالب ہو۔

قاعدہ نمبر۴۹

"اَلْخَطَأُ فِيمَا لَا يُشْتَرَطُ التَّعْيِيْنُ لَهُ لَا يَضُرُّ"

ترجمہ

(کسی عمل میں جس شے کی تعیین شرط نہ ہو اس میں خطا ہو جانا اس عمل کے لئے نقصان دہ نہیں ہوتا)

امثلہ نمبر۱: نماز کی جگہ ' وقت اور رکعتوں کی تعداد کا تعین کرنا۔ یعنی اگر ظہر کی نماز کی نیت کرتے وقت خطاء" تین یا پانچ رکعتوں کی نیت کر لی تو اس کی نماز صحیح ہو گی بشرطیکہ ادا چار رکعتیں کی ہوں کیونکہ رکعتوں کی تعیین ایسی شرط نہیں ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہ ہو سکتی ہو اس لئے یہ خطا عمل نماز کے لئے نقصان دہ نہیں ہو گی۔ جیسا کہ "بنایہ" میں ہے "نِيَّةُ عَدَدِ الرَّكْعَاتِ وَالسَّجَدَاتِ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَلَوْ نَوَى الظُّهْرَ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا صَحَّتْ وَتَلْغُوْ نِيَّةُ التَّعْيِيْنِ"

(رکعتوں اور سجدوں کی تعداد کی نیت کرنا شرط نہیں ہے اور اگر ظہر کی نماز میں کسی نے تین یا پانچ رکعتوں کی نیت کی تو نماز صحیح ہو گی اور تعیین کی نیت لغو ہو جائے گی۔)

اسی طرح اگر کسی سے وقت کی تعین میں خطا ہوئی تو وہ اس کی نماز کے لئے نقصان کا سبب نہیں بنے گی۔ مثلاً" کسی نے اس گمان کے ساتھ ادا نماز کی نیت کی کہ ابھی نماز کا وقت باقی ہے حالانکہ فی الحقیقت نماز کا وقت خارج ہو چکا تھا یا اس کے برعکس وقت نکل جانے کے گمان کے ساتھ کسی نے قضا نماز کی نیت کی حالانکہ ابھی نماز کا وقت باقی تھا تو دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہو گی۔ اور یہ خطا اس کی نماز کے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہو گی۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے " لَوْ نَوَى الْأَدَاءَ عَلَى ظَنِّ بَقَاءِ الْوَقْتِ فَتَبَيَّنَ خُرُوْجُهُ أَجْزَاءَ وَكَذَا عَكْسُهُ "

(اگر وقت کے باقی ہونے کے گمان کے ساتھ کسی نے ادا نماز کی نیت کی پھر اسے وقت

کے خارج ہونے کا علم ہوا تو اس کی نماز جائز ہو گی اور اس کے عکس کا حکم بھی یہی ہے۔)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے "اِذَا عَیَّنَ الصَّلٰوۃَ الَّتِیْ یُؤَدِّیْھَا صَحَّ نَوَی الْاَدَاءَ اَوِالْقَضَاءَ"

(جب نمازی نے اس نماز کی تعیین کردی جسے وہ ادا کر رہا ہے تو نماز صحیح ہو گی چاہے اس نے ادا نماز کی نیت کی یا قضا کی)

فخر الاسلام اور دیگر محققین ادا اور قضا کی بحث کے تحت فرماتے ہیں "اِنَّ اَحَدَھُمَا یُسْتَعْمَلُ مَکَانَ الْاٰخَرِ حَتّٰی یَجُوْزَ الْاَدَاءُ بِنِیَّۃِ الْقَضَاءِ وَبِالْعَکْسِ"

(بیشک ادا اور قضا میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ادا نماز قضا کی نیت سے اور قضا ادا کی نیت سے صحیح ہوتی ہے۔)

نمبر۲: اگر شہادت دیتے وقت شاہد سے کسی خاص چیز کے بیان میں خطا ہو جائے تو وہ اس کی شہادت کے لئے نقصان دہ نہیں ہوتی۔ مثلاً" شاہدین نے قاضی کے سوال پر جانور کا ایک رنگ ذکر کیا اور پھر شہادت دیتے ہوئے خطا" اس کی بجائے دوسرا رنگ کہہ دیا تو پھر بھی ان کی شہادت قبول ہو جائے گی ایسی خطا شہادت کو رد کرنے کا سبب نہیں بن سکتی جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے "لَوْسَاَلَھُمُ الْقَاضِیْ عَنْ لَوْنِ الدَّابَّۃِ فَذَکَرُوْا لَوْنًا ثُمَّ شَھِدُوْا عِنْدَ الدَّعْوٰی وَذَکَرُوْا لَوْنًا اٰخَرَ تُقْبَلُ لِاَنَّ التَّنَاقُضَ فِیْمَا لَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ لَا یَضُرُّ"

قاعدہ نمبر۵۰

"اَلْاَصْلُ فِی الْکَلَامِ الْحَقِیْقَۃُ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر کلام میں حقیقی معنی مراد لیا جاتا ہے)

یعنی اگر کلام میں ایسا لفظ موجود ہو جس سے حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد ہو سکتے ہوں تو اولاً" اس سے حقیقی معنی مراد لیا جائے گا اور اگر حقیقی معنی متعذر ہو تو پھر اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

امثلہ نمبر۱: اگر کسی نے کہا "وَقَفْتُ ھٰذَا الْمَکَانَ لِوَلَدِ فُلَانٍ" (میں نے یہ مکان فلاں

کے بچے کے لئے وقف کیا) تو اس کا اطلاق فلاں کے حقیقی بچے پر ہو گا اس کا پوتا اس میں داخل نہیں ہو گا ہاں اگر اس کا حقیقی بیٹا موجود نہ ہو تو پھر اس وقف کا اطلاق مجازی طور پر اس کے پوتے پر ہو گا کیونکہ لفظ ولد کا حقیقی اطلاق صرف سگے بچے پر ہوتا ہے۔

نمبر۲: اگر کسی نے یہ قسم اٹھائی "وَاللّٰہِ لَا یَشْتَرِیْ وَلَا یَبِیْعُ شَیْئًا" (قسم بخدا وہ نہ کوئی چیز خریدے گا اور نہ فروخت کرے گا) تو اس قسم کا اطلاق صرف اس کی اپنی ذات پر ہو گا لہٰذا اگر اس کے بعد اس نے بلا واسطہ خرید و فروخت کی تو وہ حانث ہو گا اور اس پر کفارہ قسم بھی لازم ہو گا۔ اور اگر بواسطہ وکیل خرید و فروخت کی تو وہ حانث نہیں ہو گا کیونکہ اس کی قسم کا اطلاق اس کی اپنی ذات پر حقیقت ہے اور وکیل پر مجاز ہے۔

نمبر۳: کسی نے کہا "ھٰذِہِ الدَّارُ لِزَیْدٍ" (یہ گھر زید کی ملکیت ہے) اس قول کے ساتھ قائل نے یہ اقرار کیا ہے کہ گھر زید کی ملکیت ہے اگر بعد میں اس نے یہ دعویٰ بھی کیا "اِنَّھَا مَسْکَنُہٗ" (کہ یہ اس کی رہائش گاہ ہے) تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں ہو گا کیونکہ مذکورہ قول کا پہلا معنیٰ حقیقت ہے اور دوسرا مجاز ہے۔

نمبر۴: اگر کسی نے یہ قسم کھائی "وَاللّٰہِ لَا یَأْکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الشَّاۃِ" (قسم بخدا وہ یہ بکری نہیں کھائے گا) تو اس کا اطلاق اس بکری کے گوشت پر ہو گا اگر اس نے وہ کھایا تو حانث ہو جائے گا اور اس کے ذمہ کفارہ کی ادائیگی لازم ہو گی اور اگر اس نے بکری کا صرف دودھ استعمال کیا تو وہ حانث نہیں ہو گا۔

اور اگر یہ قسم کھائی "وَاللّٰہِ لَا یَأْکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الْحِنْطَۃِ" (قسم بخدا وہ اس گندم سے نہیں کھائے گا) تو اس کا اطلاق گندم کے دانوں پر ہو گا اور ان کے کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا اور اگر گندم کی روٹی وغیرہ کھائی تو وہ حانث نہیں ہو گا۔

قاعدہ نمبر ۱۵

"اَلشَّکُّ فِی الشَّرْطِ یُوْجِبُ الشَّکَّ فِی الْمَشْرُوْطِ"

ترجمہ

(شرط میں شک کا واقع ہونا مشروط میں شک ہونے کو ثابت کرتا ہے)

امثلہ نمبر۱: ناپاک بدن اور نجس کپڑے کو پاک کرنے کے لئے پاک پانی سے دھونا شرط ہے اگر

دھونے کے بعد معلوم ہو کہ پانی کی طہارت مشکوک ہے تو اس سے بدن اور کپڑے کی طہارت بھی مشکوک ہو جائے گی لہٰذا فیصلہ ظن غالب کے مطابق ہو گا اگر غالب گمان پانی کے پلید ہونے کا ہو تو بدن اور کپڑے بھی پلید ہوں گے اور پھر طیب و طاہر پانی سے غسل اور دھونے کا اعادہ کرنا ضروری ہو گا اور اگر غالب گمان پانی کے پاک ہونے کا ہو تو پھر بدن اور کپڑے بھی پاک ہوں گے اور دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

نمبر۲: نماز کے صحیح ہونے کے لئے وضو شرط ہے۔ اگر نماز کے دوران یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد وضو کے بارے شک لاحق ہو جائے تو اس سے اس کی نماز کی صحت بھی مشکوک ہو جائے گی اور حکم غالب گمان کے مطابق ہو گا اگر ظن غالب وضو برقرار ہونے کا ہو تو نماز درست ہو گی اور اگر غالب گمان وضو نہ ہونے کا ہو تو نماز صحیح نہیں ہو گی اور نئے وضو کے ساتھ نماز کا اعادہ واجب ہو گا۔

نمبر۳: نماز کی حالت میں قبلہ کی سمت منہ ہونا شرط ہے۔ اگر دوران نماز قبلہ کی سمت مشکوک ہو جائے یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ کی سمت منہ نہ ہونے کا شک لاحق ہو جائے تو اس سے نماز کی صحت بھی مشکوک ہو جائے گی لہٰذا حکم ظن غالب کے مطابق ہی ہو گا اگر اپنی نماز کے دوران شک لاحق ہونے کے بعد اپنے غالب گمان کے مطابق قبلہ کی سمت رخ پھیر لیا تو اس کی نماز درست ہو گی اور اگر شک لاحق ہونے کے باوجود ظن غالب پر عمل نہ کیا اور نہ ہی سمت کے صحیح ہونے کا یقین حاصل ہوا تو اس صورت میں نماز درست نہیں ہو گی۔ لہٰذا قبلہ کی سمت کا یقین کرنے کے بعد نماز کا اعادہ کرنا واجب ہو گا اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد سمت صحیح نہ ہونے کا شک تو لاحق ہوا مگر وہاں کوئی محراب یا مخبر وغیرہ نہ ہو تو پھر بھی عمل ظن غالب کے مطابق ہو گا اگر غالب گمان سمت صحیح ہونے کا ہو تو نماز درست ہو گی اور اگر غالب گمان سمت صحیح نہ ہونے کا ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہو گا۔

قاعدہ نمبر ۵۲

"تَصَرُّفُ الْإِمَامِ فِيْ شُؤُنِ الرَّعِيَّةِ مَنُوْطٌ بِالْمَصْلِحَةِ"

ترجمہ

(رعایا کے معاملات میں امام کا تصرف مصلحت کے سبب ہوتا ہے۔)

رعیت سے مراد وہ عوام الناس ہیں جو کسی والی کی ولایت میں زندگی گزار رہے ہوں اور امام سے مراد وہ حاکم یا سلطان ہے جسے اپنی حدود سلطنت میں احکام نافذ کرنے کا اختیار اور قدرت حاصل ہوتی ہے۔ والی کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال اور رعایا کے امور اس طرح سرانجام دے کہ ان کے منافع اور مصالح موجود اور برقرار رہیں رعایا کے لئے ان کی بنیادی ضروریات مہیا کرنا ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا اور بنیادی انسانی اور اسلامی حقوق کی پاسداری کرنا امام وقت کا طرہ امتیاز ہونا چاہئے امام وقت کو اپنی رعایا کی خوشحالی اور فلاح و بہبود اور اپنے وطن کی روز افزوں ترقی کے لئے جن عوامل کی جانب خصوصی توجہ دینی چاہئے علامہ ماوردی اور ابو یعلی نے ان کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ حفاظت دین ' دفاع دین اور تعلیم دین ۲۔ شرعی قوانین کا نفاذ اور عدل و انصاف کا قیام ۳۔ مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت اور امن و امان کا قیام ۴۔ شرعی سزاؤں کا نفاذ اور مجرموں کی سرکوبی ۵۔ فوج اور اسلحہ کا انتظام کرنا اور دار الاسلام کا دفاع کرنا ۶۔ کفار محاربین کے خلاف قتل و جہاد کا انتظام کرنا ۷۔ سرکاری خزانے کی حفاظت اور اسلام کے مالی نظام کا قیام ۸۔ قومی خزانے پر امانت دار ماہرین کا تقرر کرنا ۹۔ تنخواہوں کا منصفانہ نظام قائم کرنا اور ان کی بروقت ادائیگی کرنا ۱۰۔ عوام کی حالت سے براہ راست باخبر رہنا۔

(اسلامی سیاست ص ۳۴۶ بحوالہ الاحکام للماوردی ص ۱۶۔۱۵ الاحکام لابی یعلیٰ ص ۲۸۔۲۷

علاوہ ازیں امام وقت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی احسن انداز میں ادا کرنے کے لئے کلیدی آسامیوں پر بالخصوص ایسے افراد کا تقرر کرے جو اپنے فرائض کی ادائیگی کی اہلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ حب الوطنی اور خدمت عوام کے جذبہ سے سرشار ہوں صرف ذاتی تعلقات اور پسند کی بنا پر ایسے افراد کا تقرر نہ کرے جو اپنا فریضہ نبھانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یا جذبہ حب الوطنی سے عاری ہوں۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَوَلّٰى رَجُلًا وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِيْنَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ" (جسے مسلمانوں کے امور کا والی بنایا گیا پھر اس نے ایسے آدمی کو والی مقرر کیا جس کی نسبت مسلمانوں کو زیادہ نفع دینے والا

وہ پاتا تھا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی)

امام وقت کے لئے ایسی چیزوں کو رواج دینا اور عام کرنا قطعاً" جائز نہیں جو شرعاً" ممنوع ہوں یا جو عوام الناس کے لئے نقصان دہ ہوں۔

امامت کی شرائط

علامہ ابن خلدون نے امامت کی چار شرائط بیان کی ہیں۔

(۱) علم

امام کے لئے بنیادی طور پر احکام شرعیہ اور ان علوم سے واقف ہونا ضروری ہے جن کی اسے امور سلطنت سرانجام دینے کے لئے ضرورت ہو۔ کیونکہ جب تک وہ خود عالم نہیں ہو گا احکام شرعیہ کا نفاذ نہیں کر سکے گا فقہا اس پر متفق ہیں کہ احکام کا بنیادی علم تو بہرحال ضروری ہے جبکہ تفصیلات کے لئے محققین علماء کی کونسل بنا کر اس کی جانب رجوع کر سکتا ہے۔

(۲) عدالت

حاکم وقت کا عادل ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ یہ ان تمام منصبوں کی نگرانی کرتا ہے جن میں عدالت شرط ہے۔ اس لئے منصب امامت میں عدالت کا ہونا بدرجہ اولی ضروری ہے فاسق و فاجر انسان کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں۔

(۳) کفایت

کفایت سے مراد یہ ہے کہ امام شرعی حدود قائم کرنے اور جنگ و جہاد میں شریک ہونے میں بے دھڑک اور جری ہو اور ان کے حالات سمجھنے میں تیز نظر ہو۔ رعایا کو پوری ذمہ داری سے حدود شرعیہ کی پابندی اور جہاد میں شریک ہونے پر آمادہ کر سکتا ہو۔ عصبیت سے خوب واقف ہو اور سیاست سے پوری طرح آشنا ہو تاکہ دین کی حفاظت' دشمنوں سے جہاد' احکام دینی کا اجراء اور ملکی مصالح کی جو ذمہ داریاں اسے سونپی گئی ہیں ان سے احسن انداز میں عمدہ براہو سکے۔

سلامتی حواس و اعضاء

اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان وقت کے تمام اعضائے جسمانی اور قوائے ذہنی مکمل طور پر صحیح و سلامت ہوں مثلاً" وہ مجنوں نہ ہو' اندھا' بہرہ اور گونگا نہ ہو علاوہ ازیں ہاتھ پاؤں بھی سلامت ہوں۔

مذکورہ شرائط کے علاوہ مسلمان ہونا' مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی امامت کی شرائط میں داخل ہیں۔

تنبیہ

اگر سلطان وقت اپنے فرائض منصبی پوری دیانتداری سے ادا کر رہا ہو اور ملکی وسائل مکمل غیر جانبداری سے عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کے لئے استعمال کر رہا ہو تو پھر رعایا پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کریں اور کاروبار سلطنت چلانے میں اس سے تعاون کریں تاکہ وہ تمام خطرات و خدشات سے بے نیاز ہو کر اپنی عوام اور ملک کو خوشحالی کی راہ پر گامزن کر سکے۔

مگر اس کے برعکس جس نے اپنے فرائض منصبی ادا نہ کئے اور عوام کے حقوق پامال کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور اپنے وطن کی ترقی کے لئے مخلصانہ جدوجہد نہ کی ایسے حاکم وقت کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مَنْ وَلِّيَ مِنْ أُمُورِ أُمَّتِيْ شَيْئًا ثُمَّ لَمْ يَجْتَهِدْ لَهُمْ وَلَمْ يَنْصَحْ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ" (جس کو میری امت کے معاملات میں سے کسی شئے کا والی بنایا گیا اور پھر اس نے محنت اور کوشش نہ کی اور اس کے لئے مخلص نہ ہوا تو اس پر جنت حرام ہے۔)

قاعدہ نمبر ۵۳

"اِشَارَةُ الْاَخْرَسِ الْمَعْهُوْدَةُ كَالْبَيَانِ بِاللِّسَانِ"

ترجمہ

(گونگے کا اشارہ معہودہ زبان کے بیان کی مثل ہے۔)

چونکہ گونگا گفتگو سے معذور ہوتا ہے اس لئے اس کے معاشرتی حقوق کی پاسداری اور نگہداشت کے لئے اس کے اشارہ معہودہ (وہ اشارہ جو اس نے کسی عمل یا بیان کے لئے مختص

کر رکھا ہو) کو وہی درجہ دیا گیا ہے جو زبان کے بیان کو حاصل ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ قاضی بذات خود اشارات سے واقف ہو بصورت دیگر قاضی کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے اشارات کی وضاحت اور ترجمانی کے لئے اس کے اہل خانہ 'دوست احباب یا پڑوسیوں میں سے ایسے شخص کو اپنے پاس بلائے جو گونگے کے اشارات سمجھنے کی مکمل طور پر صلاحیت رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عادل اور صادق القول بھی ہو۔ گونگا اگرچہ لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو مگر اس کے باوجود اس کا اشارہ معتبر ہوتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں (کتابت اور اشارہ) حجت ضروریہ ہیں (ردالمحتار)

نوٹ

وصیت 'اقرار' بیع و شرا اور طلاق وغیرہ تمام احکام میں گونگے کا اشارہ زبان کے قول کی طرح معتبر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ پیدائشی طور پر اخرس گونگا ہو یا بعد میں اسے عذر لاحق ہوا اور بالدوام باقی رہا جیسا کہ کنزالدقائق کے حاشیہ میں موجود ہے۔ "وَاَخْرَسُ بِاِشَارَتِهِ اَیْ یَقَعُ طَلَاقُهُ بِاِشَارَتِهِ وَكَذَا جَمِيْعُ تَصَرُّفَاتِهِ كَاِعْتَاقِهِ وَبَيْعِهِ وَشِرَائِهِ وَغَيْرِهَا وَهٰذَا اِذَا وُلِدَ اَخْرَسُ اَوْ طَرَءَ عَلَيْهِ وَدَامَ اِلَى الْمَوْتِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى" (کنزالدقائق ص ۱۱۵)

مگر اس کے برعکس اخرس کا اشارہ حدود اور شہادت میں معتبر نہیں ہوتا اس لئے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اشارہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا اور لفظ شہادت کہنے پر وہ قادر ہی نہیں ہوتا جبکہ شہادت کے وقت یہ قول لازم ہوتا ہے۔

اگر کسی کی زبان میں لکنت کا عارضہ لاحق ہو جائے جس کے سبب وہ الفاظ کی صحیح ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کا اشارہ معتبر نہیں ہو گا ہاں اگر اس کی لکنت اتنی بڑھ جائے کہ وہ کلام پر قادر ہی نہ رہے تو پھر اس کا اشارہ بھی معتبر سمجھا جائیگا۔ مگر اس کی مدت میں ائمہ کرام کے مابین اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی لکنت تادم واپسیں باقی رہے جبکہ اس کے برعکس تمرتاشی نے ایک سال کی مدت کا قول کیا ہے یعنی اگر ایک سال تک اس کی لکنت برقرار رہی تو اس کا اشارہ معتبر تسلیم کیا جائیگا یہی اصح قول ہے۔

(ردالمحتار' طحطاوی)

قاعدہ نمبر ۵۴

"يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقاً"

ترجمہ

(ترجمان کا قول مطلقاً" قبول کیا جائیگا)

ترجمان کی ضرورت ہمیشہ ایسے حالات میں پیش آتی ہے جب متکلم اور سامع ہم زبان نہ ہوں اور ہایک دوسرے کی گفتگو کو سمجھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں ایسے حالات میں ایسے مترجم کی ضرورت ہوتی ہے جو متکلم کی زبان سے صرف واقف ہی نہ ہو بلکہ اس کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ ہو اور سامعین تک متکلم کی گفتگو کا حقیقی مفہوم و مقصود پہنچانے کی صلاحیت تامہ رکھتا ہو اگر ترجمان میں ایسا ملکہ موجود ہو تو پھر اس کا قول بلاقید و شرط قبول ہو گا۔

مثلاً" اگر قاضی کی عدالت میں ایسا مقدمہ دائر ہو جائے جس کا مدعی قاضی کا ہم زبان نہ ہو یعنی نہ وہ اس کی زبان میں اپنا مقصود و مدعا اس کے گوش گزار کر سکتا ہو اور نہ قاضی اس کی زبان سے واقف ہو تو ایسی صورت میں قاضی کے ذمہ لازم ہے کہ شہادتیں لیتے وقت ایسے شخص کو مترجم مقرر کرے جو مدعی اور شاہدوں کی زبان سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اس کے اسرار و غوامض سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو۔ اور اس کی عدالت و صداقت بین اور واضح ہو جب مذکورہ اوصاف سے متصف ترجمان کے واسطہ سے قاضی شہادتیں قلمبند کرے گا تو اس صورت میں ترجمان کا قول تمام مقدمات یعنی حدود اور دیگر معاملات میں قابل تسلیم ہو گا اور اگر ترجمان کی عدالت اور تزکیہ مشکوک ہوا تو پھر اس کا قول معتبر نہیں سمجھا جائیگا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شہادت کی ترجمانی کے لئے صرف ایک آدمی کافی ہے یا شاہدین کی طرح ان کا بھی دو ہونا ضروری ہے تو اس مسئلہ میں آئمہ کے مابین اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف ایک ترجمان کافی ہے جب کہ اس کے برعکس حضرت امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یہ ہے کہ ایک ترجمان کافی نہیں بلکہ شاہدین کی مثل ان کا بھی دو ہونا ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر ۵۵

"اَلْاَصْلُ فِى الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ حَتّٰى يَدُلَّ الدَّلِيْلُ عَلٰى عَدَمِ

الْاِبَاحَۃِ"

ترجمہ

(اشیاء میں اصل اباحت ہے یہاں تک کہ عدم اباحت پر کوئی دلیل دلالت کرے) یعنی فی الحقیقت تمام اشیاء اور اعمال مباح ہیں مگر جب کسی عمل یا شی کے بارے میں حرمت، کراہت یا عدم اباحت کی دلیل قائم ہو جائے تو پھر ایسا عمل کرنا اور اس شی کا استعمال ممنوع ہوتا ہے اس اصول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدم اباحت اور ممنوعیت ثابت کرنے کے لئے تو دلیل کی ضرورت ہے مگر اباحت کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس قاعدہ کی اصل اور بنیاد یہ ارشاد خداوندی ہے "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (البقرہ پ۱:۲۹)

ترجمہ:

(وہی تو ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے) اس آیت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لئے زمین میں موجود جمیع اشیاء سے انتفاع کرنا مباح ہے مگر ان اشیاء سے مباح نہیں ہوگا جن کی کسی بھی اعتبار سے شریعت نے ممانعت فرمادی ہو۔ مذکورہ قاعدہ کی تائید مہلب کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ "اِنَّ الْاَشْیَاءَ مُبَاحَۃٌ حَتّٰی یَقُوْمَ الدَّلِیْلُ عَلَی الْحَظْرِ" (عمدۃ القاری: ج۱۱: ص۱۷۱)

ترجمہ:

(بے شک تمام اشیاء مباح ہیں یہاں تک کہ نفی پر دلیل قائم ہو جائے) اس کی مزید تائید اس اصول سے بھی ہوتی ہے۔ "اِنَّ الْاِثْبَاتَ اَوْلٰی مِنَ النَّفْیِ لِاَنَّ الْمُثْبِتَ اَوْلٰی وَاَقْدَمُ مِنَ النَّافِیْ قَالَ بَعْضُھُمْ وَھُوَ وِفَاقُ اَھْلِ الْعِلْمِ" (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج:۱۳ ص:۱۹۸)

ترجمہ:

(بیشک کسی شئے کو ثابت کرنا نفی کرنے کی نسبت اولی ہے کیونکہ ثابت کرنے والا نفی کرنے والے کی نسبت اولی اور مقدم ہے بعض محققین نے کہا کہ اس اصول پر اہل علم کا اتفاق ہے)

حضرت علامہ کرخیؒ فرماتے ہیں "اَلْمُثْبِتُ اَوْلٰی مِنَ النَّافِیْ لِاَنَّ الْمُثْبِتَ

مُعْتَمِدٌ عَلَى الْحَقِيقَةِ فِيْ خَبَرِهٖ فَيَكُوْنُ اَقْرَبَ اِلَى الصِّدْقِ مِنَ النَّافِيْ الَّذِيْ يَبْنِيْ الْاَمْرَ عَلَى الظَّاهِرِ" (عمدۃ القاری ج:۱۳:ص:۱۹۸)

ترجمہ:

(ثابت کرنے والا نفی کرنے والے سے اولی ہوتا ہے کیونکہ ثابت کرنے والا اپنی خبر میں حقیقت پر اعتماد رکھتا ہے۔ اور یہ صدق کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ایسے نافی کی نسبت جو امر کی بنیاد ظاہر پر رکھتا ہے)

تنبیہ:

بعض کتب میں یہ موجود ہے کہ زیر بحث قاعدہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو معتبر ہے۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی علیہ سے نزدیک اس کا اعتبار نہیں بلکہ اصل قاعدہ اس طرح ہے۔

"اِنَّ الْاَصْلَ التَّحْرِيْمُ حَتّٰى يَدُلَّ الدَّلِيْلُ"

ترجمہ: (بیشک اصل حکم حرمت کا ہے یہاں تک کہ اباحت پر دلیل قائم ہو جائے)

اور بعض کا قول یہ ہے "اِنَّ الْاَصْلَ فِي الْاَشْيَاءِ التَّوَقُّفُ"

ترجمہ:

(بیشک تمام اشیاء میں اصل حکم توقف کا ہے)

تو آیئے مذکورہ شبہ کے بارے میں غیر جانبدارانہ غور کریں اور دیکھیں کہ محققین کے نزدیک اس قاعدہ کی نسبت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرف کرنا درست ہے یا نہیں اور شبہ کہاں تک درست ہے۔ تو اس بارے میں علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں۔

"اِنَّ اَصْلَ الْاَفْعَالِ الْاِبَاحَةُ كَمَا هُوَ مُخْتَارُ اَكْثَرِ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ اَوِ الْحَظْرُ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ غَيْرُهُمْ" (مسلم الثبوت ص:۲۱)

ترجمہ:

(بیشک افعال میں اصل حکم اباحت ہے یہی اکثر احناف اور شوافع کا ممتاز قول ہے یا حرمت جیسا بعض دوسروں نے ایسا کہا ہے)

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں "اَلْمُخْتَارُ الْاِبَاحَۃُ عِنْدَ جُمْھُوْرِ الْحَنَفِیَّۃِ وَالشَّافِعِیَّۃِ" (رد المحتار)

ترجمہ:

(جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک مختار (پسندیدہ) قول اباحت ہے۔

علامہ بیضاوی "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ الآیۃ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "وَ فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْمَطَاعِمِ وَالْمَلَابِسِ وَ اَنْوَاعِ التَّجَمُّلَاتِ الْاِبَاحَۃُ"

ترجمہ:

(یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے 'پہننے اور زیب و زینت کی جمیع اقسام میں اصل اباحت ہے)

اور امام رازیؒ فرماتے ہیں "وَاعْلَمْ اَنَّ قَوْلَہٗ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مُطْلَقٌ یَتَنَاوَلُ الْاَوْقَاتَ وَ الْاَحْوَالَ وَ یَتَنَاوَلُ جَمِیْعَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ فَوَجَبَ اَنْ یَکُوْنَ الْاَصْلُ مِنْھَا ھُوَ الْحِلُّ فِیْ کُلِّ الْاَوْقَاتِ وَفِیْ کُلِّ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ اِلَّا مَا خَصَّہُ الدَّلِیْلُ الْمُنْفَصِلُ وَ الْعَقْلُ اَیْضًا مُؤَیِّدٌ لَہٗ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِی الْمَنَافِعِ الْحِلُّ وَالْاِبَاحَۃُ" (تفسیر کبیر ج ۴ ص: ۲۰۱)

ترجمہ:

(اور تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی (کلوا واشربوا) (کھاؤ اور پیو) مطلق ہے جو جمیع اوقات اور احوال کو شامل ہے اور کھانے پینے کی تمام چیزوں کو بھی شامل ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ بنیادی طور پر جمیع اوقات میں کھانے پینے کی تمام اشیاء کا استعمال جائز ہے سوائے ان چیزوں کے جنہیں کسی دلیل شرعی نے حرام قرار دیا ہو اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کیونکہ تمام منافع میں اصل اور بنیاد حلت اور اباحت ہے)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں "اِنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج: ۱ ص: ۲۴۳)

ترجمہ:

(بیشک اشیاء میں اصل اباحت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے زمین میں تمام اشیاء تمہارے منافع کے لئے پیدا فرمائیں)

حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں "کہ اصل در اشیاء اباحت است" (کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے)(اشعۃ اللمعات' ج:۳ص:۴۷۹

حضرت علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں "اِنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ وَالْحَظْرُ طَارٍ عَلَیْھَا" (عمدہ القاری شرح صحیح بخاری ج:۸ص:۱۱۸)

(تحقیق اشیاء میں اصل حکم اباحت ہے اور پھر نفی اس پر طاری ہوتی ہے) یعنی جمیع اشیاء بنیادی طور پر مباح ہیں مگر پھر کسی دلیل شرعی کے ساتھ حرام یا مکروہ ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ بنیادی قاعدہ کی نسبت احناف کی طرف کرنا محققین و محدثین کے نزدیک درست ہے اور اشیاء کی اباحت کے ثبوت کے لئے اس اصول کو بنیاد بنانا صحیح ہے۔

باقی رہے یہ دو اصول کہ تمام اشیاء میں اصل حکم حرمت کا ہے یا توقف کا ہے تو ان کے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں "قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَ بَعْضُ اَصْحَابِ الشَّافِعِیِّ وَمُعْتَزِلَۃُ بَغْدَادَ اِنَّھَا عَلَی الْحَظْرِ وَقَالَ الْاَشْعَرِیَّۃُ وَعَامَّۃُ اَھْلِ الْحَدِیْثِ اِنَّھَا عَلَی الْوَقْفِ" (رد المحتار)

ترجمہ:

(بعض حنفیہ' بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا مسلک یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حرمت ہے اور اشعریہ اور عام اہل حدیث کا قول ہے کہ اصل توقف ہے) علامہ شامیؒ کے قول سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کا قول بھی بعض احناف نے کیا ہے مگر بعض کا قول تمام کی طرف منسوب کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ عمل اکثر احناف کے قول کے مطابق ہوگا۔ اور اکثر کے نزدیک مذکورہ قاعدہ مسلم ہے۔

مسائل مستنبطہ: ۱۔ اگر کسی جگہ دس در دس ہاتھ سے کم پانی کھڑا ہو اور اس میں یا اس

کے قریب نجاست کا کوئی اثر موجود نہ ہو تو اسے اپنی اصلیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کی طہارت کا حکم دیا جائے گا اور اس سے کئے ہوئے وضو سے نماز کی ادائیگی درست ہو گی۔ اور اگر کسی نے اس کی طہارت کا انکار کیا تو اسے ایسی دلیل لانے کی ضرورت ہو گی جس سے پانی کا نجس ہونا ثابت ہو سکے ورنہ دعوی انکار باطل ہو گا۔

نمبر ۲۔ اذان کے بعد یا اذان سے قبل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے کیونکہ "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ" اگر کسی کا دعوی اس کے برعکس ہو تو اسے عدم اباحت کے ثبوت کے لئے دلیل لانے کی ضرورت ہو گی۔ ورنہ اس کا دعوی بے بنیاد اور ہٹ دھرمی پر محمول کیا جائے گا گو مذکورہ اصول کے بعد اباحت کے ثبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں مگر آیئے اس مسئلہ میں بنظر عمیق غور کریں اور دیکھیں کیا اس بارے میں مزید شواہد موجود ہیں یا نہیں؟ اگر حقیقتہ" دلائل ہیں تو پھر اس کی اباحت کا انکار کم از کم امت مصطفویہ میں شریک افراد کے لئے زیبا نہیں تو آیئے سب سے پہلے اپنے رحمتہ اللعالمین آقا کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

"عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ" (مسلم شریف ج ۱ ص: ۱۶۶ ترمذی ج: ۲ ص ۲۰۲ القول البدیع ص ۱۸۶)

ترجمہ:

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم موذن کی اذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہہ رہا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو پس جس نے ایک بار مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی التجا کرو بیشک وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک کو چاہتا ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی التجا کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو

گئی)

اس حدیث طیبہ کے بارے میں امام ترمذی" فرماتے ہیں "هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ" (یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور دار قطنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں۔ "هُوَ حَدِيْثٌ مُتَّصِلٌ" (یہ حدیث متصل ہے) امام نووی" شرح مسلم میں دار قطنی کے قول کے متعلق فرماتے ہیں "هُوَ الصَّوَابُ فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ" (دار قطنی کا قول صحیح ہے پس یہ حدیث صحیح ہے (شرح مسلم للنووی" ج۱ ص:۱۶۶) پس اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث محدثین کے نزدیک ہر قسم کے ضعف اور جرح سے پاک ہے۔

حدیث طیبہ میں صیغہ امر "صَلُّوْا عَلَيَّ" ہر اس غلام مصطفیٰ کے لئے ہے جس کے کانوں میں اذان کی آواز پڑ رہی ہو۔ اور یہ اس سے تقاضا کرتا ہے کہ جونہی اذان ختم ہو تو اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ درود پیش کرے اور اپنا دامن رحمت خداوندی کے پھولوں سے بھرے۔ "فَقَالَ الْحَلِيْمِيُّ الْمَقْصُوْدُ بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِامْتِثَالِ أَمْرِهٖ وَقَضَاءِ حَقِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (القول البدیع ص ۲۵)

(حلیمی نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود پاک پڑھنے کا مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی کے سبب قرب خداوندی حاصل کرنا ہے)

"وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فَائِدَةُ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ تَرْجِعُ إِلَى الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ لِدَلَالَةِ ذٰلِكَ عَلٰى نُصُوْحِ الْعَقِيْدَةِ وَخُلُوْصِ النِّيَّةِ وَإِظْهَارِ الْمَحَبَّةِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الطَّاعَةِ وَالْإِحْتِرَامِ لِلْوَاسِطَةِ" (ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس پر درود پاک پڑھنے کا فائدہ پڑھنے والے کی جانب ہی لوٹتا ہے کیونکہ وہ اس کے پختہ عقیدہ، خلوص نیت، اظہار محبت اور اطاعت واحترام پر مداومت اختیار کرنے کی دلیل ہے) (القول البدیع ص:۲۵)

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد درود وسلام کا ہدیہ بارگاہ مصطفوی میں پیش کرنا ارشاد مصطفیٰ کی تعمیل بھی ہے اور اظہار محبت بھی۔

مگر مذکورہ حدیث طیبہ میں صیغہ امر محققین کے نزدیک استحباب کے لئے ہے وجوب کے

لئے نہیں جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں "فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنْ مُتَابَعَةِ الْمُؤَذِّنِ" (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص: ۱۶۶)

(مذکورہ حدیث طیبہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موذن کی متابعت سے فارغ ہونے کے بعد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود پڑھنا مستحب ہے)

درود پاک جس طرح سامع کے لئے پڑھنا مستحب ہے اسی طرح موذن کے لئے پڑھنا بھی مستحب ہے اور دعائے وسیلہ درود پاک کے بعد پڑھنی چاہئے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَسَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ الْحَدِيْثُ اَخْرَجَهٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هٰكَذَا" (القول البدیع ص: ۱۸۹)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا جب تم مجھ پر درود پاک پڑھ چکو پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیئے وسیلہ کی دعا مانگو

اسی طرح بہار شریعت میں بحوالہ ردالمحتار موجود ہے "جب اذان ختم ہو جائے تو موذن اور سامعین درود پاک پڑھیں اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ" الخ (بہار شریعت ج: ۳ ص: ۳۱)

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اذان کے بعد درود پاک پڑھنا مستحب ہے اور سنت سے ثابت ہے لہٰذا اگر کسی کا دعویٰ اس استحباب کے خلاف ہو تو اسے اپنے موقف کے حق میں کم سے کم ایسی خبر واحد ضرور لانا ہوگی جس سے صراحۃً استحباب کی نفی ثابت ہو ورنہ دعویٰ بلا دلیل باطل ہوگا۔

اب رہا مسئلہ اذان سے قبل درود پاک پڑھنے کا تو اس ضمن میں گذارش یہ ہے کہ رب قدوس اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (الاحزاب پ ۲۲: ۵۶)

(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ملائکہ کی جانب سے اپنے

محبوب پر صلوٰۃ بھیجنے کی خبر دی ہے اور اہل ایمان کو ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ حکم نہ تو وقت کی قید سے مقید ہے اور نہ ہی اس میں مخصوص عدد کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آیت کریمہ میں صیغہ امر وجوب کے لئے ہے اس لئے جب بھی آیت طیبہ کی تلاوت کی جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو درود پاک پڑھنا واجب ہے جیسا کہ امام طحاوی فرماتے ہیں "یَجِبُ کُلَّمَا سَمِعَ ذِکْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِہٖ اَوْ ذَکَرَہٗ بِنَفْسِہٖ قَالَہُ الطَّحَاوِیْ وَجَمَاعَۃٌ مِنَ الْحَنَفِیَّۃِ وَالْحَلِیْمِیْ وَالشَّیْخُ اَبُوْ حَامِدِ الْاِسْفَرَائِیْنِیْ وَجَمَاعَۃٌ مِنَ الشَّافِعِیَّۃِ وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِیْ مِنَ الْمَالِکِیَّۃِ اِنَّہُ الْاَحْوَطُ" (القول البدیع ص ۱۰)

مگر جب مذکورہ صورت نہ ہو تو جمیع اوقات میں غیر معین تعداد کے ساتھ درود پاک کا نذرانہ پیش کرنا مستحب ہے چاہے صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات سفر ہو یا حضر، اذان سے پہلے ہو یا بعد۔ بشرطیکہ کوئی شرعی ممانعت یا خلاف ادب کیفیت نہ ہو جیسا کہ شہاب بن ابی حجلہ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

"صَلُّوْا عَلَیْہِ کَمَا صَلَّیْتُمْ — لِتَرَوْا بِہٖ یَوْمَ النَّجَاۃِ نَجَاحًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ کُلَّ لَیْلَۃِ جُمُعَۃٍ — صَلُّوْا عَلَیْہِ عَشِیَّۃً وَّصَبَاحًا"

ترجمہ:

آپ پر درود پڑھو جب بھی تم نماز پڑھو تاکہ اسکے وسیلہ سے یوم قیامت کو کامیاب ہو سکو۔
آپ پر جمعہ کی رات درود پڑھو آپ پر صبح و شام درود پڑھو۔

"صَلُّوْا عَلَیْہِ کُلَّمَا ذُکِرَ اسْمُہٗ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ غُدُوًّا وَّرَوَاحًا"

ترجمہ:

آپ پر درود بھیجو جب بھی آپ کا اسم گرامی لیا جائے۔ ہر وقت صبح و شام آتے جاتے۔

"فَعَلَی الصَّحِیْحِ صَلٰوتُکُمْ فَرْضٌ اِذَا ذُکِرَ اسْمُہٗ وَ سَمِعْتُمُوْہُ صَرَاحًا۔

ترجمہ:

پس صحیح روایت کے مطابق تم پر درود پڑھنا واجب ہے۔ جب آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور تم اسے صراحۃً سنو۔

اب اگر اذان سے قبل یا بعد درود پاک پڑھنا ممنوع قرار دیا جائے تو یہ مطلق عن الوقت حکم کو مقید بالوقت کرنے کے مترادف ہے۔ اور ایسا کرنا تب تک صحیح نہیں جب تک ایسی قرآنی آیت یا حدیث متواتر بیان نہ کی جائے جو مذکورہ مطلق آیت کی تقیید کا فائدہ دے اگر ایسا ہے تو سر تسلیم خم کرنے سے انکار نہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تو پھر محض خدشات و آراء کی بناپر قرآنی مطلق حکم کی تقیید ممکن نہیں۔ لہٰذا جب اذان سے قبل یا بعد درود پاک پڑھنا زیادہ سے زیادہ مستحب قرار دیا گیا ہے تو پھر کسی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اگر ان اوقات میں اسے درود پاک پڑھنا نصیب نہیں تو وہ دوسروں کو اس سعادت عظمیٰ سے محروم کرنے کی زحمت کرتا رہے رب قدوس اپنے محبوب اور امت کے غمخوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر بیش از بیش ہدیہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی سعادت ارزانی فرمائے امین بجاہ نبیہ الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(۳) دعا بعد از نماز جنازہ۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا مانگنا مستحب ہے۔ کیونکہ "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ اَلْاِبَاحَۃُ" اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں "وَاَمَّا سُوَالُ کُلِّ اَمْرٍ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ الْعَبْدُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَالْاِسْتِعَاذَۃُ مِنْ کُلِّ شَرٍّ فَمَامُوْرٌ بِہٖ مُسْتَحَبٌّ بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ" (تفسیر مظہری ج:۸ ص:۳۶۹) (ہر ایسی شئی کا سوال کرنا جس کا بندہ دنیا اور آخرت میں محتاج ہوتا ہے اور ہر شر سے پناہ طلب کرنا مستحب ہے اس حکم پر علماء کا اجماع ہے)

لہٰذا نماز جنازہ کے بعد میت کو قبر میں جو حالات پیش آنے والے ہیں ان سے سرخرو ہونے کے لئے اور قبر کے امتحان میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے اسے اپنے مومن بھائیوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ لیکن اب تعاون کی صورت صرف اور صرف یہ ہے کہ نماز جنازہ میں دعائے مغفرت پڑھنے کے باوجود اپنے رب کریم کی حضور انتہائی عاجزی وانکساری اور خشوع وخضوع کے ساتھ میت کی مغفرت اور اسکی قبر کے بقعہ نور بننے کی التجا ہاتھ اٹھا کر کی جائے تاکہ میت کی جانب سے اپنے مومن بھائیوں کے ذمہ جو الوداعی حقوق ادا کرنا لازم ہیں ان کی ادائیگی میں کسی بخل اور کنجوسی کا اظہار نہ ہو۔ جس بارگاہ اقدس میں دست سوال دراز کرنا ہے

اس نے تو قبولیت کی دروازے ہمہ وقت کھلے رکھنے کا اعلان کر رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے
"اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ:

میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ دعا مانگتا ہے) اور قبولیت کی نوید جانفزا رحمتہ للعالمین نبی نے سنا رکھی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے "عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا" رواہ ترمذی وابوداؤد (مظہری ج۱ ص:۲۰۳)

ترجمہ:

حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک تمہارا رب انتہائی حیا والا اور سخی ہے جب اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے تو اسے انہیں خالی واپس کرتے ہوئے اپنے بندے سے حیا آتی ہے۔)

مذکورہ ارشادات میں وقت کا تعین قطعاً نہیں کیا گیا اور نہ اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ ایک بار مانگنے کے بعد دوبارہ یا سہ بارہ مانگنے کی اجازت نہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر کیوں نہ بلا جھجک اپنا خالی دامن پھیلا کر، آنکھوں سے اشک بہا کر اور دل کو سراپا تسلیم و رضا بنا کر اپنے اور اپنے جدا ہونے والے ساتھی کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے پختہ عزم اور یقین کے ساتھ دعا کی جائے تاکہ "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (دعا عبادت کا مغز ہے) کے تحت میت پر ادا کی گئی نماز جنازہ کا حق ادا ہو جائے اور رب قدوس کے اس فرمان پر بھی عمل ہو جائے "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ" (الانشراح:۷-۸) اس آیت طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اَیْ اِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ فِی الدُّعَاءِ" (ضیاء القرآن ج:۵ ص:۶۰۱)

(یعنی امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں)

اور علامہ پانی پتی فرماتے ہیں "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَقَتَادَةُ وَالضَّحَّاكُ وَمُقَاتِلٌ وَالْكَلْبِيُّ اِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ اَوْ مُطْلَقِ الصَّلٰوةِ

فَانْصَبْ اِلٰى رَبِّكَ فِى الدُّعَاءِ وَارْغَبْ اِلَيْهِ" (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹۴)
(یعنی حضرات ابن عباس، قتادہ ضحاک، مقاتل اور کلبی فرماتے ہیں جب آپ فرض نماز یا مطلق نماز سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آپ رب کی بارگاہ میں دعا کیجئے اور اسی کی طرف رغبت رکھیئے)

مذکورہ تفسیر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نماز کے بعد چاہے وہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ، واجب ہو یا نفل دعا مانگنا بدعت یا خلاف شرع نہیں بلکہ امام المفسرین اور دیگر محققین کے نزدیک عین فرمان خداوندی کے مطابق ہے۔

اب آیئے زیر بحث مسئلہ میں اپنے اس محبوب آقا مدنی تاجدار، امت کے غم خوار نبی ﷺ کے ارشادات کی طرف جس کی اتباع و اطاعت بارگاہ ایزدی میں پذیرائی کے حصول کے لئے بنیادی شرط ہے "عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ نَعٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِىَّ صَاحِبَ الْحَبَشَةِ فِى الْيَوْمِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ" (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۹)
(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ جس دن شاہ حبشہ نجاشی (اصحمہ) نے وفات پائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس کی موت کی خبر دی اور فرمایا اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگو) یہ واقعہ ابن ہشام نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے "فَلَمَّا مَاتَ النَّجَاشِىُّ صَلّٰى عَلَيْهِ وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ" (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۴)
(جب نجاشی نے وفات پائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی) اس سے یہ معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد نجاشی کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دعائے مغفرت فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی دعائے مغفرت کا حکم ارشاد فرمایا۔

اسی طرح حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی ہے "عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَا لَمَّا الْتَقَى النَّاسُ بِمُؤْتَةَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَكُشِفَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الشَّامِ فَهُوَ يَنْظُرُ اِلٰى مَعْرَكَتِهِمْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَمَضٰى حَتّٰى اسْتُشْهِدَ وَصَلّٰى عَلَيْهِ وَ

دَعَالَهُ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لَهُ وَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ يَسْعٰى ثُمَّ اَخَذَ الرَّايَةَ جَعْفَرُ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَمَضٰى حَتّٰى اُسْتُشْهِدَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَدَعَالَهُ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لَهُ وَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَهُوَ يَطِيْرُ فِيْهَا بِجَنَاحَيْهِ حَيْثُ شَاءَ "هٰذَا حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ مِنَ الطَّرِيْقَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ اَخْرَجَهُ الْوَاقِدِيْ فِيْ كِتَابِ الْمَغَازِيْ" (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج:۸ ص:۲۳)

ترجمہ:

حضرت عاصم بن عمر اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر دونوں نے کہا ہے۔ کہ اسلامی لشکر موتہ کے میدان میں برسرپیکار تھا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منبر پر تشریف لائے تو ملک شام تک سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے۔ اور آپ میدان جنگ کا مشاہدہ فرمانے لگے۔ اسی اثنا میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر کا علم حضرت زید بن حارثہ نے پکڑ رکھا ہے اور لڑ رہے ہیں حتی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے پس آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا کی اور صحابہ کرام کو فرمایا تم بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور گھوم پھر رہے ہیں۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب نے علم پکڑا ہے وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا کی اور فرمایا ان کے لئے دعا مغفرت کرو تحقیق وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور اپنے دو پروں کے ساتھ جہاں چاہیں اڑ سکتے ہیں یہ روایت مذکورہ دونوں سندوں کے اعتبار سے مرسل ہے اور اسے علامہ واقدی نے کتاب المغازی میں بیان کیا ہے) حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی روایت الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ طبقات ابن سعد ج:۴ ص: ۳۸٬۳۷ میں بھی موجود ہے زیر بحث مسئلہ کا ثبوت اس روایت میں صراحۃً موجود ہے۔ مگر اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ کہنا بے جا ہے۔ کیونکہ علامہ نووی فرماتے ہیں "اَلْمُرْسَلُ مَذْهَبُ مَالِكٍ وَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَحْمَدَ وَاَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهُ يُحْتَجُّ بِهِ وَمَذْهَبُ الشَّافِعِيْ اَنَّهُ اِذَا انْضَمَّ اِلَى الْمُرْسَلِ مَا يَعْضُدُهُ اُحْتُجَّ بِهِ" (مقدمہ شرح مسلم ج:۱ ص:۱۷)

(حدیث مرسل کے بارے میں حضرت امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ اسے بطور حجت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ

کوئی مقوی قرینہ مل جائے تو وہ حجت بن سکتی ہے ورنہ نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ اور یہاں تو اس لئے بھی اس کے حجت ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے صرف ایک مستحب امر کا ثبوت مقصود ہے جس کیلئے کسی مرفوع متصل متواتر یا مشہور روایت کا ہونا ضروری نہیں۔

علاوہ ازیں زیر بحث مسئلہ کی نسبت سے یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں روایتوں میں دعا کے وقت میت کا سامنے موجود ہونا ثابت نہیں اس لئے اس مسئلہ میں یہ حجت نہیں بن سکتیں تو آیئے اس بارے میں احناف کا نقطہ نظر معلوم کریں۔ احناف کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نمازیں ایسی میتوں پر نہیں پڑھیں جو غائب تھیں بلکہ میتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا تھا اور حاضر میتوں پر ہی نمازیں ادا کی گئیں جیسا کہ نجاشی کے متعلق علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں "اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُفِعَ لَہٗ سَرِیْرُہٗ فَرَاٰہُ فَتَکُوْنُ الصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ کَمَیِّتٍ رَاٰہُ الْاِمَامُ وَلَا یَرَاہُ الْمَامُوْمُ" (عمدۃ القاری ج۸ ص۱۱۹)

(بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کی چارپائی اٹھا کر لائی گئی آپ نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی ایسی میت کی مثل جسے امام دیکھ رہا ہوتا ہے مگر مقتدی نہیں دیکھ سکتا)

حضرت ابن حبان اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے نقل کرتے ہیں۔ "اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخَاکُمُ النَّجَاشِیَّ تُوُفِّیَ فَقُوْمُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَفُّوْا خَلْفَہٗ فَکَبَّرَ اَرْبَعًا وَّھُمْ لَا یَظُنُّوْنَ اِلَّا اَنَّ جَنَازَتَہٗ بَیْنَ یَدَیْہِ"

(بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو چکا ہے اٹھو اور اس پر نماز پڑھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اس حال میں کہ ان کا گمان تھا کہ میت آپ کے سامنے ہے)

"ذَکَرَ الْوَاحِدِیُّ فِیْ اَسْبَابِہٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُشِفَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سَرِیْرِ النَّجَاشِیِّ حَتّٰی رَاٰہُ وَصَلّٰی عَلَیْہِ" (عمدۃ القاری ج۸ ص۱۱۹)

(اس کے اسباب میں سے واحدی حضرت ابن عباسؓ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نجاشی کی چارپائی سے حجابات اٹھا دیئے گئے تھے یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی)

"عَنْ یَحْیٰی فَصَلَّیْنَا خَلْفَہٗ وَنَحْنُ لَا نَرٰی اِلَّا اَنَّ الْجِنَازَۃَ قُدَّامَنَا" (عمدۃ القاری ج:۸ ص:۱۱۹)

(حضرت یحییٰ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی اور ہم دیکھ رہے تھے کہ میت ہمارے سامنے ہے)

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ احناف کے نزدیک مذکورہ روایات کی روشنی میں نماز جنازہ کے بعد جس دعا کا ذکر ہے وہ میت سامنے رکھ کر ہی کی گئی ہے لہٰذا کسی حنفی مسلک کے پیروکار کے لئے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ لیکن مزید اطمینان قلب کے لئے ایسی روایات بھی درج کی جاتی ہیں جن میں ایسی میتوں پر دعا کا ثبوت موجود ہے جو سامنے ہیں اور امام ومقتدی ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ علاؤالدین کاشانی اپنی مستند کتاب "بدائع الصنائع" میں روایت ذکر کرتے ہیں "وَلَنَا مَا رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فَلَمَّا فَرَغَ جَاءَ عُمَرُ وَمَعَہٗ قَوْمٌ فَاَرَادَ اَنْ یُصَلِّیَ ثَانِیًا فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ لَا تُعَادُ وَلٰکِنْ اُدْعُ لِلْمَیِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَہٗ" (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۱)

(ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو اس طرح مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھائی پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ایک جماعت آ پہنچی حضرت عمرؓ نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جا سکتی لیکن تم میت کے لئے دعا مانگو اور اس کے لئے مغفرت طلب کرو)

"رُوِیَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ عُمَرَ فَاتَتْہُمَا صَلٰوۃٌ عَلٰی جَنَازَۃٍ فَلَمَّا حَضَرَا مَا زَادَ عَلَی الْاِسْتِغْفَارِ لَہٗ" (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۱ المبسوط ج:۲ ص:۶۷)

(روایت ہے کہ حضرات ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے ایک شخص کی نماز جنازہ فوت ہوگئی جب وہ

وہاں پہنچے تو اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی)

"رُوِیَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ اَنَّہٗ فَاتَتْہُ الصَّلٰوۃُ عَلٰی جَنَازَۃِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ" (بدائع الصنائع ج:۱ص:۳۱۱" المبسوط ج:۲ص:۶۷)

(حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ فوت ہو گئی۔ جب آپ پہنچے تو حاضرین کو کہا کہ اگر تم ان کی نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو تو ان کے لئے دعا مانگنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ)

مذکورہ تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا مانگنا بدعت اور خلاف شرع عمل نہیں بلکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کے عین مطابق ہے ہمارا موقف تو بنیادی اصول سے ہی ثابت ہے مزید دلیل کی ضرورت نہیں مگر قلبی سکون کے لئے مندرجہ بالا روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن کے بعد ایک مستحب عمل کے ثبوت کے لئے مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔ اب اگر کسی کا دعوی اس کے برعکس ہو تو بنیادی اصول کے مطابق عدم اباحت کے ثبوت کے لئے کم سے کم ایسی خبر واحد کی ضرورت ہے جو صحیح بھی ہو اور اس میں بعد نماز جنازہ دعا مانگنے کی نفی صراحۃ موجود ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے مطلق عن الوقت حکم کی تقیید کے لئے کسی قرآنی آیت یا حدیث متواتر کی بھی ضرورت ہے اگر کوئی ایسی دلیل ہے تو پھر مجال انکار نہیں مگر ایسا ہرگز نہیں اور یقیناً" نہیں تو پھر آیئے پروردگار عالم کا یہ ارشاد گرامی غور سے پڑھیے اس میں تدبر و تفکر کیجیے اور اپنے دعوی پر اس کی روشنی میں گہری نگاہ ڈالیئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے "وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ" (المومن پ:۲۴:۶۰)

ترجمہ:

(اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہونگے)

آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں جمیع اوقات میں دعا مانگنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ دوسرے حصہ میں دعا کو عبادت قرار دیکر اس کے منکرین کو جہنم کے عذاب شدید کی وعید سنائی

گئی ہے لہٰذا اگر نماز جنازہ کے بعد دعا ممنوع قرار دی جائے تو جزوی طور پر دعا کا انکار لازم آتا ہے۔ جس کے معتقد کا شمار منکرین دعا میں ہو جاتا ہے۔ معمولی عدم توجہی کے سبب عذاب شدید میں گرفتار ہونے سے بچانے کے لئے ہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَعْجَزُوْا عَنِ الدُّعَاءِ فَاِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ عَلَیَّ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" (تفسیر مظہری ج۱۰ص:۲۰۰)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا سے عجز کا اظہار نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ الآیۃ" گویا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دعا میں کسی نوعیت کی سستی یا غفلت برتنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تنبیہ فرمائی کہ ایسا کوئی وقت نہیں جس میں بارگاہ الٰہی میں اپنی التجا پیش نہ کی جا سکتی ہو۔

اختتام سے قبل قرآن کریم کے اس ارشاد میں بھی غور کرتے چلیے "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ" (الفاطر پ۲۲:۱۵) (اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو) اس آیت طیبہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمیع انسان اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ تمام کا محتاج الیہ ہے۔ جمیع افراد حاجت مند ہیں اور وہ تمام کا حاجت روا ہے انسان کے محتاج اور حاجت مند ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہمہ وقت اپنے کریم اور سخی رب کے حضور دست سوال دراز کرتا رہے اور اپنی حاجت روائی کی التجا کرتا رہے اور اگر بعض اوقات میں رب کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرنے سے روکا جائے تو پھر اس کا مفہوم یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ روکنے والا اپنے آپ کو من کل الوجوہ محتاج بارگاہ الٰہی تصور نہیں کرتا یا پھر نعوذ باللہ اس کے پس پردہ یہ نظریہ پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخصوص اوقات میں التجا سننے پر قادر نہیں یا پھر کچھ عطا کرنے سے قاصر ہے۔ مگر یہ نظریہ بندہ مومن کا قطعاً" نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو یہود کا نظریہ ہے جسے قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ" (المائدہ پ۶:۶۴)

ترجمہ:

یہود نے کہا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ ان کے ہاتھ

باندھ دیئے گئے ہیں اور جو کچھ انھوں نے کہا اس کے عوض ان پر لعنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے)

المختصر نماز جنازہ کے بعد دعا کے منکرین کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ مذکورہ آیات بینات میں غور و فکر کریں اور پوری جرأت ایمانی کے ساتھ اپنے معمولات کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کی کامیاب کوشش کریں رب قدوس اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائے امین بجاہ نبیک الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

مذکورہ قاعدہ کی بے شمار امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ کھانے پینے کی جمیع اشیاء ہر قسم کا لباس بیع کے تمام طریقے اور دیگر مروجہ معمولات مثلاً" ایصال ثواب گیارہویں شریف اور میلاد پاک کا جلوس وغیرہ تمام اس قاعدہ کے تحت مباح ہیں بشرطیکہ کسی عمل یا شی کی حرمت یا کراہت پر کوئی اور دلیل موجود نہ ہو۔واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر۵۶:"لَا عِبْرَةَ لِلدَّلَالَةِ فِیْ مُقَابَلَةِ التَّصْرِیْحِ"

ترجمہ:

تصریح کے مقابلہ میں دلالت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یعنی جب حکم صریح اور حکم دلالت باہم متعارض آجائیں تو عمل صریح حکم کے مطابق ہوگا اور حکم دلالت چھوڑ دیا جائے گا۔

امثلہ نمبر ۱:

اگر کسی نے کوئی شئے کسی کو ہبہ کی اور موہوب لہ نے مجلس ہبہ میں ہی موہوبہ شئے پر قبضہ کرلیا تو یہ قبضہ صحیح ہوگا اگرچہ واہب نے صراحۃ قبضہ کی اجازت نہ بھی دی ہو کیونکہ واہب کا ایجاب ہبہ ہی قبضے کی اجازت پر دلالت کرتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر واہب نے صراحۃ" موہوب لہ کو قبضہ کرنے سے روک دیا تو پھر اس کا قبضہ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ صریح کے مقابلہ میں دلالت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

نمبر ۲:

اگر دو آدمیوں نے ایک معین شئے خریدنے کا دعوی کیا مگر خریدنے کی تاریخ بیان نہ کی یا دونوں نے ایک ہی تاریخ بیان کی تو اس میں صاحب قبضہ کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس کا قبضہ ہی اس کے خریدنے کی دلیل ہے۔ مگر اس کے برعکس جب دوسرے نے اس کی نسبت پرانی تاریخ بیان کی تو پھر اسے ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کی تاریخ کا قدیم ہونا اس کی ملکیت کو صراحتہً ثابت کرتا ہے۔ اس لئے صریح کو دلالت پر ترجیح دی جائے گی۔

نوٹ:

دلالت پر عمل کر لینے کے بعد صریح کا اعتبار نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر فضولی نے کسی کا سامان فروخت کیا اور اس نے فضولی سے سامان کے ثمن کا مطالبہ کیا تو یہ اس کی جانب سے بیع کو جائز قرار دینے کی دلالت ہوگی۔ جیسا کہ کنزالدقائق کے حاشیہ میں موجود ہے۔ "يُجِيْزُهُ دَلَالَةً بِاَنْ قَبَضَ الثَّمَنَ مِنْ مُشْتَرِيْهِ اَوْ طَلَبَهُ اَوْ وَهَبَهُ مِنَ الْمُشْتَرِيْ اَوْ تَصَدَّقَ بِهٖ عَلَيْهِ" (کنزالدقائق ص:۲۵۲)

(مالک فضولی کی بیع کو دلالتہً جائز قرار دے سکتا ہے اس طرح کہ مشتری سے ثمن پر خود قبضہ کرے یا اس سے ثمن کا مطالبہ کرے یا مشتری کو ثمن ہبہ کر دے یا اسے بطور صدقہ دے دے) اگر اس کے بعد مالک نے صراحتہً بھی بیع کو رد کر دیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ دلالت پر عمل ہو جانے کے بعد صریح کا اعتبار نہیں ہوتا (ھکذا فی درمختار)

قاعدہ نمبر ۵۷:

"اِذَا زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الْمَمْنُوْعُ"

ترجمہ

(جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع واپس لوٹ آتا ہے) یعنی جب کسی مانع کے سبب کوئی حکم ممنوع ہو جائے تو مانع ختم ہونے کے ساتھ ہی ممنوع حکم پہلی حالت پر واپس آ جاتا ہے۔

امثلہ نمبر ۱

واہب (ہبہ کرنے والا) اگر اپنے ہبہ سے رجوع کرنا چاہے تو اسے اختیار ہوتا ہے مگر جب

موہوب لہ، موہوبہ شئے میں اپنی جانب سے کسی شئے کا اضافہ کردے تو واہب کے لئے رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ گویا موہوب لہ کی طرف سے ہونے والا اضافہ واہب کے حق رجوع کے لئے مانع ہے۔ مگر جب یہ مانع زائل ہو جائے گا تو واہب کا حق رجوع بھی لوٹ آئے گا۔ کیونکہ مانع زائل ہونے سے ممنوع کا سابقہ حکم واپس لوٹ آتا ہے۔

نمبر۲:

ایسا عیب جو بائع کے پاس مبیع میں موجود ہو مگر عقد بیع کے وقت وہ اس کا ذکر نہ کرے تو اس پر مطلع ہونے کے بعد مشتری کو مبیع واپس لوٹانے کا اختیار ہے۔ مگر جب مشتری کے پاس پہنچنے کے بعد اس میں ایک نیا عیب پیدا ہو جائے تو پھر مشتری کا خیار عیب ساقط ہو جاتا ہے۔ اور نئے عیب کے ہوتے ہوئے وہ مبیع واپس نہیں کر سکتا۔ مگر جب نیا عیب زائل ہو جائے گا تو پھر خیار عیب کے سبب مبیع لوٹانے کا حق بھی دوبارہ ثابت ہو جائے گا۔

نمبر۳:

اگر کسی نے بیع فاسد کے ساتھ کوئی شئے خریدی تو اسے بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر جب مشتری نے مبیع بطور رہن مرتہن کے حوالے کردی تو اس سے بیع فسخ کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر جونہی مشتری (راہن) نے مرتہن سے وہ واپس لے لی تو اسے بیع فسخ کرنے کا اختیار بھی دوبارہ حاصل ہو جائے گا۔ (مجمع الانہر)

نمبر۴:

اگر بچے کی شہادت صغر سنی کے سبب اور نابینے کی شہادت بصارت نہ ہونے کے سبب رد کردی گئی تو بچے کے بالغ ہونے اور اندھے کی بصارت واپس آنے کے بعد اسی واقعہ میں ان کی شہادت قابل تسلیم ہوگی کیونکہ مانع زائل ہونے کے سبب ممنوع واپس آجاتا ہے۔ (الاشباہ والنظائر)

نوٹ:

اندھے کے بینا ہونے اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس واقعہ میں ان کی شہادت تب

قابل تسلیم ہوگی جب اندھا واقعہ پیش آنے کے وقت بینا ہو اور بعد میں بصارت سے محروم ہو جائے اور بچے کی شہادت سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد تب قبول ہوگی جب واقعہ پیش آنے کے وقت وہ تمیز کی صلاحیت رکھتا ہو بصورت دیگر ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی۔

قاعدہ نمبر ۵۸:

"اَلسَّاقِطُ لَا یَعُوْدُ کَمَا اَنَّ الْمَعْدُوْمَ لَا یَعُوْدُ"

ترجمہ

(ساقط ہونے والا حکم واپس نہیں آتا جس طرح معدوم نہیں لوٹتا)

یعنی ایسا حکم یا حق جو ایک بار ساقط (ختم) ہو جائے وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا جس طرح معدوم (جو ابتداً ہی نہ ہو) واپس نہیں آتا۔

امثلہ نمبر ۱:

کسی شخص کو دوسرے کی مملوکہ زمین سے گزرنے کا حق حاصل تھا پھر مالک زمین نے اسے ساقط کر دیا یعنی اس کے گزرنے پر پابندی لگا دی یا اس گزرگاہ پر اس نے دیوار یا مکان وغیرہ تعمیر کر دیا تو اس سبب سے اس کے گزرنے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کے خلاف اس کا دعوی قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مالک زمین کو اس کا حق واپس لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔

نمبر ۲:

اگر دائن (قرضخواہ) نے مدیون (مقروض) کو دین (قرض) سے بری کر دیا تو مدیون کے ذمہ سے اس کا قرض ساقط ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے بعد دائن کی جانب سے طلب قرض کا کوئی دعوی قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اگرچہ مدیون نے برأۃ کے بعد بھی قرض کا اقرار کیا ہو۔ کیونکہ دین ایک وصف ہے جو ساقط ہو جانے کے بعد اقرار کے ساتھ بھی واپس نہیں آتا۔ ہاں اگر اس کا اقرار کسی خاص اور متعین شئے کے بارے میں ہو تو وہ قابل تسلیم ہوگا۔ اور وہ شئے مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کو لوٹانا ضروری ہوگا کیونکہ اس میں تجدید ملکیت کا امکان ہے۔

نمبر ۳:

اگر کسی واقعہ میں خاص علت کی بنا پر کسی کی شہادت رد کر دی گئی تو وہ علت زائل ہونے کے بعد دوبارہ اسی واقعہ میں اس کی شہادت کا اعتبار نہیں ہو گا۔ مثلاً" فسق و فجور کے سبب کسی کی شہادت رد کر دی گئی تو بعد ازاں توبہ کرنے کے باوجود اس معاملہ میں دوبارہ شہادت قبول نہیں ہو گی۔ مگر بچے اور اعمی کی شہادت بعض شرائط کے ساتھ دوبارہ قابل تسلیم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قاعدہ ستاون میں بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵۹:

"اَلْمُمْتَنِعُ عَادَةً كَالْمُمْتَنِعِ حَقِيقَةً"

ترجمہ:

(ممتنع عادی ممتنع حقیقی کی مثل ہوتا ہے) یعنی ایسا امر جو عادۃً ممتنع ہو وہ اس امر کی مثل ہوتا ہے جو حقیقتہً" ممتنع ہوتا ہے۔

مذکورہ قاعدہ کے مطابق امتناع کی دو قسمیں ہیں نمبر ۱: امتناع حقیقی نمبر ۲: امتناع عادی

۱۔ امتناع حقیقی کی تعریف:

"اِمْتِنَاعُ الشَّيْئِ ضَرُوْرَةً لِمُخَالِفَتِهٖ لِلْعَقْلِ"

(کسی شئے کا خلاف عقل ہونے کے سبب بالضرورۃ ممتنع ہونا امتناع حقیقی کہلاتا ہے)

مثلاً کسی شخص نے ایسے آدمی کے متعلق اپنا بیٹا ہونے کا اقرار کیا جو عمر میں اس سے بڑا ہو تو اس کا یہ اقرار خلاف عقل ہونے کے سبب حقیقتہً" باطل ہو گا۔

۲۔ امتناع عادی کی تعریف:

"اِمْتِنَاعُ الشَّيْئِ بِحُكْمِ الْعَادَةِ فَقَطْ"

(کسی شئے کا صرف حکم عادت کے ساتھ ممتنع ہونا امتناع عادی کہلاتا ہے)

امتناع کی مذکورہ دونوں قسمیں حکم کے اعتبار سے مساوی ہیں کیونکہ امتناع عادی امتناع حقیقی کی مثل ہوتا ہے۔

امثلہ

نمبر۱:

ایسا شخص جس کی غربت و افلاس کا شہرہ عام ہو ہر خاص و عام اس کی مالی حیثیت سے واقف ہو اگر اس نے کسی دوسرے کے خلاف یہ دعوی کر دیا کہ اس نے فلاں کو اتنے ہزار روپے یکمشت قرض دیا ہے۔ تو اس کا یہ دعوی عادۃً ممتنع ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے افلاس اور فقر کے سبب اتنی رقم قرض دینے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اس لئے اس کا یہ دعوی قابل سماع نہیں ہو گا جیسا کہ حقیقتہً" ممتنع دعوی قابل سماعت نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ اس دوران اسے نہ تو کسی کی میراث سے مال ملا ہو اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اس کے پاس مال پہنچا ہو۔ اگر اسے مال موصول ہونے کا کوئی ذریعہ بھی معلوم ہو جائے تو پھر اس کا دعوی سنا جائے گا۔ (در مختار)

نمبر۲:

ایسا دعوی جس کے حق میں ایک جم غفیر شہادت دے رہا ہو تو اسے رد کرنا عادۃً ممتنع ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی متواتر شہادت کے خلاف کوئی شہادت قابل تسلیم نہیں ہو گی۔

نمبر۳:

شادی کے وقت بچیوں کو دیا جانے والا جہیز واپس لوٹانا عادۃً ممتنع ہے۔ لہٰذا اسکے بارے میں کسی کا دعوی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر۶۰:

"اَلْقَدِیْمُ یُتْرَکُ عَلٰی قِدَمِہٖ"

ترجمہ:

(قدیم (پرانی چیز) کو اپنے قدم پر ہی چھوڑا جائے گا۔)

قدیم کی تعریف:

"اَلْقَدِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَعْرِفُ اَوَّلَہٗ"

(قدیم وہ ہوتا ہے جس کی ابتداء کو پہچاننے والا نہ پایا جاتا ہو۔)

امثلہ نمبر ۱:

اگر ایک گھر کا بارش کا پانی ساتھ والے گھر سے بہہ کر باہر جاتا ہو اور پانی کی یہ گذر گاہ اتنی قدیم ہو کہ وہاں رہنے والے بھی آگاہ نہ ہوں کہ کب سے یہ پانی اس جگہ سے گذر کر جاتا ہے۔ تو پھر پڑوسی کے لئے اسے روکنے کا اختیار نہیں بلکہ اسے اپنی سابقہ حالت پر ہی برقرار رکھا جائے گا۔ کیونکہ "یَجِبُ تَرْکُ الْقَدِیْمِ عَلٰی قِدَمِہٖ" (قدیم کو اپنے قدم پر برقرار رکھنا واجب ہوتا ہے۔)

نمبر ۲:

اگر کسی مکان کا میزاب (پرنالہ) کسی خاص راستے میں نصب ہو اگر وہ قدیمی ہے تو اسے رہنے دیا جائے گا اور اگر نیا لگایا گیا ہو تو اسے اکھیڑنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی حالت مجہول ہو یعنی اس کے قدیمی یا نیا ہونے کا علم نہ ہو تو پھر اگر وہ شارع عام میں نصب ہے تو امام وقت اسے اکھیڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور اگر شارع عام میں نہیں تو اسے اکھیڑنے کی کسی کے لئے اجازت نہیں (ردالمحتار)

نمبر ۳:

اگر کسی آدمی کے دو مکان ہوں ایک کا پانی دوسرے کی حدود سے گذر کر جاتا ہو۔ پھر اس نے وہ دوسرا مکان فروخت کر دیا اور بعد میں مشتری نے بائع کو پانی کی سمت بدلنے کو کہا تو اس میں فقیہ ابو اللیث کا قول یہ ہے کہ اگر پانی کی وہ گزر گاہ قدیمی ہو تو اسے اپنی حالت پر باقی رکھا جائے گا بشرطیکہ مشتری نے بیع کے وقت اسے بدلنے کی شرط نہ لگائی ہو بصورت دیگر اسے تبدیل کر دیا جائے گا۔

نمبر ۴:

اگر پڑوسی کے ساتھ ملحقہ دیوار میں دراڑیں پڑ جائیں یا اس کا کچھ حصہ اس کے صحن میں گر جائے اور پڑوسی کے گھر داخل ہوئے بغیر اس کی مرمت ممکن نہ ہو اور پڑوسی گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے رہا ہو تو دیوار کو اپنے قدیمی محل پر برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضد مانع نہیں ہو سکتی بلکہ اسے بالجبر ایسا کہنا درست ہے کہ یا دیوار کی مرمت کرا دو یا پھر گھر میں داخل ہونے کی اجازت فراہم کر دو۔

قاعدہ نمبر ۶۱:

"اَلْوَصْفُ فِی الْحَاضِرِ لَغْوٌ وَفِی الْغَائِبِ مُعْتَبَرٌ"

ترجمہ:

(حاضر شئے میں وصف لغو ہوتا ہے اور غائب میں معتبر ہوتا ہے)

وہ عقود جن کی تعریف "مُبَادَلَۃُ الْمَالِ بِالْمَالِ" (مال کا تبادلہ مال کے عوض کرنا) کی گئی ہے ان کے صحیح ہونے کے لئے بدل اور عوض کی پہچان شرط ہے۔ مثلاً" بیع اور اجارہ وغیرہ۔ بدل کی پہچان مختلف ذرائع سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً" اشارہ سے 'اس کا ذاتی نام لینے سے یا ایسا وصف بیان کرنے سے جو اسے دیگر اشیاء سے ممتاز کر رہا ہو۔

اگر بدل اور عوض محل عقد میں موجود ہو تو اس کی پہچان اشارہ سے ہوتی ہے۔ اور اگر محل عقد میں موجود نہ ہو۔ تو پھر اس کی معرفت، ذاتی علم یا ایسا وصف بیان کرنے سے ہوتی ہے جو اسے دیگر چیزوں سے تمیز دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ایسی اشیاء جن کی جنس ایک ہو ان کی پہچان تسمیہ اور وصف کی نسبت اشارہ سے زیادہ بلیغ اور اولیٰ ہوتی ہے مگر اس کے برعکس وہ اشیاء جن کی اجناس مختلف ہوں ان کی معرفت اشارہ کی نسبت تسمیہ اور وصف سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب ایک ہی بدل میں اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں اور بدل مشار الیہ اور بدل مسمی ایک جنس سے متعلق ہوں مگر وصف دونوں کا مختلف ہو یعنی بدل مشار الیہ کا وصف اور ہو اور بدل مسمی کا اور 'تو اس صورت میں وصف لغو ہو جائے گا اور اشارہ معتبر ہو گا اور بیع منعقد ہو جائے گی۔

مثلاً" کسی نے سرخ گھوڑا بیچنے کا ارادہ کیا اور اسے مجلس عقد میں حاضر کر دیا مگر عقد میں ایجاب ان الفاظ سے کیا "بِعْتُکَ هٰذَا الْفَرَسَ الْاَسْوَدَ بِاَلْفٍ" (میں نے یہ سیاہ گھوڑا تجھے ہزار کے عوض فروخت کیا) اور مشتری نے اسے قبول کرتے ہوئے کہا "قَبِلْتُ" (میں نے قبول کر لیا) تو یہ عقد صحیح ہو گی۔ اگرچہ وصف مختلف ہے مگر اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر بدل مشار الیہ بدل مسمی کی جنس سے نہ ہو تو پھر اعتبار مسمی کا ہو گا اشارہ کا نہیں ہو گا اور اس صورت میں بیع باطل ہو گی۔

مثلاً" کسی نے نگینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے فروخت کیا اور یہ کہا کہ یہ یاقوت

ہے مگر حقیقت میں وہ شیشہ ظاہر ہوا اگرچہ یہاں بھی اشارہ اور تسمیہ جمع ہیں مگر جنس مختلف ہونے کے سبب بیع باطل ہو گی۔ (الاشباہ والنظائر)

اور الدر المنتقی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جنس مختلف ہونے کی صورت میں مسمی کا اعتبار تب ہو گا جب بائع اور مشتری دونوں یہ نہ جانتے ہوں کہ مشار الیہ جنس مسمی کے خلاف ہے اور اگر دونوں اس سے آگاہ ہوں تو پھر اعتبار مشار الیہ کا ہو گا۔

مثال کسی نے کہا "بِعْتُ مِنْكَ هٰذِهِ الْبَقَرَةَ" (میں نے تجھے یہ گائے فروخت کی) اور اس کے ساتھ اشارہ اس بکری کی جانب کیا جو ان دونوں کے سامنے موجود تھی تو مشار الیہ کا اعتبار کرتے ہوئے بکری کی بیع صحیح ہو گی۔

اور اگر مبیع مشار الیہ نہ ہو بلکہ اس کی پہچان صرف تسمیہ اور وصف بیان کرنے سے ممکن ہو تو اس صورت میں وصف کا اعتبار ہو گا۔

امثلہ نمبر ۱

مثال اگر کسی نے ایسے گھوڑے کی بیع کی جو مجلس عقد میں موجود نہیں تھا اور بیع کے وقت اس کا رنگ سرخ بیان کیا جبکہ فی الحقیقت اس کا رنگ سیاہ نکلا تو یہ بیع منعقد نہیں ہو گی کیونکہ جس وصف کے ساتھ بیع کی گئی تھی وہ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن اس میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ بیع منعقد تو ہو جائے گی مگر لازم نہیں ہو گی بلکہ مشتری کو اختیار ہو گا کہ اگر چاہے تو اسے لے لے اور اگر چاہے تو نہ لے۔

نمبر ۲

اگر رات کے وقت کسی نے نگینہ بیچا اور کہا یہ یاقوت احمر ہے لیکن جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا یہ تو یاقوت اصفر (پیلے رنگ کا یاقوت) ہے تو بیع صحیح ہو گی مگر مشتری کو اختیار ہو گا خیار کی یہ قسم خیار وصف کہلاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۲:

"تَبَدُّلُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَائِمٌ مَقَامَ تَبَدُّلِ الذَّاتِ"

ترجمہ:

(سبب ملکیت کا تبدیل ہونا ذات کے تبدیل ہونے کے قائم مقام ہوتا ہے)

امثلہ نمبر۱:

اگر کسی نے یہ دعوی کیا کہ وہ اپنے باپ کی میراث کا مالک ہے مگر جب اپنے دعوی پر بینہ پیش کئے تو انہوں نے شہادت یہ دی کہ یہ ماں کی جانب سے اس کا وارث ہے تو یہ شہادت دعوی کے ثبوت کے لئے قابل تسلیم نہیں ہوگی کیونکہ دعوی اور شہادت باہم موافق نہیں تو چونکہ شہادت نے سبب ملکیت تبدیل کر دیا ہے۔ اور یہ ذات ملکیت کے تبدیل ہونے کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے بنیادی دعوی باطل ہو جائے گا۔

نمبر۲:

اگر موہوب لہ کے پاس موہوبہ شئے تبدیل ہو جائے تو واہب کے لئے ہبہ سے رجوع کا حق باطل ہو جاتا ہے اسی طرح اگر موہوب لہ نے کسی بھی سبب موہوبہ شئے کو اپنی ملکیت سے نکال دیا تو پھر واہب کے لئے رجوع کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے مثلاً" کسی نے زمین ہبہ کی تو موہوب لہ نے اس میں مکان تعمیر کر لئے یا درخت لگا دیئے تو واہب کے لئے رجوع کا حق ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ "الجوہرہ النیرہ" میں موجود ہے "فَإِنْ وَهَبَ لِآخَرَ أَرْضًا بَيْضًا فَأَنْبَتَ فِيْ نَاحِيَةٍ مِنْهَا نَخْلًا أَوْ بَنٰى فِيْهَا بِنَاءً فَلَيْسَ لَهٗ أَنْ يَرْجِعَ فِيْ شَيْءٍ مِنْهَا لِأَنَّ هٰذِهٖ زِيَادَةٌ مُتَّصِلَةٌ" (الجوہرۃ النیرہ ج:۲ص:۱۵)

(اگر کسی نے دوسرے کو سفید (خالی) زمین ہبہ کی پھر اس نے اس میں کھجوروں کے درخت اگا لئے یا گھر تعمیر کر لیا تو اس کے لئے کسی بھی شئے میں رجوع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ متصل زیادتی ہے) یا کسی نے کمزور جانور ہبہ کیا اور وہ موہوب لہ کی خدمت اور حفاظت کے سبب توانا اور موٹا تازہ ہو گیا یا کپڑا ہبہ کیا اور اس نے قمیص وغیرہ بنوالی یا گندم ہبہ کی اور اس نے اسے آٹا بنا دیا تو ان تمام صورتوں میں ہبہ سے رجوع کا حق ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ "الجوہرہ" میں ہے "إِنْ كَانَتْ دَارًا فَبَنٰى فِيْهَا أَوْ حَفَرَ فِيْهَا بِئْرًا أَوْ ثَوْبًا فَصَبَغَهٗ بِعُصْفُرٍ أَوْ قَطَعَهٗ وَ خَاطَهٗ قَمِيْصًا فَإِنَّ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ لَا رُجُوْعَ لَهٗ" (الجوہرۃ النیرہ ج:۲ص:۱۴)

(اگر موہوبہ شئے دار ہو اور موہوب لہ اس میں مکان بنالے یا اس میں کنواں کھود دے یا کپڑا ہو وہ اسے رنگ دے یا اسے کاٹ کر قمیص بنالے تو ان تمام صورتوں میں واہب کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا) تو اس کی علت یہ ہے کہ سبب ملکیت بدلنے سے ذات ملکیت بدل جاتی ہے۔ چونکہ موہوب لہ کے پاس ان تمام اشیاء کی ہیئت بدل چکی ہے اس لئے اب واہب ان کا مالک نہیں بن سکتا۔

سند کی تبدیلی سبب کی تبدیلی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ مثلاً" ایک آدمی نے ہزار روپے قرض کا اقرار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ مبیع کی قیمت میں سے ایک ہزار کے واجب الادا ہونے کا بھی اقرار کیا تو مجموعی طور پر اس کے ذمہ دو ہزار روپے لازم ہوں گے اسی طرح اگر دو سندوں میں ایک ایک ہزار روپے درج ہوں مگر ان کا سبب درج نہ ہو اور دونوں سندوں پر اس کے دستخط مع مہر موجود ہوں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس نے دونوں کا اعتراف کیا ہے اس لئے مجموعی طور پر دو ہزار روپے واجب الادا ہوں گے اور اس کے مقابلہ میں اس کا یہ قول قابل تسلیم نہیں ہوگا۔ کہ اس کے ذمہ صرف ایک ہزار روپیہ واجب الادا ہے اور دوسری سند میں درج شدہ رقم زائد ہے۔ کیونکہ سند کا تبدیل ہونا ہی سبب کی تبدیلی کے قائم مقام ہوتا ہے۔

(الاشباہ والنظائر)

قاعدہ نمبر ۶۳

"مَنْ سَعٰی فِیْ نُقْضِ مَاتَمَّ مِنْ جِہَتِہٖ فَسَعْیُہٗ مَرْدُوْدٌ عَلَیْہِ"

ترجمہ:

(جس نے اس عقد کو توڑنے کی کوشش کی جو اس کی اپنی جانب سے مکمل ہوئی تو اس کی وہ کوشش رد کردی جائیگی) یعنی اگر ایک آدمی خود ہی کسی عقد کے مکمل ہونے کا سبب بنا ہو اور پھر عقد کی تکمیل کے بعد وہ خود ہی اسے توڑنے کے درپے ہو جائے تو اس کی وہ کوشش سعی لاحاصل ثابت ہوگی اور قطعاً" اس عقد کے خلاف اس کا دعوی قبول نہیں کیا جائیگا۔

امثلہ نمبر ۱: کسی نے اپنی زمین فروخت کرنے کے لئے دوسرے کو وکیل مقرر کیا اور اس نے زمین بیچ دی مگر بیع کی تکمیل کے بعد وکیل نے بنفسہ اس پر دعوی شفعہ دائر کر دیا تو اس کا یہ دعوی قطعاً" قابل تسلیم نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ اس نے وہ عقد توڑنے کی کوشش کی

ہے جس کی تکمیل اس نے بذات خود کی ہے۔ اس لئے اس کا دعوی مردود ہوگا۔ جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے "لَا شُفْعَةَ لِلَّذِیْ بَاعَ بِالْوَکَالَةِ بِاَنْ کَانَ الشَّفِیْعُ وَکِیْلًا لِبَائِعِ الدَّارِ الْمَشْفُوْعَةِ لِاَنَّهٗ مُوَکَّلٌ بِاِتْمَامِ الْبَیْعِ وَفِیْ اَخْذِهٖ بِالشُّفْعَةِ نَقْضُ مَا وُکِّلَ بِاِتْمَامِهٖ" (کنز الدقائق ص: ۴۰۵)

(۲) کسی نے مکان خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے کسی دوسرے کو اپنا ضامن بنایا عقد مکمل ہونے کے بعد اگر ضامن نے اس کے خلاف شفعہ کا دعوی کر دیا تو اس کا دعوی باطل ہوگا کیونکہ اس عقد کی تکمیل اسی کے سبب ہوئی گویا مشتری کی ضمانت اٹھا کر اس نے بنفسہ اس کے لئے مکان حاصل کیا ہے جیسا کہ حاشیہ کنز میں ہے "مَنْ ضَمِنَ الدَّرْکَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ لِاَنَّ تَمَامَ الْبَیْعِ اِنَّمَا کَانَ مِنْ جِهَتِهٖ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَنْقُضَ مَا تَمَّ مِنْ جِهَتِهٖ لِاَنَّهٗ بِضَمَانِهِ الدَّرْکَ ضَمِنَ لَهٗ اَنْ تَحْصُلَ لَهُ الدَّارُ وَذَالِکَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِتَرْکِهِ الشُّفْعَةَ وَفِیْ اَخْذِهٖ اِبْطَالُ ذَالِکَ" (کنز الدقائق ص: ۴۰۵)

(۳) اگر کسی عقد میں ایک آدمی کسی کی درک (تاوان) یا (اس پر لازم ہونے والی رقم) کا ضامن بنا اور پھر مبیع پر اپنی ملکیت کا دعوی کر دیا تو اس کا دعوی قبول نہیں ہوگا کیونکہ ضامن بن کر اس نے بذات خود عقد کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور اب ملکیت کے دعوی کے ساتھ بنفسہ اسے توڑنے کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے اس کا دعوی رد کر دیا جائیگا۔

قاعدہ نمبر ۶۴:

"مَنْ مَلَکَ شَیْئًا مَلَکَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُوْرَاتِهٖ"

ترجمہ:

(جو کسی شئی کا مالک بنے گا وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک بن جائیگا) یعنی جو شخص کسی شئی کا مالک بنا تو وہ ساتھ ہی ان چیزوں کا بھی مالک بن جائیگا جو اس کے منافع کی تکمیل کا سبب بنتی ہیں اور ان کی موجودگی اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

امثلہ نمبر ۱:

اگر کسی نے مکان خریدا یا رہائشی مکان بنانے کے لئے زمین خریدی تو اس عقد کے ساتھ ہی

مشتری مکان یا زمین تک پہنچنے والے راستہ کا بھی مالک بن جائیگا اور بائع پر راستہ مہیا کرنا لازم ہوتا ہے کیونکہ جس مکان تک پہنچنے کا راستہ ہی نہ ہو وہ قطعا" رہائش کے قابل نہیں ہو سکتا اور اس سے منافع کا حصول انتہائی دشوار ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی نے گائے خریدی اس حال میں کہ اس کا دودھ پینے والا بچھڑا اس کے ساتھ ہو تو مشتری گائے کا مالک بننے کے ساتھ ساتھ بچھڑے کا مالک بھی بن جائیگا اور بائع کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گائے حوالے کرتے وقت بچھڑا بھی ساتھ سپرد کردے اگرچہ عقد کے دوران اس کا نام نہ بھی لیا جائے کیونکہ اس عقد میں مشتری کا حقیقی مقصود گائے سے دودھ حاصل کرنا ہے اور اگر بچھڑا ساتھ نہیں ہوگا تو اس کے لئے گائے سے دودھ کا حصول مشکل ہو جائیگا اور اس کے دودھ نہ دینے کی صورت میں مشتری کے حقیقی مقاصد قطعا" مکمل نہیں ہونگے۔

المختصر کسی بھی شئی کی وہ چیزیں جن کا پایا جانا اس شئی کے لئے ضروری ہو اور ان کے بغیر اس سے حقیقی منافع حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو اس پر ملکیت ثابت ہونے سے وہ تمام چیزیں ملکیت میں آجائیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب

قاعدہ نمبر ۶۵:

"لَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّاْخُذَ مَالَ غَیْرِہٖ بِلَا سَبَبٍ شَرْعِیٍّ"

ترجمہ: (سبب شرعی کے بغیر کسی غیر کا مال لینا کسی کے لئے جائز نہیں)

ہر انسان اپنی ذہنی صلاحیتیں صرف کر کے اور جسمانی مشقتیں برداشت کر کے اپنی معاشی خوشحالی کے لئے طرح طرح کا سازوسامان جمع کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی زندگی کو آرام دہ بنانا اس کا معاشرتی اور شرعی حق ہوتا ہے لہٰذا معاشرے کے کسی بھی دوسرے فرد کے لئے اخلاقا" یا شرعا" یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے سامان چھین کر اسے ذہنی کرب میں مبتلا کردے اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنی دولت کے استفادے سے محروم کردے رب قدوس اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ الآیہ" (اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے مال باطل طریقوں (ناجائز) سے نہ کھاؤ) گویا رب العالمین نے یہ ارشاد فرما کر ہر ناجائز طریقہ سے کسی کا مال کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ یہی آیت کریمہ مذکورہ قاعدہ فقیہ کی اصل ہے اور اس کی مزید تائید حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

کے مندرجہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔
(۱) "قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَخِيْهِ ----- وَإِنْ أَخَذَهٗ فَلْيَرُدَّهٗ أَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی کے لئے اپنے بھائی کا مال لینا حلال نہیں اور اگر وہ لے لے تو اسے چاہئے کہ وہ واپس کردے)
(۲) "قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "حُرْمَةُ مَالِ الْمُسْلِمِ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ وَمَنْ غَصَبَ شِبْرًا مِنْ أَرْضٍ طَوَّقَهُ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ" (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین غصب کی اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے) ان ارشادات نبویہ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان بھائی کا مال اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوئی پھر اسے چاہئے کہ وہی حقیقی مال اس کے مالک کو واپس کرے اور اصلی مال ضائع ہو جانے کی صورت میں اگر اس کا تعلق ذوات الامثال سے ہو تو پھر اس کی مثل مال دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ"
اور اگر اس کی مثل موجود نہ ہو یا اس کا تعلق ذات القیم سے ہو تو پھر اس کی قیمت ادا کرے جیسا کہ "الجوہرہ النیرہ" میں موجود ہے۔ "وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا لَهٗ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ إِنْ كَانَ لَهٗ مِثْلٌ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهٗ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ أَيْ فَإِنْ كَانَ مَوْجُوْدًا وَجَبَ عَلَيْهِ رَدُّهٗ بِعَيْنِهٖ وَإِنْ كَانَ هَالِكًا وَجَبَ رَدُّ بَدَلِهٖ لِأَنَّ الْبَدَلَ يَقُوْمُ مَقَامَ الْمُبْدَلِ فَإِنْ غَصَبَ مِثْلِيًّا فِيْ حِيْنِهٖ وَأَوَانِهٖ وَانْقَطَعَ عَنْ أَيْدِي النَّاسِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى مِثْلِهٖ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ يَوْمَ يَخْتَصِمُوْنَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ يَوْمَ الْغَصْبِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ آخِرُ مَا انْقَطَعَ عَنْ أَيْدِي النَّاسِ ------ وَقَالَ الْكَرْخِيُّ إِذَا غَصَبَ مَا لَا مِثْلَ لَهٗ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ يَوْمَ الْغَصْبِ إِجْمَاعًا" (الجوہرہ النیرہ ج:۲ ص:۳٦ کتاب الغصب)
(جس نے کسی کی کوئی شئی غصب کی پھر وہ اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو اس پر اس کی مثل

ضمانت ہوگی۔ اگر وہ مثلی اشیاء میں سے ہو۔ اور اگر مثلی اشیاء میں سے نہ ہو تو اس کے ذمہ اس کی قیمت لازم ہوگی یعنی اگر غاصب کے پاس مغصوبہ شئی موجود ہو تو اس کا عین لوٹانا اس کے ذمہ واجب ہے اور اگر وہ اس کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کا بدل لوٹانا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر مغصوبہ چیز غصب کے وقت مثلی تھی اور پھر لوگوں کے پاس اسکی مثل معدوم ہوگئی اور وہ اس کی مثل لوٹانے پر قادر نہ رہا تو پھر وہ اسکی قیمت ادا کرے گا اور اس صورت میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم خصومت کی قیمت کا اعتبار ہوگا' امام ابو یوسفؒ نے یوم غصب کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے کہا کہ جس دن وہ شئی لوگوں کے ہاتھوں میں معدوم ہوئی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ جب کسی نے ایسی شئی غصب کی جس کی مثل موجود ہی نہ ہو تو بالاجماع غاصب پر غصب کے دن کی قیمت دینا لازم ہوگی) اسیطرح کنز اور دیگر کتب فقہ میں بھی موجود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۶:

"اِذَا سَقَطَ الْاَصْلُ سَقَطَ الْفَرْعُ"

ترجمہ:

(جب اصل ساقط ہوتا ہے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے) یعنی جب اصل سے ایک حکم ساقط ہو جائے تو فرع سے بھی وہ ساقط ہو جائے گا۔

امثلہ نمبر ۱:

جب مدیون (مقروض) اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے کسی کو اپنا کفیل بنالے تو اس صورت میں دائن (قرض دینے والا) جس طرح اپنے قرض کا مطالبہ مقروض یعنی اصل سے کر سکتا ہے اسی طرح وہ اپنے قرض کا مطالبہ کفیل (فرع) سے بھی کر سکتا ہے مگر جب دائن نے مقروض کو اپنا قرض معاف کر دیا یا کسی بھی سبب سے اسے قرضے سے بری کر دیا تو اصل سے قرض ساقط ہونے کے سبب کفیل (فرع) سے بذات خود ساقط ہو جائے گا اور اس کے بعد کفیل ادائیگی کا پابند نہیں رہے گا۔

(۲) جب موکل فوت ہو جائے یا مجنون (پاگل) ہو جائے تو وکیل کی وکالت ساقط ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس پر کسی غیر کا حق نہ ہو۔
(۳) اگر شہود اصلیہ کی شہادت رد ہو جائے تو فرعی گواہوں کی شہادت بذات خود رد ہو جاتی ہے کیونکہ شہود اصلیہ کی شہادت اصل ہے اور شہود فرعیہ کی شہادت فرع ہے اور اصل کے ساقط ہونے سے فرع بذات خود ساقط ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۶۷:

"اِذَابَطَلَ الشَّیُٔ بَطَلَ مَافِیْ ضِمْنِہٖ"

ترجمہ:

(جب کوئی شی باطل ہوگی تو اس کے ضمن میں آنے والی شی بھی باطل ہو جائیگی) یعنی متضمن (ضمن میں لینے والا) کے باطل ہونے سے متضمَّن (جسے ضمن میں لیا گیا ہو) بھی باطل ہو جاتا ہے۔

امثلہ نمبر ۱:

جب فریقین کے درمیان صلح ہوئی اور اس میں انہوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے حقوق سے مخصوص شئی کے عوض یا بلا عوض بری کر دیا تو اس میں صلح متضمِّن ہے اور ابرأ (بری کرنا) متضمَّن ہے۔ اسی طرح متعاقدین کے مابین عقد طے پایا اور اس ضمن میں ایک نے دوسرے کے متعلق یہ اقرار کیا کہ اس کی اتنی رقم یا فلاں شئی میرے ذمہ واجب الادا ہے تو اس صورت میں عقد متضمِّن ہے اور اقرار متضمَّن ہے۔ مگر اس کے بعد صلح اور عقد باطل قرار دیئے گئے تو چونکہ اب متضمن باطل ہو چکا ہے اس لئے متضمن یعنی ابراء اور اقرار بھی باطل ہو جائیں گے۔ (۲): اگر کسی نے دوسرے کو کہا "بعتک دمی بالف" (میں نے تمہیں اپنا خون ہزار کے عوض فروخت کیا) پھر اس نے اسے قتل کر دیا تو اس میں قصاص واجب ہوگا۔ اس مثال میں خون کی بیع متضمِّن ہے اور قتل کی اجازت متضمَّن ہے کیونکہ یہ خون کی بیع کے سبب ہی ثابت ہو رہی ہے۔ مگر خون کی بیع شرعاً باطل ہوتی ہے اس لئے متضمِّن کے باطل ہونے کے سبب متضمَّن (قتل کی اجازت) بھی باطل ہو جائیگا نتیجہ "قصاص واجب ہوگا۔

قاعدہ نمبر۶۸:

"اِذَا بَطَلَ الْاَصْلُ يُصَارُ اِلَى الْبَدَلِ"

ترجمہ:

(جب اصل باطل ہو جائے تو اسے بدل کی طرف پھیر دیا جائیگا) یعنی اگر کسی کے ذمہ کوئی شئی واجب الادا ہو اور وہ اس کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اس پر اس کا بدل دینا لازم ہوگا۔ چاہے وہ اس کی مثل کوئی شئی ہو یا اس کی قیمت ہو اس طرح ایسا عمل جسے بجالانا آدمی کے ذمہ لازم ہو اور پھر کسی عذر کے سبب وہ اسے ادا نہ کر سکے تو اس کے بدل کی ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے۔

امثلہ نمبر۱:

اگر کسی نے دوران ماہ ایک ماہ کی مدت کے لئے اجارہ کیا تو اس کا حساب دنوں سے لگایا جائیگا اور تیس دن شمار کر لئے جائیں گے۔ چونکہ اس عقد میں اصل قمری ماہ کی تکمیل ہے چاہے اس میں انتیس دن ہوں یا تیس مگر دوران ماہ عقد ہونے کے سبب قمری ماہ کی تکمیل متعذر ہے اس لئے اس کے بدل کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا اور وہ تیس دن ہیں۔

(۲) رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ مگر جب کوئی بیماری یا بڑھاپے کے سبب انہیں ادا کرنے سے معذور ہو تو ان کا بدل یعنی فدیہ دینا لازم ہوگا ورنہ فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا۔

(۳) نماز جمعہ ہر مکلف مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط موجود ہوں مگر جب کوئی نماز جمعہ امام کے ساتھ ادا نہ کر سکے تو اس پر اس کے بدل نماز ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اس کے سبب اس کے ذمہ سے وقتی فرض ساقط ہو جائیگا۔

(۴) اگر کوئی فرض نماز وقت میں ادا نہ کر سکے تو اس کی قضا لازم ہوتی ہے کیونکہ ادا اصل ہے اور قضا اس کا بدل ہے اور اصل باطل ہونے سے حکم بدل کی جانب پھر جاتا ہے علاوہ ازیں مغصوبہ شئی کی واپسی بھی اسی قاعدہ کی مثال ہے جس کی وضاحت قاعدہ نمبر۶۶ کے تحت گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۶۹:

"اَلْمُطْلَقُ يَجْرِيْ عَلٰى إِطْلَاقِهٖ مَالَمْ يَقُمْ دَلِيْلُ التَّقْيِيْدِ نَصًّا أَوْ دَلَالَةً"

ترجمہ:

(مطلق اپنے اطلاق پر ہی جاری رہتا ہے جب تک نصاً "یا دلالۃ" دلیل تقیید قائم نہ ہو جائے)
مطلق کی تعریف: "اَلْمُرَادُ بِهٖ الْحِصَّةُ الشَّائِعَةُ فِيْ أَفْرَادِ الْمَاهِيَّةِ مِنْ غَيْرِ مُلَاحَظَةِ خُصُوْصِ كَمَالٍ أَوْ نُقْصَانٍ أَوْ وَصْفٍ" (حاشیہ اصول الشاشی ص ۹)
(مطلق سے مراد ایک ماہیت کے افراد کا وہ مشترک حصہ ہے جو کمال نقصان یا وصف کی خصوصیت کا لحاظ کئے بغیر تمام میں یکساں پایا جائے)

امثلہ نمبر ۱:

بارش کا پانی پاک ہوتا ہے۔ اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں کسی قسم کی نجاست ملنے کا شبہ نہ ہو کیونکہ ارشاد خداوندی ہے "وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا" (فرقان پ۱۹:۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل فرمایا) یہ آیت کریمہ بارش کے پانی کی طہوریت کے ثبوت کے لئے مطلق ہے لہٰذا یہ حکم اپنے اطلاق پر برقرار رہے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قائم نہ ہو جائے جس سے پانی کا نجس ہونا ثابت کیا جاسکے۔
(۲) اگر موکل نے اپنے وکیل کو سامان فروخت کرنے کی اجازت مطلق دی تو وکیل موکل کا سامان اس قیمت پر بیچ سکتا ہے جو وہ مناسب خیال کرے چاہے وہ قیمت کم ہو یا زیادہ۔ مگر اس کے برعکس جب موکل نے وکیل کے لئے سامان کی قیمت متعین کردی تو پھر اسے اس سے کم قیمت پر فروخت کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ اس صورت میں دلیل تقیید نصاً" قائم ہے۔
(۳) اگر کسی نے دوسرے کو کوئی شئی خریدنے کے لئے وکیل مقرر کیا اور اس صورت میں اس کے لئے قیمت خرید متعین نہ کی تو اس صورت میں وکیل کے لئے مثلی قیمت یا غبن یسیر کے عوض اس شئی کو خریدنا جائز ہے۔ مگر اس کے برعکس غبن فاحش کے ساتھ خریدنا جائز نہیں گو بظاہر اس کی وکالت مطلق ہے مگر دلالۃ غبن فاحش کی جانب تجاوز نہ کرنے کی قید سے مقید ہے۔ (ھکذا فی الکنز)

قاعدہ نمبر ۷:

"اَلْاَصْلُ فِیْ الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ الْعَدَمُ"

ترجمہ:

(صفات عارضہ میں اصل ان کا عدم وجود ہے) یعنی بنیادی طور پر صفات عارضہ موجود نہیں بلکہ بعد میں لاحق ہوتی ہیں۔

صفت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نمبر۱ صفت اصلیہ۔ نمبر۲ صفت عارضہ

صفت اصلیہ کی تعریف:

"هِیَ حَالَةٌ تُوْجَدُ مَعَ وُجُوْدِ الْاَصْلِ كَالصِّحَّةِ وَالْحَيَاةِ وَالْبَكَارَةِ"

(صفت اصلیہ سے مراد وہ حالت ہوتی ہے جو ابتدا سے ہی اصل کے وجود کے ساتھ پائی جاتی ہے جیسے صحت' زندگی اور بکارت وغیرہ۔

صفت عارضہ کی تعریف:

"هِیَ حَالَةٌ لَاتَكُوْنُ مَوْجُوْدَةً مَعَ الْاَصْلِ بَلْ عَارِضَةٌ كَالرِّبْحِ وَالْعَيْبِ وَالْمَرْضِ"

صفت عارضہ سے مراد وہ حالت ہے جو ابتدا اصل کے ساتھ موجود نہیں ہوتی بلکہ بعد میں اسے عارض ہوتی ہے جیسے نفع' عیب اور بیماری وغیرہ۔

امثلہ نمبر۱:

اگر کسی نے اپنا مال مضاربت پر دیا اور پھر مضارب اور رب المال (مال کا مالک) کے درمیان نفع کے بارے میں اختلاف ہو جائے اس طرح کہ مضارب کہے کہ نفع حاصل نہیں ہوا اور رب المال یہ کہے کہ نفع حاصل ہوا ہے تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق مضارب کا قول معتبر ہو گا کہ صفت عارضہ ہونے کے سبب اصل نفع کا عدم وجود ہی ہے۔ بشرطیکہ رب المال نے اپنے قول کے ثبوت میں بینہ قائم نہ کیے۔ ورنہ رب المال کا قول معتبر ہو گا۔

اسی طرح اگر دونوں کے مابین نفع کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو قول مضارب کا معتبر

ہو گا کیونکہ اس نے کم مقدار کا دعویٰ کیا جبکہ رب المال نے زیادہ مقدار کا اور اصول "اَلْاَصْلُ عَدْمُ الزَّائِدِ" ہے۔ مگر اس کے برعکس جب رب المال نے اپنا قول گواہوں کی شہادت سے ثابت کردیا تو پھر اعتبار اس کا ہوگا۔

(۲) اگر ایک آدمی نے دوسرے کو کوئی شئی دی پھر کچھ مدت کے بعد دونوں کے درمیان یہ اختلاف ہوگیا کہ دینے والے نے کہا "میں نے وہ شئی بطور قرض دی تھی" اور لینے والے نے کہا "تم نے بطور ہدیہ دی تھی" تو اس اختلاف میں چیز دینے والے کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ شئی مال متقوم میں سے ہے اور مال متقوم میں اصل قیمت کی ادائیگی ہوتی ہے جبکہ ہدیہ کا مدعی قیمت کی ادائیگی سے برات کا اظہار کر رہا ہے تو کیونکہ مال متقوم میں قیمت سے برات کا اظہار صفت عارضہ ہے اور اس میں اصل عدم وجود ہے اس لئے ہدیہ کا دعویٰ باطل ہوگا۔

(۳) اگر بائع اور مشتری کے درمیان مبیع کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہو جائے بائع نے کہا کہ مشتری نے مبیع دیکھی ہوئی ہے اس لئے اسے خیار رویت حاصل نہیں ہو سکتا اور اسکے برعکس مشتری نے قول عدم رویت کا کیا تو اس میں مشتری کا قول قبول کیا جائیگا اور اسے خیار رویت حاصل ہوگا کیونکہ اس میں اصل عدم رویت ہے۔

ہاں اگر دونوں کے درمیان مبیع میں عیب پائے جانے کے بارے میں اختلاف ہو جائے یعنی بائع نے کہا کہ مبیع جب تمہارے حوالے کی گئی تھی اس میں کوئی عیب نہیں تھا جبکہ مشتری کا دعویٰ اس کے برعکس ہو تو اس میں قول بائع کا معتبر ہوگا کیونکہ اس میں اصل مبیع میں عیب نہ پایا جانا ہے۔

الختصر کسی بھی چیز کی صفت اصلیہ کا اعتبار ہوگا اور صفت عارضہ کا اعتبار نہیں ہوگا اور دونوں میں اختلاف کے وقت فیصلہ صفت اصلیہ کے مطابق ہوگا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

قاعدہ نمبرا۷:

"دَلِيْلُ الشَّيْئِ فِيْ الْاُمُوْرِ الْبَاطِنَةِ يَقُوْمُ مَقَامَهٗ" يَعْنِيْ اَنَّهٗ يُحْكَمُ بِالظَّاهِرِ فِيْمَا يَتَعَذَّرُ الْاِطِّلَاعُ عَلَيْهِ"

ترجمہ:

(امور باطنہ میں شئے کی دلیل ہی اس کے قائم مقام ہوتی ہے) یعنی وہ افعال جن کی حقیقت پر اطلاع پانا متعذر ہو ان پر حکم ظاہر کے مطابق لگایا جائے گا۔

ایسے تمام افعال جن کا تعلق قلب سے ہوتا ہے مثلاً" خشوع و خضوع، بغض و حسد اور عداوت و محبت وغیرہ ان کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہوتی اس لئے ظاہری افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ کر ہی ان میں سے کسی شئے کا حکم کسی آدمی پر لگایا جائے گا کسی کا عمل جس حکم کا تقاضا کرے گا وہی اس پر لگا دیا جائے گا۔

امثلہ نمبرا:

قتل عمد ثابت ہو جانے کی صورت میں قاتل کے خلاف قصاص کا فیصلہ ہو گا۔

قتل عمد کی تعریف:

"هُوَ اَنْ يَقْصِدَ الْقَاتِلُ ضَرْبَ الْمَقْتُوْلِ بِمَا يُفَرِّقُ الْاَجْزَاءَ"۔

(قاتل کا ایسے آلہ کے ساتھ مقتول کو مارنے کا قصد کرنا جس سے اعضاء کو جدا جدا کیا جا سکتا ہو قتل عمد کہلاتا ہے۔) مثلاً" تلوار، کلہاڑی، چاقو یا دیگر ان کی مثل اوزار۔

اس میں قصد و ارادہ امور باطنہ میں سے ہے۔ جس پر اطلاع پانا متعذر ہے اس لئے قاتل کا تیز دھار آلہ کا استعمال ہی اس کے قائم مقام ہو جائے گا اور اسی کے مطابق قصاص کا حکم لگایا جائے گا۔ بشرطیکہ شاہدوں نے تیز دھار آلے کے استعمال کی شہادت دی ہو یا قاتل نے بنفسہ اس کا اقرار کیا ہو۔ اگرچہ شہادت میں بالقصد کی تصریح نہ بھی ہو۔ جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے۔ "لِاَنَّ الْقَصْدَ مِنْ اَعْمَالِ الْقُلُوْبِ وَلَا اِطِّلَاعَ عَلَيْهِ اِلَّا بِدَلِيْلِهٖ فَاِذَا ضَرَبَهٗ بِمِثْلِ مَا ذَكَرْنَا عَلِمْنَا حُصُوْلَهٗ نَظَرًا اِلٰى اِسْتِعْمَالِ الْاٰلَةِ الْمَوْضُوْعَةِ لِذٰلِكَ عَادَةً كَمَا اُقِيْمَ السَّفَرُ مَقَامَ الْمَشَقَّةِ" (کنز الدقائق ص: ۴۷

(کیونکہ قصد اعمال قلوب میں سے ہے لہذا اس پر اطلاع دلیل کے بغیر ممکن نہیں لہذا جب کسی نے مذکورہ ہتھیاروں کے ساتھ کسی کو ضرب لگائی تو ہمیں ایسے آلہ کے استعمال کے سبب جو علاوہ اسی لئے بنایا گیا ہے قصد و ارادہ کا علم ہو جائے گا جیسا کہ مسافر کے لئے سفر ہی مشقت کے قائم مقام بنایا گیا ہے)

مگر اس کے برعکس اگر قاتل نے مقتول کے لئے ایسی شئے استعمال کی جس سے اعضاء کاٹے نہ جا سکتے ہوں مثلاً لاٹھی یا پتھر وغیرہ تو یہ قتل شبہ عمد ہو گا تو اس صورت میں قاتل پر دیت واجب ہو گی۔

نمبر ۳

اگر کسی نے راستے میں پڑی ہوئی چیز اس نیت سے اٹھائی کہ وہ اسے حقیقی مالک تک پہنچا دے گا تو اپنے پاس اس کے ضائع ہو جانے کی صورت میں وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا بشرطیکہ اس نے عمداً ضائع نہ کی ہو۔ اس مسئلہ میں نیت امور باطنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جس پر مطلع ہونا متعذر ہے لہذا اس پر استدلال ظاہری دلائل سے ہی کیا جائے گا مثلاً اس کا اعلان کرنا اس کی دلیل ہے کہ اسے اٹھانے کا مقصد ذاتی استعمال میں لانا نہیں بلکہ اصلی مالک تک پہنچانا تھا۔

نمبر ۴

شاہدوں کے تزکیہ کا ثبوت ان کے ظاہری اعمال سے فراہم ہو گا کیونکہ تزکیہ کا انحصار خوف الٰہی پر ہوتا ہے اور اسی کے سبب وہ سچ کا عادی ہوتا ہے اور جھوٹ سے نفرت کرتا ہے اور خوف الٰہی کا تعلق قلب سے ہے جس سے حقیقی آگاہی متعذر ہے۔ اس لئے آدمی کے ظاہری افعال و اعمال اور اخلاق و کرداری اس کے قائم مقام ہو جائیں گے اور ان ہی کے مطابق کسی کے عادل، شریف اور متقی ہونے یا فاسق و فاجر اور کذاب ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۱۱:

اَلْبَیِّنَۃُ لِاِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاھِرِ وَالْیَمِیْنُ لِاِبْقَاءِ الْاَصْلِ۔

ترجمہ:
(شہادت خلاف ظاہر کے اثبات کے لئے ہوتی ہے اور قسم اصل کو باقی رکھنے کے لئے ہوتی ہے) یعنی ظاہر صورت کے خلاف دعوی ثابت کرنے کے لئے گواہ لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ ظاہر صورت برقرار رکھنے کے لئے قسم لی جاتی ہے۔ اسی بنا پر مدعی گواہ لانے کا پابند ہوتا ہے کیونکہ اس کا دعوی ظاہر صورت کے خلاف ہوتا ہے اور اس کے برعکس مدعی علیہ سے صرف قسم لی جاتی ہے کیونکہ اس کا مقصود ظاہر حالت کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔

امثلہ نمبر ۱:

اگر ایک آدمی نے دوسرے کے خلاف قرض کا دعوی کیا تو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنا دعوی ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے کیونکہ اس کا دعوی ظاہر صورت کے خلاف ہے۔ بصورت دیگر مدعی علیہ کا قول قسم کے ساتھ قابل تسلیم ہو گا۔ کیونکہ "اَلْاَصْلُ بَرَاءَۃُ الذِّمَّۃِ" (بنیادی طور پر ہر انسان دوسرے کی ذمہ داری سے بری ہے) لہٰذا یہ حکم اپنی اصلی صورت پر باقی رہے گا۔

مذکورہ قاعدہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے عقود اور اقرار میں رضامندی کا دعوی کیا جبکہ دوسرے نے اکراہ کا دعوی کیا تو اس صورت میں مدعی اکراہ کے ذمہ گواہ لانا لازم ہوں گے کیونکہ اسی کا دعوی ظاہر صورت کے خلاف ہے اور قسم مدعی رضا پر ہو گی "لِاَنَّ الْاَصْلَ فِی الْعُقُوْدِ وَالْاِقْرَارِ الطَّوْعُ" (در مختار)
(کیونکہ عقود اور اقرار میں اصل رضا ہی ہے۔)

نمبر ۲:

اگر عورت نے مرد کے خلاف نفقہ اور لباس نہ دینے کا دعوی کیا تو قول اسی کا معتبر ہو گا کیونکہ اس میں اصل ان دونوں کا مرد کے ذمہ باقی ہونا ہے۔ جیسا کہ اگر مدیون قرض کی ادائیگی کا دعوی کرے اور دائن اس کا منکر ہو تو قول دائن کا معتبر ہو گا مگر بینہ لانا لازم ہو گا۔ (الاشباہ والنظائر)

نوٹ:

اعارہ اور وکالت میں اصل تقیید ہے اور اطلاق (مطلق ہونا) خلاف ظاہر ہے۔ اور کفالت و مضاربت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی اطلاق اصل ہے اور تقیید خلاف ظاہر ہے۔ (در مختار) لہٰذا جس نے ان امور میں ظاہر صورت کے خلاف دعوی کیا اسی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اور جس نے اصل سے استدلال کیا اس کا قول قسم کے ساتھ قابل تسلیم ہو گا۔

قاعدہ نمبر ۳۷

"اَلْمَرْءُ مُؤَاخَذٌ بِاِقْرَارِہٖ"

ترجمہ

(آدمی کا اپنے اقرار کے ساتھ مواخذہ کیا جائیگا)

آدمی کا اقرار قابل تسلیم ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا درست ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں ورنہ اقرار معتبر نہیں ہو گا۔

(۱) اقرار مقر کی رضامندی اور خوشی سے ہو اگر اقرار بالجبر ہو گا تو وہ قابل اعتبار نہیں ہو گا۔

(۲) اقرار کرنے والا عاقل اور بالغ ہو اگر وہ مجنون یا نابالغ ہو گا تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہو گا۔

(۳) حاکم کا حکم اسے جھٹلا نہ سکتا ہو۔

(۴) مقر نے جس شئی کا اقرار کیا ہے وہ امر محال نہ ہو کیونکہ امر محال کا اقرار شرعاً باطل ہوتا ہے۔ پس اگر ورثا میں سے کسی نے ایک وارث کے حق میں اس کے شرعی حصہ سے زائد کا اقرار کیا تو وہ اقرار باطل ہو گا۔ مثلاً میت نے اپنے ورثا میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اور بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ میراث ہم دونوں میں برابر تقسیم ہوگی تو اس کا یہ اقرار باطل ہو گا کیونکہ بیٹے کے مقابلہ میں بیٹی کے لئے ۱/۲ حصہ شرعاً مقرر ہے اس شرط کے ساتھ اقرار کے بطلان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امر من کل الوجوہ محال ہو لہٰذا اگر کسی نے بچے (صغیر) کے حق میں یہ اقرار کیا کہ اس نے مجھے ہزار روپے بطور قرض دیئے ہیں یا میرے ذمہ اس کے لئے ہزار روپے اس مبیع کی قیمت میں سے دینا لازم ہیں جو اس نے مجھے فروخت کی تھی تو ایسا اقرار درست ہو گا حالانکہ بچہ قرض دینے یا عقد کرنے کے اہل نہیں اور قطعاً یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ بچے نے بذات خود یہ قرض دیا ہو یا مبیع فروخت کی ہو مگر اس کے باوجود یہ اقرار اس لئے

درست ہے کہ اقرار کرنے والا صغیر کے لئے قرضہ کے ثبوت کا محل ہے اس لئے وہ قرض اسی پر محمول کیا جائیگا (الاشباہ والنظائر) اور حاشیہ کنز میں بھی ہے "لِاَنَّ الْعَاقِلَ لَا یُقِرُّ عَلٰی نَفْسِہٖ کَاذِبًا فِیْمَا فِیْہِ ضَرَرٌ عَلٰی نَفْسِہٖ اَوْ مَالِہٖ فَتَرَجَّحَتْ جِہَۃُ الصِّدْقِ فِیْ حَقِّ نَفْسِہٖ لِعَدَمِ التُّہْمَۃِ وَکَمَالِ الْوِلَایَۃِ" (کنز الدقائق ۳۲۴)

(کیونکہ عاقل اپنے بارے ایسا جھوٹا اقرار نہیں کرتا جس میں اس کی ذات یا مال کا نقصان ہو' اس لئے اس کے اپنے حق میں عدم تہمت اور ولایۃ تامہ کے سبب اقرار کی جہۃ صدق کو ترجیح دی جائے گی۔

(۵) مذکورہ قاعدہ نص قرآنی' حدیث نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے مثلاً" قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے "وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ" (البقرہ پ۳: ۲۸۲)
چاہئے کہ لکھوالے جس پر کوئی حق ہو) اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے املال (لکھوانے) کا حکم ارشاد فرمایا ہے اگر اس کا اقرار قابل قبول نہ ہوتا تو اس کے لئے لکھوانے کا حکم بھی نہ ہوتا۔ اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار پر عمل کرتے ہوئے حضرت ماعز اور غامدیہ پر حدود شرعیہ کا نفاذ کیا تھا۔ اگر اقرار قابل تسلیم نہ ہوتا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اقرار پر عمل کرتے ہوئے قطعاً" رجم جیسی سنگین سزا نافذ نہ فرماتے اور علاوہ ازیں اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اقرار مقر کی ذات کے حق میں حجت ہے جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے "لِاَنَّ الْاُمَّۃَ اَجْمَعَتْ عَلٰی اَنَّ الْاِقْرَارَ حُجَّۃٌ فِیْ حَقِّ نَفْسِہٖ" (کنز الدقائق ۳۲۴)

قاعدہ نمبر ۴۷

"اَلْاَصْلُ اَنَّہٗ لَا تَجُوْزُ الشَّہَادَۃُ بِشَیْءٍ اِلَّا اِذَا عُلِمَ بِوَجْہٍ مِنَ الْوُجُوْہِ الْمُوْجِبَۃِ لِلْعِلْمِ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر کسی شئی کے بارے شہادت جائز نہیں ہوتی مگر جبکہ اسے موجب علم اسباب میں سے کسی کے ذریعہ جانا جائے)

اسباب علم چار ہیں (۱) حواس خمسہ (۲) نقل متواتر (۳) عقل (۴) استدلال جب تک مذکورہ اسباب میں سے کسی کے ذریعہ کسی شئی کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوں تب تک اس کے بارے شہادت دینا جائز نہیں ہوتی۔

نمبر۱ حواس خمسہ

ان سے مراد وہ پانچ حواس ہیں جن کے ذریعے آدمی کسی چیز کے بارے معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ (۱) قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت (آنکھ) (۲) قوت سامعہ (سننے کی قوت (کان) (۳) قوہ شامہ (سونگھنے کی قوت (ناک) (۴) قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت (زبان) (۵) قوت لامسہ (چھونے کی قوت (ہاتھ)۔

امثلہ نمبر۱

دو آدمیوں نے کسی شئی کے بارے باہم عقد کی اس حال میں کہ تیسرا فرد پاس کھڑے ہو کر مشاہدہ کر رہا ہو تو پھر اختلاف کی صورت میں، قاضی کے پاس تیسرے فرد کی شہادت جائز ہوگی کیونکہ اسے اس کا علم مشاہدہ یعنی قوت بصارت سے حاصل ہوا تھا۔

(۲) زوجین کے مابین مذاکرہ طلاق ہو رہا ہو اس حال میں کہ تیسرا فرد قریب سے ہی ان کی گفتگو سن رہا ہو اسی دوران خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سنی ہوئی گفتگو کی بنا پر تیسرے فرد کے لئے طلاق کے حق میں شہادت دینی جائز ہے کیونکہ اسے قوت سامعہ کے ذریعہ اسکا علم حاصل ہوا ہے۔

(۳) اگر کسی نے اپنی ناک کسی شخص کے منہ کے قریب کی اور سونگھ کر شراب کی بو محسوس کی تو اس کے خلاف شراب پینے کی شہادت دینا اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اسے قوت شامہ کے ذریعہ اس کا علم ہوا ہے۔

(۴) متعاقدین نے مخصوص پھل کی بیع کی اور مقررہ قیمت کے لئے اس کے میٹھا ہونے کی شرط قائم کردی بعد میں بائع اور مشتری کے مابین شرط کے وجود یا عدم وجود کے سبب طے شدہ قیمت میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایسے آدمی کی شہادت جائز ہوگی جس نے قوت ذائقہ سے پھل کی کیفیت کو معلوم کیا ہو۔ کہ آیا اس میں میٹھا ہونے کی شرط موجود ہے یا نہیں۔

(۵) اگر چیز ایسی ہو جس کا علم مذکورہ حواس سے نہ ہو سکتا ہو بلکہ اسے جاننے کے لئے قوت

لامسہ (ٹٹولنے) کے استعمال کی ضرورت ہو مثلاً" کسی شئی کا ملائم ہونا یا کھردرا ہونا وغیرہ تو اختلاف کی صورت میں اس کی شہادت وہی دے سکتا ہے جس نے اسے چھو کر اس کا علم حاصل کیا ہو۔

نمبر۲ نقل متواتر

اس سے مراد اتنے آدمیوں کا کسی واقعہ کی شہادت دینا ہے جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عقلاً" محال ہو۔ اگر کسی نے اتنے کثیر افراد سے سن کر کسی واقعہ کی شہادت دی تو وہ صحیح ہو گی۔

امثلہ نمبرا

اگر کسی نے رمضان المبارک یا عید کے چاند کے طلوع ہونے کے بارے اتنے کثیر افراد سے سنا جو اتفاقاً" جھوٹ پر جمع نہ ہو سکتے ہوں تو اس کے لئے چاند طلوع ہونے کی شہادت دینا جائز ہے اگرچہ اس نے بنفس چاند نہ دیکھا ہو کیونکہ اس کی شہادت نقل متواتر کی بناپر ہے۔

(۲) شہادت صحیح ہونے کے لئے شاہدوں کا عادل ہونا بنیادی شرط ہے لہٰذا اگر مدعی علیہ کی جانب سے ان کی عدالت پر اعتراض ہو یا شہادت کا تعلق حدود و قصاص سے ہو تو قاضی پر لازم ہوتا ہے کہ شاہدوں کی عدالت اور تزکیہ کے بارے ظاہرا" اور باطنا" ہر دو طریقوں سے تحقیق کرے اگر لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کی عدالت و تزکیہ کی شہادت دے دی تو ان کی گواہی قابل تسلیم ہو گی اور اگر اکثریت کی رائے اس کے برعکس ہو تو پھر ان کی شہادت معتبر نہیں ہو گی۔ مختصر یہ کہ شاہدوں کے بارے میں قاضی کا فیصلہ نقل متواتر کی بنا پر ہو گا۔

نمبر۳ عقل

بعض مسائل میں بذریعہ عقل حقیقت تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے مزید دلائل یا علم کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً" کسی بالغہ بچی کی شادی ایسے صغیر بچے سے ہوئی جو وطی پر قادر نہ ہو اور پھر عورت نے فعل زنا کے سبب بچہ جنا مگر جب عورت سے اس کے بارے دریافت کیا گیا تو اس نے اس بچے کی نسبت اس صغیر کی طرف کر دی تو اس صورت میں عورت کو اپنے قول میں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے شاہدوں یا دیگر ذرائع کی ضرورت نہیں بلکہ صرف عقل ہی اس کے ثبوت کذب کے لئے کافی ہے۔

نمبر ۴ استدلال

نظرو استدلال سے حاصل ہونے والے علم کیساتھ شہادت دینے کی بنیاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے جو آپ نے حضرت امیر المومنین عمرفاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس دی تھی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک آدمی نے شراب کی قے کی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو ہریرہؓ کیا تم اس کے شراب پینے کی شہادت دیتے ہو؟ تو آپ نے کہا جی ہاں میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اس نے شراب پی ہے کیونکہ اس نے شراب کی قے کی ہے یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیسی گہری نظر ہے۔ جیساکہ فقہ الاسلام میں موجود ہے "اِنَّ رَجُلاً قَاءَ خَمْرًا! فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ یَااَبَاهُرَیْرَةَ اَتَشْهَدُ اَنَّهٗ شَرِبَهَا؟ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّهٗ قَاءَهَا فَقَالَ عُمَرُ مَاهٰذَا التَّعَمُّقُ"

تو اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قے سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو وہ شراب کی قے نہ کرتا مگر اس نے شراب کی قے کی ہے لہذا اس نے شراب پی ہے۔

تنبیہہ: مذکورہ قاعدہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ کسی کے لئے بھی بلا تحقیق و ثبوت شہادت دینا قطعاً" جائز نہیں۔ بلکہ شہادت کے سچ ہونے میں شاہد کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو۔ایسی جھوٹی شہادت جو محض حسد' کینہ اور بغض و عداوت کی بنا پر دی جائے اسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہوئے شرک کے مساوی قرار دیا ہے چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمایئے "عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْکَبَائِرِ قَالَ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ" (عمدۃ القاری ج: ۱۳ ص: ۲۱۵)

ترجمہ

(حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ کبیرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا' کسی آدمی کو قتل کرنا اور جھوٹی شہادت دینا)

(۲) "عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَةَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ثَلَاثًا قَالُوْا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا" فَقَالَ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَازَالَ یُکَرِّرُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ"

(عمدۃ القاری ج: ۱۳ ص: ۲۱۷)

ترجمہ

(حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں گناہ کبیرہ کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ آپ نے یہ جملہ تین بار فرمایا صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا پھر آپ سیدھے بیٹھے درآنحالانکہ آپ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے اور فرمایا خبردار! اور جھوٹا قول 'حضرت ابوبکرہ کے والد کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ خیال آنے لگا کہ اے کاش آپ خاموش ہو جائیں)

(۳) "عَنْ خُرَیْمِ بْنِ فَاتِکٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاکِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ" (عمدۃ القاری ج: ۱۳ ص: ۲۱۸)

ترجمہ

(خریم بن فاتک روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صبح کی نماز پڑھائی جب آپ پیچھے مڑے (لوگوں کی جانب رخ فرمایا) تو کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ جھوٹی شہادت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی "بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو

اور جھوٹے قول سے بچو' یکسر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتے ہوئے نہ کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے)

تو چونکہ جھوٹی شہادت کے متعلق اتنی شدید وعید موجود ہے اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگاتے' ایک دن تک قید رکھتے' اس کا منہ کالا کرتے' اس کا سر منڈا دیتے اور اسے بازار میں پھراتے تاکہ اس کی خوب تشہیر ہو (ضیاء القرآن ج:۳ ص:۲۷۷) اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف و حضرت امام محمد) کا موقف یہ ہے "

يُضْرَبُ وَيُحْبَسُ إِنْ لَمْ يُحْدِثْ تَوْبَةً لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مَحْظُوْرًا فَيُعَزَّرُ"

(عمدۃ القاری ج:۱۳ ص:۲۱۷)

(جھوٹے گواہ کو مارا جائے گا اور اسے قید میں رکھا جائے گا اگر اس نے ظاہراً" توبہ نہ کی چونکہ اس نے ایک ممنوع چیز کا ارتکاب کیا ہے اس لئے اسے تعزیر لگائی جائے گی) واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۷۵

"اَلْإِنْتِقَالُ مِنَ الْحُرْمَةِ إِلَى الْإِبَاحَةِ يُشْتَرَطُ فِيْهِ أَعْلَى الرُّتَبِ وَالْإِنْتِقَالُ مِنَ الْإِبَاحَةِ إِلَى الْحُرْمَةِ يَكْفِيْ فِيْهِ أَيْسَرُ الْأَسْبَابِ"

ترجمہ

(حرمت سے اباحت کی طرف منتقل ہونے کے لئے اعلیٰ اور قوی اسباب کا موجود ہونا شرط ہے اور اباحت سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لئے آسان اور خفیف اسباب ہی کافی ہوتے ہیں یعنی کوئی حرام شی تب تک مباح نہیں ہو سکتی جب تک انتہائی مضبوط اور قوی اسباب و علل موجود نہ ہوں مگر اس کے برعکس مباح چیز کو حرام قرار دینے کے لئے اتنے قوی اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی' امثلہ درج ذیل ہیں۔

(۱) کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا اور اس کا ناحق خون بہانا حرام ہے اور یہ حرمت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ مگر جب ایک مسلمان دوسرے کو عمداً" قتل کر دیتا ہے اور اس کا خون ناحق بہا دیتا ہے۔ تو اب قاتل کا وہ خون جو پہلے حرام تھا وہ قصاصاً" بہانا صرف مباح ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتا ہے تو اس میں قاتل کے حرام خون کو مباح بنانے کا سبب اس کا عمداً" اور عدواناً فعل قتل کا

ارتکاب ہے اور اباحت کیلئے یہ انتہائی مضبوط اور قوی سبب ہے۔ مگر اس اباحت کو حرمت میں بدلنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ قاتل مقتول کے ورثاء سے معافی مانگ لے یا پھر مقتول کے ورثا مال کے عوض اس سے صلح کرلیں تو اتنے سے قاتل کا مباح خون پھر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیگا اور یہ پہلے کے مقابلہ میں انتہائی خفیف سبب ہے۔ قصاص کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (البقرہ ۱۷۸ پ:۲)

ترجمہ

(اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے جو (ناحق) مارے جائیں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کوئی چیز معاف کردی جائے تو چاہئیے کہ (مقتول کا وارث) دستور کے مطابق خون بہا طلب کرے اور قاتل کو چاہئیے) کہ اسے اچھی طرح ادا کرے یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت ہے اور رحمت ہے تو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

۲: حرام خون کیلئے مباح ہونے کا دوسرا سبب شادی شدہ ہونے کے باوجود فعل زنا کا ارتکاب کرنا ہے اگر کسی نے یہ غلیظ عمل کیا تو اس کی شرعی سزا رجم ہے جس کے ساتھ وہ مرجائے تو یہ فعل شنیع اباحۃ الدم کا انتہائی قوی سبب ہے مگر اس کے برعکس اس مباح خون کو دوبارہ حرام بنانے کے لئے صرف زانی کا اپنے اقرار سے رجوع ہی کافی ہے اور یہ پہلے کے مقابلے میں انتہائی خفیف سبب ہے۔

(۳) اگر ایک مسلمان اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس سے اس کا حرام خون مباح ہو جاتا ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہوتا ہے اور ارتداد اباحۃ الدم کے لئے بہت قوی سبب ہے مگر اس کے برعکس اس اباحت کے حرمت میں تبدیل ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ تائب ہو کر از سرنو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور یہ سبب پہلے کے مقابلہ میں خفیف ہے۔

(۴) اجنبی عورت سے مقاربت حرام ہے مگر جب گواہوں کی موجودگی میں مہر کے عوض عقد نکاح ہو جائے تو وہ حرمت حلت میں بدل جاتی ہے اور اس سے کلی استمتاع جائز ہو جاتا ہے گویا اس حلت کا سبب ایجاب و قبول گواہوں کا موجود ہونا اور حق مہر ہے اور یہ انتہائی قوی سبب ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر وہی خاوند اسے طلاق دے دے تو فوراً" اس کی حلت حرمت میں بدل جاتی ہے اور پہلے کے مقابلہ میں یہ سبب خفیف ہے "واللہ اعلم بالصواب"

قاعدہ نمبر ۱۷

"لَا يَجُوْزُ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ مِنْ طَرِيْقِ الْقِيَاسِ وَاِنَّمَا طَرِيْقُ اِثْبَاتِهَا التَّوْقِيْفُ"

ترجمہ

(قیاس کے ذریعے حدود کو ثابت کرنا جائز نہیں ہوتا بلکہ ان کے اثبات کا ذریعہ توقیفی ہوتا ہے) یہ قول علماء احناف اور ان کے متبعین کا ہے۔

مذکورہ قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ حدود کے اثبات کے لئے قرآن' حدیث اور اجماع میں سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے صرف قیاس کے ذریعے حد ثابت نہیں ہو سکتی۔

حد کی تعریف

"اَلْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ تَجِبُ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالٰى" (شرح وقایہ ج:۲ ص:۲۷۰)

(حد وہ مقررہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے لازم ہوتی ہے) بالفاظ دیگر حد اس مخصوص سزا کا نام ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہوتی ہے اور اپنی رائے سے اس میں کمی و بیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہین ہوتا۔ اس لئے اس کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو قطعی ہو اور تمام شکوک و شبہات سے پاک ہو۔ اور محققین کے نزدیک ایسی دلیل قرآن' حدیث اور اجماع ہے جبکہ ان کے مقابلہ میں قیاس دلیل ظنی ہے اور وہ حد کے ثبوت کے لئے کافی نہیں جیساکہ "نورالانوار" میں ہے "صَحَّ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ وَالْكَفَّارَاتِ بِدَلَالَةِ النُّصُوْصِ دُوْنَ الْقِيَاسِ لِاَجْلِ اَنَّ الدَّلَالَةَ قَطْعِيَّةٌ وَالْقِيَاسَ ظَنِّيٌّ يَصِحُّ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ وَالْكَفَّارَاتِ بِالْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ"

(نورالانوار ص:۱۵۴)

(حدود اور کفارات کو دلالۃ النصوص کے ساتھ ثابت کرنا صحیح ہے نہ کہ قیاس کے ساتھ۔ اس لئے کہ نصوص کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور قیاس کی دلالت ظنی ہوتی ہے اس لئے حدود اور کفارات کا اثبات اول (دلالۃ النصوص) کے ساتھ صحیح ہوتا ہے اور ثانی (قیاس) کے ساتھ نہیں) اس عبارت پر محشی لکھتے ہیں "فَاِنَّہٗ لَا بُدَّ لِاِثْبَاتِ الْحُدُوْدِ وَالْکَفَّارَاتِ مِنْ دَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ لِاَنَّھَا تَنْدَرِءُ بِالشُّبُھَاتِ وَالْقِیَاسُ دَلِیْلٌ فِیْہِ شُبْھَۃٌ"

(نور الانوار ص:۱۵۳)

(بیشک حدود اور کفارات کے اثبات کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں اور قیاس ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہوتا ہے) اس پر مزید ایک اعتراض و جواب بایں الفاظ ذکر کرتے ہیں "فَاِنْ قِیْلَ اِنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ ظَنِّیٌّ فِیْہِ شُبْھَۃٌ مَعَ اَنَّہٗ یُثْبَتُ بِہِ الْحُدُوْدُ وَالْکَفَّارَاتُ" (اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے اس میں شبہ پایا جاتا ہے اس کے باوجود اس سے حدود اور کفارات ثابت ہوتے ہیں) تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ دلیل قیاس ظنی ہے اس میں شبہ پایا جاتا ہے اس لئے اس سے حدود ثابت نہیں ہو سکتیں؟ "قُلْتُ اِنَّ الشُّبْھَۃَ فِیْہِ اِنَّمَا ھُوَ فِیْ طَرِیْقِ ثُبُوْتِہٖ لَا فِیْ اَصْلِہٖ فَاِنَّہٗ فِی الْاَصْلِ مِنَ السُّنَّۃِ بِخِلَافِ الْقِیَاسِ فَاِنَّ فِیْ اَصْلِہٖ شُبْھَۃً" (مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے فرمایا کہ خبر واحد میں شبہ اس کے طریقہ ثبوت میں ہے (یعنی شبہ اس کی سند میں ہے) نہ کہ اس کی اصل میں کیونکہ اصل میں تو وہ سنت ہے مگر اس کے برعکس قیاس کی اصل میں شبہ ہے) تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ خبر واحد کو قیاس پر قیاس کرتے ہوئے حدود کے اثبات کے ذرائع سے نکالا نہیں جا سکتا اور نہ ہی قیاس سے خبر واحد کی بنا پر حدود ثابت کی جا سکتی ہیں اب آیئے دیکھیں کہ کون سی حدود قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور کون سی اجماع امت سے تو جاننا چاہئے کہ حدود چار ہیں نمبر۱۔ حد زناء نمبر۲۔ حد قذف نمبر۳۔ حد سرقہ نمبر۴۔ حد شرب۔ ان سے پہلی تین قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ اور آخری حد شرب اجماع صحابہ سے ثابت ہے ہر ایک کا بیان درج ذیل ہے۔

نمبر۱ حد زنا

رب کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

(النور:۲پ:۱۸)

ترجمہ

(جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درے لگاؤ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں ان دونوں پر (ذرا) رحم نہ آئے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ اہل ایمان کا ایک گروہ دونوں کی سزا کا مشاہدہ کرے)

تمام افعال بد میں سب سے زیادہ قبیح اور غلیظ عمل زنا کا ارتکاب ہے کیونکہ اس سے شرم وحیا کی چادر تار تار ہو جاتی ہے ہر رذیل حرکت کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔ اور غیرت وحمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے اس لئے پروردگار عالم نے اس فعل شنیع کی ایسی شدید اور عبرتناک سزا تجویز فرمائی جس میں کسی نوعیت کی نرمی برتنے کا اختیار نہیں دیا گیا یہ سزا مرد وعورت ہر دو کے لئے مساوی ہے جنسی تفاوت کے باوجود سزا میں تفاوت نہیں رکھا گیا البتہ مرد و زن کی نوعیت مختلف ہونے کی بناء پر سزا بھی مختلف تجویز کی گی ہے یعنی شادی شدہ کی سزا رجم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے ہیں۔ گو تصوراتی طور پر یہ سزائیں انتہائی اذیت ناک ہیں مگر ایسی سزا جس کے نفاذ کے باوجود مجرم کو اپنے کئے کا احساس نہ ہو اور دیکھنے والوں کیلئے اس میں درس عبرت نہ ہو وہ کیسی سزا ہے؟ بلکہ اسے تو سزا کا نام دینا بھی زیادتی کے مترادف ہے یہ شرعی سزاؤں کا طرہ امتیاز ہے کہ اگر انہیں کماحقہ اپنایا جائے تو پھر مجرم کو آئندہ ارتکاب جرم کی جرات نہیں ہوتی اور دیکھنے والے اس مہیب منظر کا نظارہ کرنے کے بعد ایسے جرائم کا نام لینے سے بھی گھبراتے ہیں۔

چونکہ یہ سزا انتہائی شدید اور سنگین ہے اس لئے اس کے ثبوت کا طریقہ کار بھی انتہائی محتاط ہے ہر عامی یہ جرات نہیں کر سکتا کہ جب چاہے کسی کے خلاف بیان بازی کر کے اسے یہ سنگین سزا دلوا دے۔ شریعت نے اسے ثابت کرنے کے لئے دو طریقے مقرر کئے ہیں۔

نمبر۱ اقرار۔ نمبر۲ شہادت

نمبرا اقرار

اس کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم بنفسہ قاضی کے پاس حاضر ہو کر اپنی زبان سے فعل زنا کے ارتکاب کا چار مرتبہ اقرار کرے جیسا کہ ماعز بن مالک اسلمی نے بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا رخ زیبا دوسری سمت پھیر لیا اور فرمایا" وَيْحَكَ ارْجِعْ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ "(اے جوان واپس چلا جا اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کر) جب اس نے تیسری بار اقرار کر لیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے متنبہ کیا کہ اگر تو نے چوتھی بار بھی اقرار کر لیا تو تجھے رجم کر دیا جائیگا مگر اس نے چوتھی بار بھی کہہ دیا "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ زَنَيْتُ"(یارسول اللہ میں نے برائی کا ارتکاب کیا ہے) مجھے پاک فرمادیجئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْغَمَزْتَ اَوْنَظَرْتَ"(شاید تو نے فقط بوسہ لیا ہو یا صرف نظر بازی کی ہو) مگر وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اَبِكَ جُنُوْنٌ "(کیا تو مجنون ہے) اس نے کہا "لا" ایسا نہیں۔ پھر فرمایا "هَلْ اُحْصِنْتَ" (کیا تو شادی شدہ ہے) اس نے کہا "نَعَمْ" جی ہاں۔ "فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبُوْابِهٖ فَارْجُمُوْهُ"(تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسے لے جاؤ اور رجم کر دو) عمدۃ القاری ج:۲۳ص:۲۹۳)(ضیاء القرآن ج:۳ ص:۲۸۹)

نمبر۲ شہادت

اس فعل شنیع کے ثبوت کا دوسرا ذریعہ شہادت ہے مگر دیگر معاملات کے برعکس چونکہ یہ فعل انتہائی رسوا کن اور شرمناک ہے اس پر مرتب ہونے والی سزا انتہائی سنگین ہے اس لئے اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے دو کی بجائے چار ایسے گواہ پیش کرنے ضروری ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی آنکھوں سے مرد اور عورت کو اس حالت میں دیکھا ہو کالمیل فی المکحل "(جیسے سلائی سرمہ دانی میں) "والرشاء فی البئر" (اور رسی کنوئیں میں) ورنہ یہ دعوی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور پھر ان کی عدالت کردار اور خصائل وغیرہ کے بارے سرا" اور جہرا" تحقیق کرنا قاضی کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔

رجم کی شرائط

احناف کے نزدیک رجم کی سزا کے لئے مجرم میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

نمبرا (الحریۃ) آزاد ہونا۔ نمبر۲ "(العقل)" عقلمند ہونا۔ نمبر۳ "(البلوغ)" بالغ ہونا۔ نمبر۴ "(الاسلام)" مسلمان ہونا۔ نمبر۵ "(الوطی)" عمل وطی کا پایا جانا۔ نمبر۶ "(الوطی بنکاح صحیح)" زانی کا اس سے قبل نکاح صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے وطی کر چکنا۔ نمبر۷ "(کونہما محصنین)" زوجین کا محصن ہونا)(عمدۃ القاری ج:۲۳ص:۲۹۰' شرح وقایہ ج:۲ص:۲۷۹۔ مظہری ج:۷ص:۴۲۴)

مذکورہ شرائط میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام 'مجنون' نابالغ 'غیر مسلم' صرف بوسہ و دیگر دواعی الی الوطی اعمال 'نکاح فاسد اور زوجین میں سے کسی ایک کے غیر محصن ہونے کی صورت میں رجم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

رجم کا ثبوت

رجم کی سزا حدیث طیبہ سے ثابت ہے اور اس پر صحابہ کرام اور فقہائے امت کا اجماع ہے جیساکہ حضرت عمرفاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قَالَ اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ الْکِتَابَ وَکَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اٰیَۃَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَہٗ وَالرَّجْمُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ حَقٌّ عَلٰی مَنْ زَنٰی اِذَا اُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ النِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَیِّنَۃُ اَوْ کَانَتِ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ" (مظہری ج:۶ص:۴۲۴)

(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب (قرآن کریم) نازل فرمائی اور اس میں اللہ تعالی نے آپ پر آیہ رجم بھی نازل فرمائی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ایسے آدمی کے لئے کتاب اللہ کے حکم کے مطابق رجم کا حکم دینا حق ہے جس نے زنا کیا بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو چاہے مرد ہو یا عورت جبکہ اس کے خلاف گواہ قائم ہو جائیں یا وہ عورت (مزنیہ) حاملہ ہو جائے یا زانی اس کا اعتراف کرے)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں "اِذَا کَانَ الزَّانِیْ وَالزَّانِیَۃُ مُحْصِنَیْنِ یُرْجَمَانِ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَۃِ وَمَنْ بَعْدَھُمْ مِنْ عُلَمَاءِ النَّصِیْحَۃِ"
(تفسیر مظہری ج:۶ص:۴۲۴)

(جب زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں محصن ہوں تو انہیں رجم کیا جائیگا اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد آنے والے علماء محققین کا اجماع ہے)

مزید فرماتے ہیں "قَالَ عُلَمَاءُ الْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ وَقَدْ جَرٰى عَمَلُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بِالرَّجْمِ مَبْلَغَ حَدِّ التَّوَاتُرِ" (مظہری ج ۳ ص ۳۲۴)

(علماء فقہ و حدیث نے کہا ہے کہ خلفاء راشدین کا رجم پر عمل حد تواتر تک پہنچ چکا ہے) المختصر زیر بحث قاعدہ کے مطابق احناف کے نزدیک حد زنا کتاب اللہ کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اور اسی ضمن میں رجم کی سزا سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے لہذا اب اس فعل زنا پر قیاس کرتے ہوئے کسی اور فعل مثلاً لواطت وغیرہ کے لئے یہ حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی بذریعہ قیاس کسی کو اس میں کمی و بیشی کا اختیار ہے کیونکہ یہ ایک امر توقیفی ہے اور اس پر جوں کا توں عمل کرنا ضروری ہے۔

نمبر۲ حد قذف

کسی پاکدامن انسان پر زنا کی تہمت لگانے کے عوض شرعاً جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ حد قذف کہلاتی ہے چونکہ فعل زنا کی طرح کسی پاکدامن انسان پر زنا کی تہمت لگانا بھی حد درجہ کی غلیظ حرکت ہے اس لئے خالق کائنات نے اس کی سزا بھی امام وقت کے سپرد نہیں کی بلکہ اپنی جناب خاص سے اس کے لئے ایسی فیصلہ کن اور سبق آموز سزا کا تعین کر دیا کہ اول تو ایسے جرم کے ارتکاب کی کسی کو جرات ہی نہ ہو اور اگر کوئی ایسا کرے تو پھر یا تو اپنا دعوی چار شاہدوں کی عینی شہادت سے ثابت کرے یا پھر ایسی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے جس میں دیکھنے والوں کے لئے سامان عبرت موجود ہے رب کریم ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○" (النور ۴، ۵ پ ۱۸)

ترجمہ:۔

(اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے لگاؤ اور ہمیشہ کے لئے ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرنا اور وہی لوگ فاسق ہیں مگر ان میں سے وہ لوگ جو بہتان لگانے کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔)

حد قذف لگانے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تہمت زنا کی لگائی جائے اور وہ بھی الفاظ صریح کے ساتھ ہو جیسے "زَنَیْتَ یَازَانِیْ لَسْتَ لِاَبِیْکَ" وغیرہ

یہ سزا صرف عورتوں کے ساتھ مختص نہیں جیساکہ آیت میں موجود لفظ محصنت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں "اَلْمُرَادُ بِالْاِحْصَانِ ھٰھُنَا بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَآءِ اَنْ یَّکُوْنَ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا عَفِیْفًا غَیْرَ مُتَّھَمٍ بِالزِّنٰی" (مظہری ج:۶ ص:۴۳۵)

(یعنی یہاں احصان کا معنی یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلم اور پاکدامن ہو اور اس پر زنا کی تہمت کبھی نہ لگائی گئی ہو) "ھکذافی الکنز وشرح الوقایہ" اگر مقذوف نے قاذف کے خلاف دو گواہوں کے ساتھ دعویٰ قذف ثابت کردیا تو قاذف کو تین سزائیں دی جائیں گی۔

نمبر۱۔ اسے اسی درے لگائے جائیں گے۔

نمبر۲۔ آئندہ ہمیشہ کے لئے مالی حقوق میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

نمبر۳۔ اسے فاسق قرار دیا جائیگا۔ اگر بعد میں اس نے خلوص نیت کے ساتھ توبہ کرلی تو اس سے حد قذف تو ساقط نہیں ہوگی البتہ فسق کے سبب قیامت کے دن دی جانے والی سزا معاف ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود احناف کے نزدیک وہ مردود الشہادۃ ہی رہے گا۔

حد قذف قرآن پاک کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اور خلفاء راشدین کا عمل اس کے عین مطابق تھا جیساکہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف دعویٰ زنا دائر کیا گیا اور اس پر بطور گواہ ابو بکرہ، نافع اور شبل بن معبد پیش ہوئے مگر جب چوتھے گواہ زیادکی باری آئی تو اس نے عینی شہادت دینے سے انکار کردیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں پہلے تینوں کو حد قذف لگائی اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہ کیا۔ جیساکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں "رَوَی الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ

وَالْبَیْهَقِیْ وَاَبُوْ نُعَیْمٍ فِیْ الْمَعْرِفَةِ وَاَبُوْ مُوْسٰی فِیْ الدَّلَائِلِ مِنْ طُرُقٍ اَنَّهٗ شَهِدَ عِنْدَ عُمَرَ عَلَی الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ بِالزِّنٰی اَبُوْ بَکْرَةَ وَنَافِعٌ وَشِبْلُ بْنُ مَعْبَدٍ وَلَمْ یُصَرِّحْ بِهٖ زِیَادٌ وَکَانَ رَابِعُهُمْ فَجَلَدَ عُمَرُ الثَّلَاثَةَ وَکَانَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیْهِ اَحَدٌ" (تفسیر مظہری ج ۶ ص:۴۴۶)

مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ حد قذف قرآن پاک اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے پس اس میں نہ تو کسی کو ترمیم کا اختیار ہے اور نہ بذریعہ قیاس یہ حد کسی اور تہمت کے سبب جاری کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نمبر ۳ حد سرقہ

پروردگار عالم نے اپنی مقدس کتاب میں کئی مرتبہ بندوں کو مختلف ذرائع کے ساتھ حلال روزی کمانے کی ترغیب دی ہے لہٰذا جو انسان انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ مال کماتا ہے اسے ہی یہ حق بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہی اس سے نفع حاصل کرے کسی اور کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر مال اٹھالے اور اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرنے لگے۔ ایسا کرنا ظلم عظیم ہے۔ اسی لئے خالق کائنات نے مال چوری کرنے والے کے لئے سزا خود متعین فرمائی اور کسی کو اس میں کمی و بیشی کا اختیار نہیں دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ" (المائدہ:۳۸ پ:۶)

ترجمہ

(اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ جو انہوں نے کیا اس کا بدلہ دینے کے لئے انکے ہاتھ کاٹو (اور) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے) اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوا کہ جو بھی چوری کرے گا بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تاکہ وہ دوسروں کے لئے بھی باعث عبرت بن جائے۔ آیت طیبہ میں لفظ سارق استعمال ہوا ہے جو "سَرِقَةٌ" سے مشتق ہے اور سرقہ کا لغوی معنی یہ ہے "اَخْذُ الشَّیْءِ خُفْیَةً بِغَیْرِ اِذْنِ صَاحِبِهٖ مَالًا کَانَ اَوْ غَیْرَهٗ" (عمدۃ القاری ج:۲۳ ص:۲۷۷) (مالک کی اجازت کے بغیر چھپ کر کوئی چیز لے لینا چاہے وہ مال ہو یا کوئی اور ہو)

شرعی مفہوم

"هِيَ اَخْذُ مُكَلَّفٍ خُفْيَةً قَدْرَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً مُحْرَزَةً بِمَكَانٍ اَوْ حَافِظٍ" (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷' کنزالدقائق ص ۱۹۳)

(سرقہ سے مراد کسی مکلف آدمی کا دس صحیح دراہم کی مقدار مال چھپ کر اٹھالینا ہے درآنحالانکہ وہ کسی مکان میں محفوظ ہو یا کسی محافظ کی حفاظت میں ہو) اس تعریف میں غور کرنے سے سارق کا مفہوم یہ بنتا ہے "اَلسَّارِقُ عِنْدَ الْعَرَبِ هُوَ مَنْ جَاءَ مُسْتَتِرًا اِلَى حِرْزٍ فَاَخَذَ مِنْهُ مَا لَيْسَ لَهٗ" (قرطبی' مظہری ج : ۳ ص : ۹۵۔ ضیاالقرآن ج ا ص ۴۶۷)

(اہل عرب کے نزدیک سارق وہ ہوتا ہے جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں) سرقہ اور سارق کی تعریف میں غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سارق پر قطع ید کی سزا کے نفاذ کے لئے اس میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے نمبرا۔ وہ بالغ ہو۔ نمبر۲ عاقل ہو۔ نمبر۳ کسی اعتبار سے مال مسروقہ کے کل یا جز کا مالک نہ ہو۔ نمبر۴ احناف کے نزدیک مال مسروقہ کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ جیساکہ اس شرط کے بارے میں امام نووی شرح مسلم میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابُهٗ لَا تُقْطَعُ اِلَّا فِيْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ اَوْ مَا قِيْمَتُهٗ ذَالِكَ" (مسلم شریف ج : ۲ ص ۶۳)

اسی طرح شرح وقایہ میں ہے "وَنِصَابُهَا قَدْرُ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ" (شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۱۵)

(کہ سرقہ کا نصاب دس درہم کی مقدار ہے) و ھکذافی کنزالدقائق۔

نمبر۵ مال مسروقہ محفوظ مکان میں ہو یا اس کی حفاظت کے لئے محافظ موجود ہو۔ علاوہ ازیں بھی متعدد شرائط کتب فقہ میں بالتفصیل موجود ہیں۔

مذکورہ تمام شرائط کے ہوتے ہوئے جب دو گواہوں کی شہادت سے سارق کے خلاف دعوی ثابت ہو جائے تو اس کے لئے قطع ید کا حکم دیا جائے گا حد ثابت ہو جانے کے بعد اسے معاف کرنے کا اختیار کسی کو حاصل نہیں بلکہ قاضی پر اس کا نفاذ لازم ہو جاتا ہے جیساکہ حضور

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت سے ثابت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فاطمہ مخزومیہ کے لئے چوری کے عوض قطع ید کا حکم ارشاد فرمایا تو اس کے اہل خانہ حضرت اسامہ بن زید کے پاس حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں سفارش کی التجا کی جب حضرت اسامہ نے بارگاہ نبوت میں التجا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"يَا أُسَامَةُ لَا أَرَاكَ تُكَلِّمُنِيْ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ"

(اے اسامہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو میرے ساتھ اللہ کی حدود میں سے کسی کے متعلق سفارش کرے)

"ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ قَطَعُوْهُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَقَطَعْتُ يَدَهَا فَقَطَعَ يَدَ الْمَخْزُوْمِيَّةِ" (مظہری ج۳ ص۹۲)
(مسلم ج۲ ص۶۴)

(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بیشک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی طاقتور چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر اس کی جگہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا پھر مخزومیہ کا ہاتھ کاٹ دیا)

سارق کا ہاتھ کاٹنے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جیسا کہ امام نووی فرماتے ہیں "فَقَدْ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى قَطْعِ السَّارِقِ" (مسلم ج۲ ص۶۳)

مذکورہ وضاحت سے یہ ثابت ہوا کہ قطع ید کی حد نص قرآنی، سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے لہٰذا قیاس کے ذریعے اس میں تغیر و تبدل کا کسی کو اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی بذریعہ قیاس سارق کے علاوہ غاصب اور نباش وغیرہ پر یہ حد جاری کی جاسکتی ہے۔

۴۔ حد شرب

عقل اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کے بغیر انسان بیکار محض ہے کیونکہ انسان اپنے

تمام تر امور معاش عقل کے بل بوتے پر ہی سرانجام دیتا ہے اور حسن و قبح کا شعور بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ اشیا جو اس نعمت عظمیٰ کے سلب کا سبب بنیں شریعت اسلامیہ میں ان کا استعمال قطعاً حلال نہیں ہو سکتا ان میں سب سے زیادہ مضر خمر (شراب) ہے اس کا استعمال نزول قرآن کے وقت عرب معاشرے میں عام تھا رب قدوس کو قطعاً یہ گوارہ نہ تھا کہ اس کے بندے عقل جیسی عظیم نعمت کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک کریں اس لئے تدریجاً شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا۔

ایک دن حضرت فاروق اعظم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں شراب کے متعلق حکم ارشاد فرمایئے "فَاِنَّهَا مُذْهِبَةٌ لِلْعَقْلِ وَمُسْلِبَةٌ لِلْمَالِ" (بیشک یہ عقل کو زائل کرنے والی اور مال کو ضائع کرنے والی ہے) تو اس وقت رب العالمین نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" (البقرہ ۲۱۹ پ ۲)

ترجمہ

(وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے پوچھتے ہیں آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ فائدے سے بہت بڑا ہے) اس حکم کے بعد بعض شریف طبائع نے اس سے نجات حاصل کر لی پھر ایک دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے صحابہ کرام کو کھانے پر دعوت دی اور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا ابھی وہ اس کے نشے میں جھوم ہی رہے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا ان میں سے ایک مصلی امامت پر کھڑا ہوا اور سورہ کافرون کی تلاوت کرتے ہوئے "لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" کی بجائے "اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھ دیا پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" (النساء ۴۳ پ ۵)

(اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو) اس ارشاد گرامی کے بعد ان کا معمول یہ بنا کہ وہ صرف رات کے وقت عشاء کی نماز کے بعد اور صبح فجر کی نماز کے بعد شراب پیتے تھے۔ مگر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت عتبان بن مالک نے ایک دعوت کا انتظام کیا کھانے کے بعد جام شراب گردش میں آیا

اور حاضرین کو خمار آنے لگا اور اسی مدہوشی کی کیفیت میں اپنے اپنے قبیلوں کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے اسی دوران کسی نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا یہ سن کر ایک انصاری اٹھا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اس کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا جب یہ شکایت بارگاہ رسالت میں کی گئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی "اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا" (اے اللہ شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما) تو پھر یہ حتمی حکم نازل ہوا "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (المائدہ: ۹۰ پ: ۷)

ترجمہ

(اے ایمان والو یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پا جاؤ) اسی واضح حکم کے ساتھ شراب کیلئے "حرام ہوگئی اور اس کا استعمال ممنوع ہوگیا۔

لفظ خمر کا مفہوم

آیت طیبہ میں لفظ خمر استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے اَلْخَمْرُ کُلُّ شَرَابٍ مُّسْکِرٍ وَھٰذِہِ التَّسْمِیَۃُ لُغَوِیَّۃٌ وَّشَرْعِیَّۃٌ" (ضیاالقرآن ج ۱ ص نمبر ۵۰۸)

ہر مدہوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں اور یہی اس کا لغوی اور شرعی معنی ہے۔ وَ قَالَ الْجُمْھُوْرُ "اِسْمُ الْخَمْرِ لُغَۃً" لِکُلِّ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ" (مظہری ج ۱: ص: ۲۶۵)

(جمہور کا قول ہے کہ خمر سے مراد لغۃ "ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے) اور علامہ پانی پتی اپنی تحقیق بیان فرماتے ہیں "وَالتَّحْقِیْقُ عِنْدِیْ اَنَّ الْخَمْرَ لَفْظٌ مُّشْتَرَکٌ بَیْنَ الْخَاصِّ وَالْعَامِّ اِمَّا حَقِیْقَۃً وَّاِمَّا لِعُمُوْمِ الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ فِی الْاٰیَۃِ ھُوَ الْمَعْنَی الْاَعَمُّ"

(میری تحقیق یہ ہے کہ لفظ خمر عام اور خاص معنی کے درمیان مشترک ہے خاص معنی میں اس کا استعمال حقیقت ہے اور عام میں مجاز ہے اور آیت طیبہ میں اس سے مراد عام معنی ہے)"

وَقَالَ صَاحِبُ الْقَامُوْسِ "اَلْخَمْرُ مَااَسْكَرَ مِنْ عَصِيْرِ الْعِنَبِ اَوْعَامٍ وَالْعُمُوْمُ اَصَحُّ"
(خمر سے مراد یا تو مدہوش کر دینے والی انگوری شراب ہے یا پھر کوئی بھی نشہ لانے والی شئی عام معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے)

مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ خمر سے مراد صرف انگور سے کشید کی ہوئی شراب نہیں بلکہ ہر وہ شئی ہے جو نشہ کی کیفیت طاری کر دے اس معنی کی تائید حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ "رواہ مسلم۔ (نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نشہ آور شئی حرام ہے اور ہر نشہ والی شئی خمر ہے)

شراب کا حکم

جب یہ ثابت ہو چکا کہ خمر کا اطلاق ہر نشہ آور مشروب پر ہوتا ہے اور اس کے نجس اور حرام ہونے کا قطعی حکم قرآن پاک کی عبارۃ النص سے ثابت ہے تو اس کے باوجود جس نے شراب پی اسے شرعی حد لگائی جائے گی۔ جیسا کہ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں "اِذَا ثَبَتَ اَنَّ اِسْمَ الْخَمْرِ تَعُمُّ الْاَشْرِبَةَ الْمُسْكِرَةَ فَثَبَتَ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ اَنَّ مَااَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ وَنَجَسٌ فَيُحَدُّ شَارِبُهٗ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَ (مظہری ج ۳ ص ۳۹۴)
اور امام نووی فرماتے ہیں وَاَمَّا الْخَمْرُ فَقَدْ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى تَحْرِيْمِ شُرْبِ الْخَمْرِ وَاَجْمَعُوْا عَلٰى وُجُوْبِ الْحَدِّ عَلٰى شَارِبِهَا سَوَاءٌ شَرِبَ قَلِيْلًا اَوْكَثِيْرًا" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳)
(شراب پینے کی حرمت پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے اور شراب پینے والے پر حد کے وجوب پر بھی اجماع ہے چاہے وہ کم پئے یا زیادہ)
اسی طرح شرح وقایہ میں موجود ہے "اِنَّ حَدَّ الشُّرْبِ اِنَّمَا ثَبَتَ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ" (شرح وقایہ ج ۲ ص: ۳۰۰) (بیشک شراب کی حد اجماع صحابہ سے ثابت ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ شراب پینے والے کی سزا حد ہے اور اس پر

اجماع امت ہے۔

حد شرب کے ثبوت کی شرائط

حد شرب کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ "كَوْنُ رِيحِ الْخَمْرِ مَوْجُوْدًا فِيْ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ" (شراب پینے والے کے منہ میں اس کی بو کا موجود ہونا)

(۲) وُجُوْدُ السُّكْرِ فِيْ غَيْرِ الْخَمْرِ مِنَ الْأَشْرِبَةِ الْمُحَرَّمَةِ "(خمر کے علاوہ کوئی اور حرام مشروب پینے کی صورت میں نشہ کا موجود ہونا)

(۳) "شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ إِقْرَارُ الشَّارِبِ مَرَّةً وَاحِدَةً" (دو مردوں کا شہادت دینا یا پینے والے کا ایک بار اقرار کرنا)

(۴) أَنْ يَكُوْنَ شُرْبُهُ طَوْعًا لِأَنَّ الشُّرْبَ مُكْرَهًا لَا يُوْجِبُ الْحَدَّ' (اپنی رضا مندی (پسند) کے ساتھ شراب پینا کیونکہ اگر اسے بالاکراہ پلائی گئی تو پھر حد واجب نہیں ہوگی۔

(۵) "أَنْ يَكُوْنَ صَاحِيًا مِنَ السُّكْرِ لِيُفِيْدَ الضَّرْبُ فَائِدَةً" (حد لگاتے وقت شرابی کا نشہ سے صحیح ہونا تاکہ ضرب اس کے لئے نفع مند ثابت ہو)(حاشیہ کنزالدقائق ص: ۱۸۷)

مذکورہ شرائط میں سے کسی کی عدم موجودگی میں حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

حد شرب کی مقدار

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقدس زمانہ میں شراب پینے والے کو کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں کے ساتھ سزادی جاتی تھی اور خلیفہ رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شرابی کو چالیس درے لگائے جاتے تھے جیسا کہ روایت موجود ہے "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيْدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ أَبُوْبَكْرٍ أَرْبَعِيْنَ" (عمدۃ القاری ج:۲۳ص:۲۶۴)

اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ اور کئی دیگر احباب نے کہا ہے "إِنَّ حَدَّ السُّكْرَانِ أَرْبَعُوْنَ سَوْطًا" (کہ نشے والے کی حد چالیس درے ہے)

مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایسا واقعہ پیش آیا تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کران سے رائے طلب کی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اخف الحدود (حد قذف) کے مطابق اسی دروں کا مشورہ دیا لہٰذا آپؓ نے اسی دروں کا حکم صادر کردیا۔ جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں "فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اِسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ اَخَفُّ الْحُدُوْدِ ثَمَانِيْنَ فَاَمَرَ بِهٖ عُمَرُ" (شرح صحیح مسلم ج:۲ ص:۷۱)

اسی سلسلہ کی دوسری روایت اس طرح ہے "فَقَالَ عُمَرُ مَاذَا تَرَوْنَ فَقَالَ عَلِیٌّ اِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَاِذَا سَكِرَ هَذٰى وَاِذَا هَذٰى افْتَرٰى وَعَلَى الْمُفْتَرِیْ ثَمَانُوْنَ جَلْدَةً فَاَمَرَ عُمَرُ فَجَلَدَهٗ ثَمَانِيْنَ اَیْ حَدَّ السَّكْرَانِ ثَمَانِيْنَ سَوْطًا" (عمدہ القاری ج: ۲۳ ص: ۲۶۶، شرح وقایہ ج: ۲ ص: ۲۹۹، کنزالدقائق بحوالہ دار قطنی ص ۱۸۷)

(حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا شرابی کی سزا کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ شراب پیتا ہے تو نشے میں ہو جاتا ہے۔ اور جب نشے میں ہوتا ہے تو ہذیان (بکواسات) بکتا ہے۔ اور جب ایسا کرتا ہے تو وہ افترا (جھوٹی تہمت) باندھتا ہے اور مفتری کی سزا اسی درے ہے) اسی پر تمام صحابہ نے اجماع کیا اور یہی اجماع احناف کے نزدیک شرابی کی حد اسی درے ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں وَنَقَلَ الْقَاضِیْ عَنِ الْجُمْهُوْرِ مِنَ السَّلَفِ وَالْفُقَهَاءِ مِنْهُمْ مَالِكٌ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْاَوْزَاعِیْ وَالثَّوْرِیْ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهُمْ قَالُوْا حَدُّهٗ ثَمَانُوْنَ وَاحْتَجُّوْا بِاَنَّهُ الَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ" (شرح مسلم ج:۲ ص:۷۱)

(قاضی عیاض نے جمہور اسلاف اور فقہا جن میں امام مالک، امام ابوحنیفہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاقؒ وغیرہ شامل ہیں سے نقل کیا ہے کہ ان تمام نے کہا کہ شراب کی حد اسی درے ہے اور انہوں نے استدلال اس عمل سے کیا ہے جس پر صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا ہے) اور علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں "وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَالشَّعْبِیُّ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ وَاَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ فِیْ رِوَايَةٍ

ثَمَانُوْنَ سَوْطًا وَرُوِيَ ذَالِکَ عَنْ عَلِيٍّ وَخَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ قَالَ اَبُوْ عُمَرَ اَلْجُمْهُوْرُ مِنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ عَلٰى اَنَّ الْحَدَّ فِيْ الشُّرْبِ ثَمَانُوْنَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِکٍ وَالثَّوْرِيْ وَالْاَوْزَاعِيْ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ وَالْحَسَنِ بْنِ حَيٍّ وَاِسْحَاقَ وَاَحْمَدَ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيْ وَقَالَ اتَّفَقَ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ عَلَى الثَّمَانِيْنَ فِيْ حَدِّ الْخَمْرِ وَلَا مُخَالِفَ لَهُمْ مِنْهُمْ وَعَلٰى ذَالِکَ جَمَاعَةُ التَّابِعِيْنَ وَجُمْهُوْرُ فُقَهَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ " (عمدہ القاری ج۲۳ ص۲۶۶)

(حضرت امام حسن بصریؒ' شعبیؒ' ابو حنیفہؒ' ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا اور امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ شراب کی حد اسی درے ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ' خالد بن ولید اور معاویہ بن ابی سفیان سے بھی یہی مروی ہے ابو عمر نے کہا کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک شراب کی حد اسی درے ہے یہی قول امام مالک' ثوری' اوزاعی' عبید اللہ بن حسن' حسن بن حی' اسحاق اور احمد رحمہم اللہ علیہم کا ہے اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں شراب کی حد اسی درے ہونے پر صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا ہے اور کسی صحابیؓ نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اسی کے مطابق جمیع تابعین اور جمہور فقہاء کا عمل ہے۔

۱ مذکورہ حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ شراب کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور حد شرب اجماع صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ لہٰذا بعد ازاں کسی کو بذریعہ قیاس کمی و بیشی کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی کسی اور جرم کے لئے یہ حد نافذ کرنے کا اختیار ہے۔

نوٹ: حدود کی مذکورہ بالا تمام مباحث میں غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بذریعہ قیاس ثابت نہیں بلکہ پہلی تین قرآن پاک' سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہیں اور چوتھی صرف اجماع سے ثابت ہے۔ ان تمام سے حاصل ہونے والی دلیل قطعی ہوتی ہے اور تمام شکوک و شبہات سے پاک ہوتی ہے لہٰذا ان حدود کے علاوہ کسی جرم کے لئے بذریعہ قیاس کوئی سزا بطور حد جاری نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ قیاس سے حاصل ہونے والی دلیل قطعی نہیں بلکہ ظنی ہوتی ہے اور شک و شبہ سے خالی نہیں ہوتی اور جو دلیل شبہ سے پاک نہ ہو اس سے حد ثابت نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب

قاعدہ نمبر ۷۷

: "اَلْحُدُوْدُ تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ"

ترجمہ:

(حدود شبہات سے ساقط کر دی جاتی ہیں)

حد کی تعریف:

"اَلْحُدُوْدُ جَمْعُ حَدٍّ وَهُوَ الْمَنْعُ لُغَةً"

(حدود حد کی جمع ہے اور اس کا لغوی معنی روکنا ہے)

وفی الشرع "اَلْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی" (عمدہ القاری ج:۲۳: ص:۲۶۴)

(اور شریعت میں حد سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالٰی کی جانب سے مقرر کی گئی ہو)

مذکورہ قاعدہ کے مطابق حد کے نفاذ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شبہات سے خالی ہو۔

اس قاعدہ کے متعلق علامہ ابن ہمام "فتح القدیر" میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "دَرْءُ الْحَدِّ بِالشُّبْهَةِ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ" (شبہ کے ساتھ حد کا ساقط ہونا مجمع علیہ (متفقہ) امر ہے)

اس اصول کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر ۱:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ" (مسند امام اعظم مترجم ص:۲۵۴)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہات سے حدود کو دور کرو)

نمبر۲:

"عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِدْفَعُوا الْحُدُوْدَ عَنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَا وَجَدْتُمْ لَہٗ مَدْفَعًا" (رواہ ابن ماجہ)

(حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں سے حدود دور کرو جبتک تم دور کرنے کا راستہ پاؤ)

نمبر۳:

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ وَجَدْتُمْ لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُّخْطِیَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یُّخْطِیَ فِی الْعُقُوْبَۃِ" (رواہ الترمذی)

(حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمانوں سے حدود دور کردو پس اگر تم کسی مسلمان کے لئے حد سے نکلنے کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو بیشک امام کے لئے معاف کرنے میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے)

شبہ کی تعریف:

"اَلشُّبْہَۃُ مَا یُشْبِہُ الثَّابِتَ وَلَیْسَ بِثَابِتٍ فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ"

شبہ سے مراد وہ شئے ہے جو ثابت ہونے والی شئے کے مشابہ ہو اور فی الحقیقت ثابت نہ ہو)(شرح وقایہ ج:۲ ص ۲۸۳، کنز الدقائق ص: ۱۸۲ مظہری ج ۱۲ ص: ۳۳۳)

شبہ کی اقسام:

شبہ کی تین قسمیں ہیں پہلی دو متفق علیہ ہیں اور تیسری مختلف فیہ ہے۔

نمبر۱۔ شبہ فی الفعل نمبر۲۔ شبہ فی المحل نمبر۳۔ شبہ فی العقد

نوٹ: شبہ کی یہ تینوں قسمیں حد زنا سے متعلق ہیں۔

ا۔ شبہ فی الفعل کی تعریف:

"اَلشُّبْهَةُ فِی الْفِعْلِ هِیَ اَنْ یَکُوْنَ وَقَعَ لِلْوَاطِیْ اِشْتِبَاهٌ فِیْ حُرْمَةِ الْفِعْلِ اَیْ نَفْسِ الْوَطْیِ" (شرح وقایہ ج:۲ ص:۲۸۳)

(شبہ فی الفعل سے مراد یہ ہے کہ واطی کے لئے حرمت فعل (نفس وطی کے حرام ہونے) میں اشتباہ پیدا ہو جائے) تو اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی اس قسم کا تعلق فعل وطی سے ہے نہ کہ محل وطی سے، بلکہ محل وطی کا حرام ہونا واطی کے نزدیک بالیقین ثابت ہوتا ہے۔

شبہ فی الفعل کا ثبوت:

"یَثْبُتُ بِظَنِّ غَیْرِ الدَّلِیْلِ دَلِیْلاً" (شرح وقایہ ج:۲ ص:۲۸۳)

(یہ شبہ غیر دلیل کو دلیل بنانے سے ثابت ہو جاتا ہے) یعنی یہ شبہ ایسے آدمی کے حق میں متحقق ہوتا ہے جس پر فعل کی حلت و حرمت مشتبہ ہو جائے اور ایسی دلیل موجود نہ ہو جو اس فعل کی حلت کا فائدہ دیتی ہو بلکہ اس نے ایسی شئے کو دلیل گمان کیا ہو جو در حقیقت دلیل نہ بن سکتی ہو اس شبہ کو شبہۃ الاشتباہ بھی کہتے ہیں۔

نوٹ:

اس شبہ میں حلت کا گمان ضروری ہے ورنہ یہ ثابت نہیں ہو گا۔

امثلہ نمبر ا:

ایسی عورت جو تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو اگر دوران عدت مرد نے اس گمان کے ساتھ وطی کر لی کہ ابھی تک حقوق نکاح باقی ہیں یعنی جس طرح اس کا نفقہ لازم ہے دوران عدت وہ کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی اور عدالت میں اس کی شاہد نہیں بن سکتی اسی طرح ابھی وطی کرنے کا حق بھی باقی ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی مگر اس کے برعکس اگر اسے وطی کے حرام ہونے کا یقین ہو تو پھر اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی یہ کہا "عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَیَّ فَوَجَبَ الْحَدُّ"

۲۔ ایسی عورت جس نے مال کے عوض طلاق لی ہو یعنی خلع کیا ہو اور مذکورہ گمان کے ساتھ ہی

مرد نے دوران عدت اس سے وطی کی تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ شبہ فی المحل کی تعریف:

"هِيَ أَنْ يَكُوْنَ وَقَعَ لِلْوَاطِئِ اِشْتِبَاهٌ فِيْ حُرْمَةِ الْمَحَلِّ بِقِيَامِ دَلِيْلٍ نَافٍ لِلْحُرْمَةِ ذَاتًا" (شرح وقایہ ج:۲ص:۲۸۵)

(شبہ فی المحل سے مراد یہ ہے کہ واطی کے لئے محل وطی کی حرمت میں ایسی دلیل کے سبب شبہ پیدا ہو جائے۔ جو ذاتی طور پر حرمت محل کے منافی ہو)

اس شبہ کا دوسرا نام شبہ حکمیہ ہے یعنی ایسا شبہ جو حکم شرعی سے ثابت ہوتا ہے۔

اس شبہ کی بنا پر حد ثابت نہیں ہوتی اگرچہ واطی یہ اقرار بھی کر رہا ہو کہ میں جانتا تھا وہ مجھ پر حرام ہے یعنی یہ کہے "عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ" "لِأَنَّ الْمَانِعَ هُوَ الشُّبْهَةُ فِيْ نَفْسِ الْحُكْمِ" (فقہ الاسلام) (کیونکہ نفس حکم میں شبہ حد جاری کرنے کے مانع ہے)

امثلہ: نمبر ۱:

ایسی عورت جو الفاظ کنایہ سے ہونے والی طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو اگر مرد نے دوران عدت اس سے وطی کر لی تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مابین اس طلاق کے حکم میں اختلاف ہے۔ "فَمَذْهَبُ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهَا رَجْعِيَّةٌ فَلَا يَزُوْلُ مِلْكُ الزَّوْجِ عَنْهَا فَأَوْرَثَ شُبْهَةً وَإِنْ كَانَ الْمُخْتَارُ قَوْلَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ أَنَّ الطَّلَاقَ بِالْكِنَايَاتِ بَائِنٌ" (حاشیہ کنز ص:۱۸۲)

(حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے اور زوج کی ملکیت اس سے زائل نہیں ہوتی پس اس نے شبہ پیدا کر دیا اگرچہ مختار قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے کہ الفاظ کنایات سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے) چونکہ صحابہ کرام کا مذکورہ اختلاف محل شبہ کی دلیل ہے اس لئے واطی کے حرمت کا اقرار کرنے کے باوجود اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

نمبر ۲۔ "مَنْ زُفَّتْ إِلَيْهِ غَيْرُ امْرَأَتِهِ فِيْ أَوَّلِ وَهْلَةٍ وَقَالَتِ النِّسَاءُ أَنَّهَا زَوْجَتُكَ لَا حَدَّ عَلَيْهِ إِجْمَاعًا وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ قَضٰى بِذٰلِكَ عَلِيٌّ رَضِيَ

اللّٰہُ عَنْہُ" (مظہری ج ۶ ص ۲۳۲، کنز الدقائق ص ۱۸۳)

(اگر کسی مرد کے ساتھ اس کی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت نے شب زفاف بسر کی اور مرد نے اس سے قبل اپنی منکوحہ نہ دیکھی ہو وہاں موجود عورتوں نے کہا یہی تمہاری بیوی ہے تو بلا جماع وطی کے سبب اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور اس پر مہر واجب ہو گا) اسی کے مطابق حضرت علیؓ نے فیصلہ فرمایا۔ اس مسئلہ میں عورتوں کی خبر شبہ فی المحل کی دلیل ہے کیونکہ انسان پہلی بار اپنی منکوحہ اور غیر کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا پس یہ ایسے شخص کی مثل ہے جسے دھوکہ میں ڈالا گیا ہو۔ مگر اس کے برعکس اگر کسی نے اجنبی عورت کو اپنے بستر پر پایا اور اپنی بیوی ہونے کے گمان سے اس سے وطی کر لی تو یہ گمان شبہ کا سبب نہیں بن سکتا لہٰذا اس پر حد جاری کی جائے گی۔ "لِاَنَّہٗ لَا اِشْتِبَاہَ بَعْدَ طُوْلِ الصُّحْبَۃِ فَلَمْ یَکُنْ ظَنُّہٗ مُسْتَنَدًا اِلٰی دَلِیْلِ الشُّبْھَۃِ" (کنز الدقائق ص: ۱۸۳: مظہری ج: ۶ ص: ۲۳۲)

(کیونکہ طویل صحبت کے بعد اشتباہ نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کا یہ گمان دلیل شبہ کے لئے کافی نہیں ہے)

نمبر ۳۔ شبہ فی العقد:

"ھِیَ الشُّبْھَۃُ الَّتِیْ وَقَعَتْ فِیْ اِنْعِقَادِ عَقْدِ النِّکَاحِ"

(وہ شبہ جو عقد نکاح کے انعقاد میں واقع ہوتا ہے شبہ فی العقد کہلاتا ہے)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شبہ کی یہ قسم ایسی عورتوں سے نکاح میں معتبر ہے جن سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہوتا ہے۔ مثلاً "ماں" خالہ اور بہن وغیرہ۔

ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد اگر وطی کی گئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک شبہ فی العقد کے سبب حد ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ یہ بھی کہے "عَلِمْتُ اَنَّھَا حَرَامٌ عَلَیَّ" (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۸۸)

اس مسئلہ میں آپ کی تائید حضرت امام زفر اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں موجود ہے۔ "وَمِنَ الشُّبْھَۃِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَزُفَرَ وَسُفْیَانَ الثَّوْرِیْ شُبْھَۃُ عَقْدٍ فَمَنْ نَکَحَ امْرَاَۃً لَا یَحِلُّ نِکَاحُھَا لَا یَجِبُ عَلَیْہِ حَدُّ الزِّنٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لٰکِنْ یَجِبُ عَلَیْہِ الْعُقُوْبَۃُ الْبَلِیْغَۃُ

الشَّدِیْدَۃُ" (تفسیر مظہری' ج:٦' ص:٤٣٢)
(امام ابو حنیفہ' زفر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ کی ایک قسم شبہ فی العقد ہے پس جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح حلال نہیں تو امام صاحب" کے نزدیک اس پر حد زنا واجب نہیں ہوگی۔ لیکن اسے شدید ترین سزا دی جائے گی۔
اسی طرح کنز الدقائق ص ۱۸۳ اور شرح وقایہ ج:۲ ص:۲۸۸ پر بھی موجود ہے۔
اور اس شبہ کی دلیل یہ بیان کی ہے "لِاَنَّ الْعَقْدَ صَادَفَ مَحَلَّہٗ لِاَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا یَقْبَلُ مَقْصُوْدَہٗ وَالْاُنْثٰی مِنْ بَنَاتِ اٰدَمَ قَابِلَۃٌ لِلتَّوَالُدِ وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ" (شرح وقایہ ج:۲' ص:۲۸۸)
(بیشک یہ عقد اپنے محل میں واقع ہوئی ہے کیونکہ محل تصرف وہ ہوتا ہے جو اپنے مقصود کو قبول کرتا ہے اور بنات آدم میں سے تمام عورتیں بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہیں اور عقد نکاح سے بھی یہی مقصود ہے)
"فَکَانَ یَنْبَغِیْ اَنْ یَنْعَقِدَ فِیْ حَقِّ جَمِیْعِ الْاَحْکَامِ اِلَّا اَنَّہٗ تَقَاعَدَ عَنْ اِفَادَۃِ حَقِیْقَۃِ الْحِلِّ فَیُوْرِثُ الشُّبْہَۃَ" (شرح وقایہ ج:۲ ص:۲۸۸)

ترجمہ:

(پس چاہئے تو تھا کہ اس کے جمیع احکام منعقد ہو جاتے مگر یہ عقد ایسی عورتوں کی حلت کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے اس نے شبہ پیدا کر دیا ہے) اسی طرح تفسیر مظہری ج:٦ ص:٤٣٣ پر بھی مذکور ہے۔ مگر اس کے برعکس صاحبین اور دیگر آئمہ ثلاثہ کا موقف یہ ہے کہ اگر واطی نے کہا مجھے اس کی حرمت کا علم تھا مگر حلت کے شبہ میں وطی کی تو اسے ضرور حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ عورتیں جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ وہ محل عقد بن ہی نہیں سکتیں اس لئے یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ تو پھر شبہ کا سوال کیسا؟ گویا یہ ایسے ہی ہے کہ عقد نکاح کے بغیر ہی اس نے وطی کی اس لئے اسے ضرور حد لگائی جائے گی۔
اور اگر عقد میں شبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی محرمات سے وطی کرنا زنا سے زیادہ غلیظ اور قبیح عمل ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ زنا کی حد ضرور جاری کی جائے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں "وَعِنْدَ مَالِکٍ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ یَجِبُ عَلَیْہِ حَدُّ الزِّنٰی اِنْ کَانَ عَالِمًا بِذٰلِکَ لِاَنَّہٗ وَطِیءَ فِیْ فَرْجٍ

مُجْمَعٌ عَلٰى تَحْرِيْمِهٖ مِنْ غَيْرِ مِلْكٍ وَلَا شُبْهَةِ مِلْكٍ وَالْوَاطِئُ اَهْلٌ لِلْحَدِّ عَالِمٌ بِالتَّحْرِيْمِ فَيَجِبُ الْحَدُّ كَمَا لَوْ لَمْ يُوْجَدِ الْعَقْدُ اِذِ الْعَقْدُ لَيْسَ لِشُبْهَةٍ لِاَنَّهٗ لَمْ يُصَادِفْ مَحَلَّهٗ لِاَنَّهٗ فِيْ نَفْسِهٖ خِيَانَةٌ يُوْجِبُ عُقُوْبَةً اِنْضَمَّتْ اِلٰى زِنًى فَلَمْ يَكُنْ شُبْهَةً كَمَا لَوْ اَكْرَهَهَا وَعَاقَبَهَا وَزَنٰى بِهَا وَلَوْ سَلَّمْنَا اَنَّ الْعَقْدَ شُبْهَةٌ وَالْوَطْئُ بِالشُّبْهَةِ لَمْ يَكُنْ زِنًى فَهُوَ اَغْلَظُ عَنِ الزِّنٰى فَاَحْرٰى اَنْ يَجِبَ فِيْهِ مَا يَجِبُ فِى الزِّنٰى" (تفسیر مظہری ج:۶ ص: ۴۳۲)

(حضرات امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر حد زنا واجب ہوگی بشرطیکہ وہ اس کی حرمت کو جانتا ہو۔ کیونکہ اس نے ایسی فرج میں وطی کی ہے جس کی حرمت پر ملکیت یا شبہ ملکیت نہ ہونے کے سبب اجماع ہے اور واطی حد کے قابل ہے حرمت کو جانتا ہے تو حد ضرور ثابت ہوگی۔ یہ اس طرح ہے گویا کہ عقد ہی نہیں گیا جبکہ اس عقد میں شبہ بھی نہیں کیونکہ یہ اپنے محل میں واقع ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ فی نفسہ خیانت ہے جو زنا کی مثل ہونے کے سبب سزا کو واجب کرتی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ہی ہے جیسا کہ اس نے عورت کو مجبور کیا اسے سزا دی اور اس کے ساتھ زنا کیا۔ اور اگر ہم عقد میں شبہ تسلیم بھی کرلیں اور کہیں کہ وطی بالشبہ زنا نہیں ہوتی تو پھر بھی یہ وطی زنا سے زیادہ غلیظ ہے۔ اور اس پر زنا کی سزا دینا زیادہ مناسب ہے۔)

اسی طرح کا حکم کنز الدقائق ص ۱۸۳ اور شرح وقایہ: ج ۲ ص ۲۸۸ پر بھی موجود ہے)

مذکورہ اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب" کے نزدیک محرمات سے نکاح اپنے محل میں واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک محلیت نے مراد حلت کو قبول کرتا نہیں بلکہ عقد کے مقاصد کو قبول کرنا ہے اور یہ عقد میں ثابت ہوتے ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ عقد اپنے محل میں واقع نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک محل عقد وہ ہو سکتا ہے جو عقد کا حکم قبول کرتا ہو اور عقد کا حکم حلت ہے جبکہ یہ عورتیں تمام حالات میں حرام ہوتی ہیں اس لئے اس میں صورۃً عقد تو ثابت ہے مگر انعقادِ عقد ثابت نہیں۔ (شرح وقایہ ج:۲ ص ۲۸۸)

اس اختلاف میں فقیہ ابو اللیث نے صاحبین" کا قول اختیار کیا ہے۔ "وَفِى الْخُلَاصَةِ الْفَتْوٰى عَلٰى قَوْلِهِمَا"

(اور خلاصہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے) اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ شبہ کا ثبوت من وجہ حلت کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ شبہ یقیناً "شبہ فی المحل" ہے لیکن محل کی حلت کسی بھی اعتبار سے ثابت نہیں (شرح وقایہ)

نمبر۲۔ حد سرقہ میں شبہ کی صورتیں:

اگر بیٹا یا پوتا اپنے باپ یا دادا کا مال چرالے یا اس کے برعکس باپ، دادا اپنے بیٹے یا پوتے کا مال اٹھالے تو قطع ید کی حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ" رواہ ابن ماجہ من حدیث جابر (مظہری ج ۶ ص: ۳۳۱)

(تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے) اس حدیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا نفس اور مال باپ کے لئے ہے اسی طرح پھر باپ کی ہر چیز بیٹے کے لئے ہوگی۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے شئے کا مالک ہونے کے شبہ سے وہ اٹھالی تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

نمبر۲۔ اگر زوجین میں سے کسی نے دوسرے کا مال چرالیا تو اسے قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ عقد نکاح کے سبب عادۃ اور دلالۃ ان کا مال مشترک ہے۔ جسے وہ دونوں استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ کنز میں ہے "اِذَا سَرَقَ الزَّوْجُ مِنْ مَالِ زَوْجَتِهٖ اَوْ سَرَقَتِ الزَّوْجَةُ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا لَا یُقْطَعُ یَدُ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِجَرَیَانِ الْاِنْبِسَاطِ بَیْنَهُمَا فِی الْاَمْوَالِ عَادَةً وَدَلَالَةً لِاَنَّ عَقْدَ النِّکَاحِ دَالٌّ عَلَی الْبَسْطَةِ" (حاشیہ کنز الدقائق ص ۱۹۴)

کتب فقہ میں بہت سی امثلہ موجود ہیں مگر اختصار کے پیش نظر صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

نمبر۳۔ حد شرب میں شبہ کی صورتیں:

۱۔ اگر کسی نے قئی کی اور اس میں خمر یا دیگر مسکرات خارج ہوئیں تو صرف اس بنا پر اسے حد شرب نہیں لگائی جائے گی بشرطیکہ اس نے شراب پینے کا نہ اقرار کیا ہو اور نہ ہی اس کے خلاف گواہ موجود ہوں کیونکہ اس میں ایک شبہ یہ ہے کہ اسے بلا کراہ پلادی گئی ہو اور دوسرا شبہ یہ ہے کہ معدہ میں کوئی اور شئے شراب کی شکل اختیار کر چکی ہو۔ اس لئے ان شبہات کے سبب

حد جاری نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ شرح وقایہ ج ۲ص: ۳۰۰ میں موجود ہے۔ "تَقَیَّأَ الشَّارِبُ فَخَرَجَ فِیْ قَیْئِہٖ خَمْرًا وَغَیْرُہٗ مِنَ الْمُسْکِرَاتِ وَلَمْ یُقِرَّ بِہٖ وَلَمْ یَشْهَدْ بِہٖ اَحَدٌ وَاِنَّمَا لَا یُحَدُّ لِاِحْتِمَالِ اَنْ یَکُوْنَ شُرْبُہٗ مُکْرَهًا وَاِحْتِمَالِ اَنْ یَکُوْنَ تَصَوُّرُ شَیْءٍ اٰخَرَ فِیْ مِعْدَتِہٖ بِصُوْرَۃِ الْخَمْرِ وَنَحْوِہٖ" (ھکذا فی الکنز ص ۱۸۷)

نمبر ۲۔ منہ سے شراب کی بو آنے کے سبب حد شراب جاری نہیں ہو سکتی بشرطیکہ اس نے شراب پینے کا نہ اقرار کیا ہو اور نہ اس کے خلاف شہادتیں موجود ہوں کیونکہ اس میں یہ شبہ ہے کہ کسی اور شئے کی بو شراب کی بو کے مشابہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اچھی اور پاک چیز کی بو خراب اور فاسد ہو چکی ہو جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے "فَاِنَّ الرَّائِحَۃَ تَشْتَبِہُ بِالرَّائِحَۃِ وَقَدْ تَفْسُدُ رَائِحَۃُ الْاَشْیَاءِ الطَّیِّبَۃِ فَلَا یَکْفِیْ وُجُوْدُ الرَّائِحَۃِ لِلْحَدِّ" (شرح وقایہ ج: ۲ص ۳۰۰)

نمبر ۴: حد قذف میں شبہ کی صورتیں:

۱۔ اگر فاسق گواہوں نے کسی کے خلاف زنا کی شہادت دی تو گواہوں پر حد قذف اور مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) پر حد زنا نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان کی شہادت فسق کے سبب ناقص ہے اور ناقص شہادت سے شبہۃ الزنا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی شبہ کی بنا پر انہیں حد قذف اور مقذوف کو حد زنا نہیں لگائے جائے گی۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے "وَلَوْ شَهِدُوْا وَهُمْ فُسَّاقٌ لَمْ یُحَدُّوْا وَلَا یُحَدُّ الْمَقْذُوْفُ لِاَنَّهُمْ مِنْ اَهْلِ الْاَدَاءِ وَالتَّحَمُّلِ لٰکِنْ فِیْ اَدَائِهِمْ نَوْعُ قُصُوْرٍ لِاَجْلِ الْفِسْقِ فَیَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمْ شُبْهَۃُ الزِّنَا فَلَا یُحَدُّوْا حَدَّ الْقَذْفِ وَلَا الْمَقْذُوْفُ حَدَّ الزِّنٰی" (تفسیر مظہری ج: ۶ص: ۴۴۶)

۲۔ اگر کسی سے فعل زنا کا ارتکاب ہوا پھر اس نے توبہ کر لی اور اپنا کردار اعلیٰ بنا لیا کافی عرصہ گزرنے کے بعد کسی نے اس پر زنا کی تہمت لگا دی تو قاذف (تہمت لگانے والا) کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس میں شبہ ہے کہ قاذف نے اسے سابقہ فعل زنا کے سبب ہی سے ایسا کہہ دیا ہو اور وہ اپنے اس قول میں سچا ہو۔ لیکن اس کے باوجود ایسے قاذف کو تعزیر ضرور

لگائی جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۷۸:

"اَلتَّابِعُ تَابِعٌ"

ترجمہ:

(تابع تابع ہی ہوتا ہے) یعنی تابع حکم میں اپنے متبوع کے تابع ہوتا ہے۔ جو حکم متبوع کا ہو گا وہی تابع کا ہو گا۔

امثلہ نمبر ۱:

زمین کی بیع میں پانی کی گزرگاہ اور اس تک پہنچنے کا راستہ بذات خود ہی داخل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں خریدی جانے والی زمین اصل اور متبوع ہے جبکہ اس تک پہنچنے کا راستہ فرع اور تابع ہے لہٰذا اصل کی بیع کے ساتھ ہی تابع کی بیع خود بخود ہو جائے گی اور اس کی قیمت کی ادائیگی مشتری کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔

نمبر ۲: نماز باجماعت میں امام اصل اور متبوع ہوتا ہے اور مقتدی اس کے تابع ہوتے ہیں اگر نماز کے دوران امام پر سجدہ سہو لازم ہوا تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا لازم ہو گا مگر اس کے برعکس مقتدی کی سہو سے امام پر سجدہ سہو لازم نہیں ہو گا اور سہو کے باوجود مقتدی کی نماز سجدہ سہو کے بغیر صحیح ہو گی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے۔ لہٰذا جو حکم امام کا ہو گا وہی مقتدی کے لئے بھی ہو گا۔

نمبر ۳: اگر خاوند بیوی یا لشکری اور سالار ملکر سفر کرتے ہیں تو نماز کی قصر کے لئے خاوند اور سالار کی نیت کا اعتبار ہو گا کیونکہ شوہر اور سالار اصل اور متبوع ہیں جبکہ بیوی اور لشکری فرع اور تابع ہیں۔ اس لئے اگر متبوع نے سفر کی نیت کی تو وہی تابع کی نیت ہو گی اگرچہ اس نے خود نیت نہ بھی کی اور اگر متبوع نے سفر کی نیت نہ کی اور تابع نے نیت کر لی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہو گا۔

نمبر ۴: اگر کسی نے حمل (پیٹ میں موجود بچہ) کو قتل کر دیا جبکہ حاملہ عورت کی جان محفوظ رہی تو قاتل کے ذمہ کفارہ قتل لازم نہیں ہو گا کیونکہ اس مسئلہ میں حاملہ عورت اصل اور متبوع

ہے اور حمل اس کی فرع اور تابع ہے تو چونکہ اصل محفوظ ہے اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۷۹:

"اَلتَّابِعُ يَسْقُطُ بِسُقُوْطِ الْمَتْبُوْعِ وَيَسْقُطُ الْفَرْعُ إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ"

ترجمہ:

(متبوع ساقط ہونے سے تابع ساقط ہو جاتا ہے اور فرع ساقط ہو جاتی ہے۔ جب اصل ساقط ہو جائے) یعنی جونہی متبوع اور اصل سے کوئی حکم ساقط ہو گا تو ساتھ ہی تابع اور فرع سے بھی وہ حکم ساقط ہو جائے گا۔

امثلہ نمبر ۱:

اگر مکفول لہ نے مکفول عنہ کو قرض معاف کر دیا تو کفیل سے بھی وہ بذات خود ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس مسئلہ میں مکفول عنہ (مقروض) اصل اور متبوع ہے اور کفیل (ضامن) فرع اور تابع ہے تو جب مکفول لہ (قرض خواہ) نے اصل کو قرض معاف کر دیا تو کفیل یعنی تابع بذات خود اس سے بری ہو جائے گا۔

نمبر ۲: اگر کسی حاجی سے مناسک حج میں سے وقوف عرفہ (نویں ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں حاضر ہونا) رہ گیا تو اس کے لئے رمی جمار کرنا اور منیٰ کے میدان میں رات گزارنا وغیرہ احکام لازم نہیں رہتے بلکہ اس کے لئے افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھولنا جائز ہے۔ کیونکہ رمی جمار وغیرہ احکام وقوف عرفہ کے تابع ہیں تو جب متبوع (وقوف عرفہ) ساقط ہو گیا تو ساتھ ہی تابع بھی ساقط ہو جائے گا۔

نمبر ۳: اخرس (گونگا) کے لئے تکبیر تحریمہ اور تلبیہ کہتے وقت اپنی زبان کو حرکت دینا لازم ہے۔ مگر قرات کے لئے زبان کو حرکت دینا لازم نہیں کیونکہ قرات میں تلفظ متبوع ہے اور زبان کی حرکت تابع ہے تو چونکہ متبوع ساقط ہو چکا ہے اس لئے تابع بھی ساقط ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۸۰:

"اَلتَّابِعُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَتْبُوْعِ"

ترجمہ:

(تابع متبوع پر مقدم نہیں ہو گا)

امثلہ نمبر۱:

باجماعت نماز میں مقتدی تابع ہوتا ہے اور امام متبوع ہوتا ہے۔ اس لئے مقتدی کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کے کسی بھی رکن کی ادائیگی امام سے پہلے کرے اگر مقتدی نے نماز کا رکوع یا سجدہ اس طرح امام سے پہلے کیا کہ امام اس کی ادائیگی میں مقتدی کے ساتھ بالکل شریک ہی نہ ہوا تو اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کا اعادہ مقتدی کے ذمہ لازم ہو گا۔ (مراقی الفلاح ص ۷۹ نور الایضاح: ص ۸۳)

نمبر۲:

اذان وقت کے تابع ہوتی ہے یعنی کسی نماز کے لئے اذان تب درست ہو گی جب اس کا وقت شروع ہو چکا ہو گا اس لئے اگر کسی نے وقت شروع ہونے سے پہلے اذان کہہ دی تو وہ اذان معتبر نہیں ہو گی بلکہ وقت میں اس کا اعادہ واجب ہو گا کیونکہ تابع متبوع سے مقدم نہیں ہو سکتا۔ (کنز الدقائق ص ۱۹)

نمبر۳:

طواف زیارت ایام نحر میں کرنا واجب ہے گویا طواف زیارت تابع ہے اور ایام نحر متبوع ہیں اگر کسی نے ان ایام سے قبل ہی یہ طواف کر لیا تو اس کے ذمہ سے یہ اہم ترین رکن ساقط نہیں ہو گا بلکہ ایام نحر میں دوبارہ یہ طواف کرنا اس کے ذمہ لازم ہو گا۔ کیونکہ تابع متبوع سے مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور ان ایام سے موخر کرنے کی صورت میں بکری کی قربانی واجب ہو گی (نور الایضاح ص ۱۷۶)

قاعدہ نمبر۸۱:

"صَحَّ التَّوْكِيْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ جَازَ اَنْ يَّعْقِدَهٗ"

ترجمہ:
(ہر اس شئے کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے جس کی عقد کرنا مؤکل کے لئے جائز ہے)
اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوگا کہ کن چیزوں میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہوتا ہے اور کن میں جائز نہیں۔

وکالت کی تعریف:

"اَلْوَكَالَةُ فِي اللُّغَةِ الْحِفْظُ" (وکالت کالغوی معنی حفاظت کرنا ہے)
"وَالتَّوْكِيْلُ تَفْوِيْضُ التَّصَرُّفِ إِلَى الْغَيْرِ" (اور توکیل سے مراد کسی غیر کو تصرف کا حق سونپنا ہے) "وَالْوَكِيْلُ الْقَائِمُ بِمَا فُوِّضَ إِلَيْهِ" (وکیل سے مراد وہ نائب ہے جسے تصرف کا حق سونپا جائے)
"وَفِيْ اِصْطِلَاحِ الشَّرِيْعَةِ" "هُوَ اِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِي التَّصَرُّفِ مِمَّنْ يَمْلِكُهُ اِذَا كَانَ الْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْعَقْدَ" (کنز الدقائق ص: ۳۰۰)
(اصطلاح شرع میں توکیل سے مراد یہ ہے کہ ایسے آدمی کا کسی غیر کو تصرف میں اپنا قائم مقام بنانا جو خود تصرف کرنے کا مالک ہو بشرطیکہ وکیل عقد کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو)

مذکورہ اصول کے مطابق مؤکل کے لئے ان جمیع امور میں کسی کو اپنا وکیل بنانا جائز ہے جن میں وکیل کے تصرف سے اسے وہی مقاصد حاصل ہوں جو اسے بنفسہ تصرف کرنے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً" عقد نکاح اور دیگر عقود مالیہ وغیرہ اسی طرح اپنے حقوق کے حصول کے لئے یا کسی کے حقوق ادا کرنے کے لئے بھی وکیل بنانا جائز ہوتا ہے۔

ایسے حقوق جن کی نسبت وکیل اپنی طرف کرتا ہے وہ وکیل کے ہی متعلق ہوتے ہیں مثلاً" بیع' اجارہ اور صلح عن اقرار وغیرہ۔ ایسے حقوق میں مبیع مشتری کے حوالے کرنا یا مشتری سے مبیع کی قیمت وصول کرنا یا مبیع میں عیب کے سبب بائع سے رجوع کرنا وکیل کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر بیع مکمل ہونے کے ساتھ مؤکل کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

جبکہ بعض ایسے حقوق ہیں جن کی نسبت ابتداً" ہی مؤکل کی طرف کی جاتی ہے اور وہ مؤکل کے ہی متعلق ہوتے ہیں مثلاً" نکاح' خلع' صلح عن دم عمد' ہبہ اور صدقہ وغیرہ ان حقوق کے مکمل ہو جانے کے بعد تمام تر ذمہ داری مؤکل کی ہوتی ہے اور وکیل بری الذمہ ہو جاتا ہے مثلاً" نکاح کے بعد دولہا کے وکیل سے مہر کا مطالبہ اور دلہن کے وکیل سے اسے دولہا

کے حوالے کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

المختصر مذکورہ تمام حقوق کا تعلق ایسے امور سے ہے کہ اگر انہیں مؤکل بذات خود ادا کرے تو اسے وہی مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اسے وکیل کے تصرف کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تمام امور میں وکیل بنانا جائز ہے۔

مگر اس کے برعکس ایسے امور جن میں وکیل کے تصرف سے وہ مقاصد حاصل نہ ہوں جو مؤکل کے ذاتی تصرف سے حاصل ہوتے ہیں ان میں وکیل بنانا جائز نہیں مثلاً" عبادات بدنیہ' شہادت اور معاصی کا ارتکاب وغیرہ

نمبر۱۔ عبادات

مثلاً" عبادات میں سے نماز ہے اس کا مقصد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر غایت تذلل اور عاجزی کے ساتھ اس کی جانب سے عائد ہونے والے فریضہ کو ادا کرنا ہے۔ اب اگر وکیل نماز کے اوقات میں اس کے تمام ارکان پورے آداب کے ساتھ ادا کرے تو اس کے اپنے ذمہ سے تو فرض ادا ہو جائے گا مگر مؤکل کے ذمہ سے وہ قطعاً" ساقط نہیں ہو گا گویا اس کا فائدہ وکیل کو تو ہو گا مگر مؤکل محروم ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وکیل کے ادا کرنے سے مؤکل کے مقاصد پورے نہیں ہوئے اس لئے اس میں توکیل جائز نہیں۔

اسی طرح روزہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اگر اس میں کسی نے وکیل بنایا اور اس نے پورے آداب کے ساتھ روزے کے لوازمات ادا کئے تو اس کا فائدہ وکیل کی اپنی ذات کو تو ضرور حاصل ہو گا مگر مؤکل اس سے محروم رہے گا اس لئے اس میں توکیل جائز نہیں۔

نمبر۲۔ شہادت:

شہادت دینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں چونکہ شہادت میں مقصود اصلی شاہد کی عدالت وصداقت کا ثبوت ہوتا ہے اور اسی پر اس کی شہادت کا انحصار ہوتا ہے مگر شاہد کی جگہ وکیل کے پیش ہونے سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے اور نہ ہی شہادت میں سچائی کا وثوق ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں شاہد کا عدالت میں پیش ہونا ناممکن ہو تو پھر

ایسا آدمی اس کی جانب سے بطور گواہ پیش ہو سکتا ہے۔ جسے شاہد اصلی کی شہادت و عدالت پر پختہ یقین ہو۔

نمبر۳ ارتکاب معاصی:

شریعت اسلامیہ میں گناہ اور معاصی کا ارتکاب ممنوع ہے۔ اس لئے جو بھی اس کا مرتکب ہو گا وہ ضرور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ چاہے کوئی اپنی مرضی سے اس کا ارتکاب کرے یا کسی دوسرے کے مشورہ اور اشارہ سے۔ اس لئے اگر کسی نے بطور وکیل چوری' زنا' ڈاکہ زنی' ظلم و ستم یا کسی بھی جرم کا ارتکاب کیا تو اس کی سزا مجرم کو بھگتنا ہو گی اس لئے ان ممنوع افعال میں توکیل سرے سے ہی جائز نہیں (واللہ اعلم بالصواب)

نمبر۸۲:

"اَلْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوْتُهٗ عِنْدَ ثُبُوْتِ الشَّرْطِ"

ترجمہ:

معلق بالشرط عمل کا ثبوت شرط کے ثبوت کے وقت لازم ہو جاتا ہے۔

تعلیق کی تعریف:

"هُوَ رَبْطُ حُصُوْلِ مَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ بِحُصُوْلِ مَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ اُخْرٰى"

(الاشباہ) تعلیق بالشرط سے مراد یہ ہے کہ ایک جملہ کے مضمون کے حصول کو دوسرے جملے کے مضمون کے حصول پر منحصر کرنا یعنی ایک کے پائے جانے کا انحصار دوسرے پر ہو۔ جسے معلق کیا جائے اسے معلق بالشرط اور جزا کہتے ہیں اور جس کے ساتھ معلق کیا جائے اسے معلق علیہ اور شرط کہتے ہیں۔

شرط کے ثبوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شرط مناسب ہو عقد کے وقت موجود نہ ہو اور اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ اگر موجود شرط پر کسی فعل کو معلق کیا گیا تو جزا فوراً" پائی جائے گی اور نافذ العمل ہو گی اور اگر تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہو جس کا پایا جانا محال ہو تو وہ شرط باطل ہو گی۔

امثلہ نمبر ۱:

اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ دَارَ فُلَانٍ" (تجھے طلاق جب تو فلاں کے گھر میں داخل ہو گی۔) اس مثال میں طلاق دخول دار پر معلق ہے جونہی دخول دار کی شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

نمبر ۲: کسی نے دوسرے سے کہا "اَنَا ضَامِنٌ ثَمَنَكَ اِذَا بِعْتَ مَالَكَ بِفُلَانٍ" (میں تیرے لئے ثمن کا ضامن ہوں جب تو اپنا مال فلاں کو بیچ دے گا) جب وہ اپنا مال فلاں کے ہاتھ فروخت کر دے گا تو شرط پائے جانے کے سبب ضمانت بھی ثابت ہو جائے گی۔

نمبر ۳: کسی نے کہا "وَقَفْتُ بِئْرِىْ هٰذَا اِذَا طُفْتُ الْكَعْبَةَ الْمُشَرَّفَةَ" (میں اپنا یہ کنواں وقف کروں گا جب میں کعبہ معظمہ کا طواف کروں گا۔ تو جونہی اسے طواف کعبہ کی سعادت نصیب ہو گی تو ساتھ ہی وقف بھی ثابت ہو جائے گا۔

نمبر ۴: اگر کسی نے کہا "اِنْ لَبِسْتُ هٰذَا الثَّوْبَ فَعَلَىَّ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ وَهُوَ لَابِسٌ هٰذَا الثَّوْبَ" (اگر میں نے یہ کپڑا پہنا تو مجھ پر دس مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہو گا۔ درآنحالانکہ وہ یہ کپڑا پہنے ہوئے ہو) اس کلام میں اطعام مساکین کو ایسی شرط پر معلق کیا گیا جو تعلیق کے وقت موجود ہے۔ اس لئے کھانا کھلانے کا حکم فورا" ثابت ہو جائے گا اور اس پر کھانا کھلانا لازم ہو گا۔

نمبر ۵: اگر کسی نے دوسرے سے کہا "اُجِرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ اِنْ تَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا" (میں تمہیں یہ گھر اجرت پر دوں گا اگر تم نے یہ پتھر سونے میں تبدیل کر دیا) اس مثال میں عقد اجارہ کو ایسی شرط پر معلق کیا گیا ہے جس کا پایا جانا محال ہے اس لئے یہ شرط باطل ہو گی اور شرط باطل ہونے کے سبب اجارہ بھی باطل ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۸۳:

"اَلْاَصْلُ اَنْ يُّعْمَلَ بِمُقْتَضٰى كُلِّ نَصٍّ اِطْلَاقًا وَّتَقْيِيْدًا"

ترجمہ:

(بنیادی طور پر ہر نص پر اس کے مطلق و مقید ہونے کے تقاضا کے مطابق عمل کیا جائے گا۔)

یعنی ہر ایسی نص جو مطلق ہو اور اسے اپنے اطلاق پر رکھتے ہوئے عمل کرنا ممکن ہو تو اسے

مطلق ہی رکھا جائے گا۔ اور کسی دوسری دلیل سے اس کی تقیید صحیح نہیں ہوگی۔

امثلہ نمبر ۱:

کفارہ ظہار کے بارے میں ارشاد ربانی ہے "وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" (المجادلہ ۲۸:۳)
(وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں اور پھر اس سے رجوع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ انہیں مس کرنے سے قبل ایک غلام آزاد کریں)

اس آیت طیبہ میں لفظ رقبہ مطلق ہے جس کے ساتھ مومنہ یا غیر مومنہ کی قید موجود نہیں اس لئے اسے اپنے اطلاق پر رکھتے ہوئے حکم یہ ہوگا کہ کفارہ ظہار میں غیر مومن غلام آزاد کرنا بھی صحیح ہوتا ہے۔

نمبر ۲: اسی طرح اس کفارہ کی تیسری صورت یہ بیان کی گئی ہے۔ "فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا" (المجادلہ پ ۲۸:۴) (یعنی جو آدمی دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے) اس صورت میں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کی قید موجود نہیں جو اس کی پہلی دو صورتوں میں موجود ہے۔ اس لئے اسے اپنے اطلاق پر رکھتے ہوئے حکم یہ ہوگا کہ اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے مقاربت اختیار کرلی تو اس پر نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں ہوگا بلکہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔

نمبر ۳: اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" (البقرہ پ ۱:۴۳)
(رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) اس آیت طیبہ میں مطلق رکوع کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کسی اور شرط کا ذکر نہیں اس لئے حکم یہ ہوگا کہ مطلق رکوع کرنا فرض ہے۔

اور اگر نص مقید ہو تو اسے اپنی تقیید پر رکھتے ہوئے عمل کیا جائے گا۔

امثلہ نمبر ۱:

قتل خطا کے کفارہ کا ذکر قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے "مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" (النساء پ ۵:۹۲) (کہ جس نے کسی مومن کو خطا" قتل کیا تو اسے چاہئے کہ کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام آزاد کرے) اس آیت طیبہ میں رقبہ کا لفظ

مومنتہ کی قید سے مقید ہے۔ اس لئے اس کالحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے غیر مومن غلام آزاد کیا تو اس کا کفارہ ادا نہیں ہو گا۔

نمبر ۲: کفارہ ظہار کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" (المجادلہ پ ۲۸:۴) (وہ مظاہر جس نے آزاد کرنے کے لئے غلام نہ پایا تو وہ عورت کو مس کرنے سے پہلے مسلسل دو ماہ روزے رکھے) اس آیت کریمہ میں من قبل ان یتماسا کی قید موجود ہے جو یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر اس دوران مظاہر نے اپنی بیوی سے مقاربت اختیار کی تو اس کے سابقہ روزے کفارہ میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ تمام روزے نئے سرے سے رکھنے لازم ہوں گے۔

نمبر ۳:

ارشاد خداوندی ہے "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا" (المائدہ: پ ۶:
۶)

(کہ اگر تم (وضو کے لئے) پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو) اس آیت کریمہ میں صعیدا" کا لفظ طیبًا کی قید سے مقید ہے۔ جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی نے غیر طیب مٹی سے تیمم کیا تو وہ صحیح نہیں ہو گا۔

نمبر ۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" (الواقعہ پ ۲۷:۷۹)

(کہ قرآن پاک کو نہ مس کریں مگر پاک لوگ) اس آیت طیبہ میں قرآن پاک کو مس کرنے کے لئے طہارت (باوضو ہونا) کی قید لگائی گئی ہے اس لئے اگر کسی نے بغیر طہارت کے اسے مس کیا تو وہ گنہگار ہو گا

قاعدہ نمبر۸۴:

"اَلْاِشْتِغَالُ بِغَيْرِ الْمَقْصُوْدِ اِعْرَاضٌ عَنِ الْمَقْصُوْدِ"

ترجمہ:

(غیر مقصود عمل میں مشغول ہونا مقصود عمل سے اعراض کرنے کے مترادف ہوتا ہے)

امثلہ نمبر۱:

اگر کسی نے قسم کھائی "لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ وَلَا يُقِيْمُ فِيْهَا" (کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا اور نہ اس میں اقامت اختیار کرے گا) اگر اس قسم کے بعد تھوڑی دیر کے لئے وہ وہاں ٹھہرا رہا اور سوچ و بچار میں مصروف رہا تو اس سے وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ قسم کے بعد وہاں ٹھہرنا اور سوچ و بچار کرنا غیر مقصود عمل ہے۔ جس سے مقصود عمل سے اعراض لازم آتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر قسم اٹھانے کے فوراً بعد اس نے اپنا سازو سامان جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں سے کوچ کی تیاری شروع کر دی تو پھر وہ حانث نہیں ہو گا کیونکہ اس طرح مقصود عمل سے اعراض ثابت نہیں ہوتا۔

نمبر۲: اگر مرد نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیتے ہوئے کہا "طَلِّقِيْ نَفْسَكِ" (کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے) مگر اس کے ساتھ ساتھ طلاق کے اختیار کو مجلس کے ساتھ مقید کر دیا۔ تو اگر عورت نے اختیار استعمال کرتے ہوئے اسی مجلس میں طلاق دے لی تو وہ واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ ہی مقصود عمل ہے۔ اور اگر اس کے برعکس وہ مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی اور کام میں مصروف ہو گئی اور بعد میں اپنے نفس کو طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اس کا غیر مقصود عمل میں مصروف ہونا مقصود عمل سے اعراض کی علامت ہے۔

نمبر۳: اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی اور اس کے شریک نے اس پر شفعہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر جب مشتری سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا "بِكَمْ اِشْتَرَيْتَ؟" (کہ تو نے کتنے کی خریدی ہے؟) یا کہا "اَوَاشْتَرَيْتَ رَخِيْصًا" (کیا تو نے سستی خریدی ہے؟) تو اتنا کہنے سے شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا کیونکہ ایسے سوال کرنا غیر مقصود میں مصروف ہونا ہے۔ جس کے سبب مقصود سے اعراض ثابت ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر۸۵:

"اَلْاَصْلُ اَنَّ الظَّاھِرَ یَدْفَعُ الْاِسْتِحْقَاقَ وَلَا یُوْجِبُ الْاِسْتِحْقَاقَ"

ترجمہ:

(بنیادی طور پر ظاہر استحقاق کا دفاع کرتا ہے اور استحقاق کو ثابت نہیں کرتا) یعنی کسی شئے کی ظاہر کیفیت اپنے پر کسی کا استحقاق برقرار رکھنے میں معاون تو ہوتی ہے مگر اس کا حق ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔

امثلہ نمبر۱:

کسی مکان پر ایک آدمی کا قبضہ ہو مگر بعد میں ایک خارجی آدمی نے اس پر طویل عرصہ سے مطلقاً" اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کر دیا تو اس کا دعوی قابل تسلیم نہیں ہوگا کیونکہ مکان پر پہلے آدمی کا قبضہ بظاہر خارجی کا استحقاق ثابت ہونے کے مانع ہے۔ ہاں اگر خارجی نے اپنے دعوی پر بینہ قائم کر دیئے تو پھر دعوی قبول ہوگا اور صاحب قبضہ کا استحقاق صرف قبضہ سے ثابت نہیں ہوگا اور فیصلہ خارجی کی شہادت کے مطابق ہوگا جیسا کہ کنز میں ہے۔ "وَلَا بَیِّنَۃَ لِذِیْ الْیَدِ فِیْ الْمِلْکِ الْمُطْلَقِ وَبَیِّنَۃُ الْخَارِجِ اَحَقُّ" (کنز الدقائق ص ۳۱۲)
(ملک مطلق کے دعوی میں صاحب قبضہ سے بینہ نہیں لئے جائیں گے اور خارجی کے گواہ معتبر ہوں گے۔) مگر جب دونوں نے اپنی اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے تاریخ بیان کر دی اور صاحب قبضہ کی تاریخ اسبق ہو تو پھر اس کا فیصلہ صاحب قبضہ کے حق میں ہوگا اور خارجی کا دعوی باطل ہوگا۔

نمبر۲: اگر کسی نے اپنا مکان فروخت کیا اور پڑوسی نے حق جوار کے سبب اس پر شفعہ کا ارادہ کیا مگر جب صاحب قبضہ نے مشتری سے اسے خریدنے کی تصدیق چاہی تو اس نے مکان پر اپنی ملکیت سے انکار کر دیا تو صرف ظاہر قبضہ سے اس کے لئے شفعہ کا استحقاق ثابت نہیں ہوگا ہاں اگر دیگر شواہد سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ مکان فی الحقیقت صاحب قبضہ کی ملکیت ہے اور اس نے فلاں سے خریدا ہے تو پھر شفعہ کا استحقاق ثابت ہو جائے گا۔

نمبر۳: اگر کسی کی زمین میں پرندے نے بچے یا انڈے دے دیئے یا ہرن یا اس جیسے کسی جانور نے اپنی رہائش گاہ بنالی تو جس نے ان پر قبضہ کر لیا یہ اسی کی ملکیت ہو جائیں گے۔ زمین کا مالک ان پر اپنے استحقاق کا دعوی نہیں کر سکتا۔ بشرطیکہ اس نے یہ زمین اس مقصد کے لئے مخصوص

نہ کر رکھی ہو۔ کیونکہ بظاہر اٹھانے والے کا قبضہ اس کے استحقاق کے مانع ہے۔ مگر اس کے برعکس جب مالک زمین نے اپنی زمین اسی مقصد کے لئے مخصوص کر رکھی ہو تو پھر ان پر اسی کا استحقاق ثابت ہو گا جیسا کہ کنز میں ہے "وَاِنْ اَفْرَخَ طَيْرٌ اَوْبَاضَ اَوْتَكَنَّسَ ظَبْيٌ فِيْ اَرْضِ رَجُلٍ فَهُوَلِمَنْ اَخَذَهٗ هٰذَا اِذَالَمْ تَكُنْ اَرْضُهٗ مُهَيَّاَةً لِذٰلِكَ فَاِنْ كَانَتْ مُهَيَّاَةً لِلْاِصْطِيَادِ فَهُوَلَهٗ لِاَنَّ الْحُكْمَ لَا يُضَافُ اِلَى السَّبَبِ الصَّالِحِ اِلَّا بِالْعَقْدِ" (حاشیہ کنز الدقائق ص ۲۵۹)

(اگر کسی آدمی کی زمین میں پرندے نے بچے نکالے یا انڈے دے دیئے یا ہرن نے اس میں اپنی پناہ گاہ بنالی تو جس نے انہیں اٹھالیا وہ اسی کے ہوں گے بشرطیکہ وہ زمین اسی کام کے لئے تیار نہ کی گئی ہو۔ اور اگر زمین شکار کے لئے ہی تیار کی گئی ہو تو پھر یہ زمین کے مالک کے لئے ہوں گے کیونکہ سبب صالح کی طرف حکم کی نسبت بغیر عقد کے نہیں کی جا سکتی۔)

قاعدہ نمبر ۸۶:

"اَلْاَصْلُ اَنَّ مَنْ سَاعَدَهُ الظَّاهِرُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ وَالْبَيِّنَةُ عَلٰى مَنْ يَدَّعِيْ خِلَافَ الظَّاهِرِ"

ترجمہ:

(بنیادی طور پر (متخاصمین میں سے) جس کی مدد ظاہر حال کرے گا اس کا قول معتبر ہو گا اور بینہ لانا اس کے ذمہ ہو گا جس کا دعویٰ ظاہر صورت کے خلاف ہو گا۔)

یعنی اگر دو آدمیوں کے درمیان کسی شئے کے بارے اختلاف ہو جائے تو قول اس کا قبول ہو گا جس کی تائید اس شئے کی ظاہر کیفیت کرے گی اور اسے بینہ لانے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔ مگر اس کے برعکس جس کا دعویٰ ظاہر حالت کے خلاف ہو گا اسے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے گواہ لانے پڑیں گے۔ ورنہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں ہو گا۔

امثلہ نمبر ا

اگر کسی نے دوسرے کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ میرے دس ہزار روپے اس کے ذمہ قرض ہیں اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کر دیا تو اس مسئلہ میں مدعی کے ذمہ گواہ لانا لازم ہوں گے کیونکہ

اس کا دعویٰ ظاہر کے خلاف ہے اور اگر وہ اپنے حق میں بینہ پیش نہ کر سکا تو پھر مدعی علیہ کا قول معتبر ہو گا کیونکہ فی الحقیقت ہر انسان دوسرے کی ذمہ داری سے بری پیدا کیا گیا ہے۔

نمبر ۲: اگر کسی نے دوسرے کے لئے دین مؤجل (ایسا قرض جس کی مدت مقرر ہو) کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دین کے بارے میں اس کی تصدیق کر دی مگر مدت معینہ کا انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارے ذمہ یہ قرض بالفور واجب الادا ہے تو اس مسئلہ میں مقرلہ کا قول معتبر ہو گا کیونکہ ظاہر حالت مقرلہ کی ہی تائید کرتی ہے اس طرح کہ اس میں مقر نے ایک مقرلہ کے لئے قرض کا اقرار کیا ہے جو اس کا حق ہے اور وہ تقاضا کرتا ہے کہ فوراً ادا کیا جائے اور دوسرا مدت معینہ کا دعویٰ کیا ہے جو مقر کا اپنا حق ہے اور یہ ظاہر کے خلاف ہے اس لئے اس پر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں گواہ لانا لازم ہوں گے۔ ورنہ اس کا دعویٰ تاجیل قبول نہیں ہو گا۔ جیسا کہ حاشیہ کنز میں ہے "اِذَا اَقَرَّ بِالدَّیْنِ الْمُؤَجَّلِ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِی الدَّیْنِ وَ کَذَّبَهُ فِی الْاَجَلِ حَیْثُ یَکُوْنُ الْقَوْلُ فِیْهِ قَوْلُ الْمُقَرِّ لَهُ لِاَنَّ الْمُقِرَّ اَقَرَّ بِدَیْنٍ ثُمَّ اِدَّعٰی حَقًّا لِنَفْسِهٖ وَهُوَ الْاَجَلُ فَلَا یُقْبَلُ قَوْلُهُ بِلَا بَیِّنَةٍ" (کنز الدقائق ص ۲۷۲)

نمبر ۳: اگر بچے کی ولادت کے بعد زوجین کے مابین نکاح کی مدت میں اختلاف ہو گیا عورت نے کہا چھ ماہ ہو چکے ہیں جبکہ مرد نے اس سے کم کا دعویٰ کیا تو اس مسئلہ میں عورت کا قول معتبر ہو گا اور بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ ظاہر حالت عورت کے قول کی ہی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ بچہ ظاہراً نکاح کی حالت میں پیدا ہوا ہے۔ نہ کہ زنا کی صورت میں۔ اور مسلمان کے بارے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی نسبت وطی حلال کی طرف ہی کی جائے نہ کہ حرام وطی کی طرف۔ جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے۔ "فَاِنْ وَلَدَتْ وَادَّعَتْ نِکَاحَهَا مُنْذُ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَالزَّوْجُ الْاَقَلَّ صُدِّقَتْ بِلَا یَمِیْنٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ لِاَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا بِاَنَّ الْوَلَدَ مِنَ النِّکَاحِ لَا مِنَ السِّفَاحِ" (شرح وقایہ: ج: ۲ ص: ۸۵، ہدایہ: ج: ۲، ص: ۴۰۹، کنز ص ۱۵۰)

نوٹ:

مذکورہ مسئلہ میں عورت سے قسم لینے کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اور

صاحبینؒ کے مابین اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کا موقف یہ ہے کہ عورت کا قول قسم کے بغیر قبول ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے قسم لی جائے گی اور مفتی بہ قول یہی ہے۔
(حاشیہ کنز الدقائق ص ۱۵۰)

قاعدہ نمبر ۷۸:

"اَلْاَصْلُ اَنَّ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَحْمُوْلَۃٌ عَلَی السَّدَادِ وَالصَّلَاحِ حَتّٰی یَظْھَرَ غَیْرُہٗ"

ترجمہ:

(بنیادی طور پر مسلمانوں کے امور صواب (درستی) اور صلاح (حسن) پر محمول کئے جائیں گے یہاں تک کہ اس کا خلاف صراحۃً ظاہر ہو جائے) یعنی امت مسلمہ کے ہر فرد کے عمل کو نیکی، حسن ظن اور درست سمت پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ اس کی برائی یا غلط پہلو بالکل واضح نہ ہو جائے اور اگر جانب فساد ظاہر ہو جائے تو پھر اسی پر محمول کیا جائے گا۔

امثلہ نمبر ا:

اگر کسی نے ایک درہم اور ایک دینار کی بیع دو درہم اور دو دینار کے عوض کی تو یہ بیع جائز ہو گی۔ اور اس میں ایک درہم کی بیع دو دینار کے عوض اور ایک دینار کی بیع دو درہم کے عوض ہو گی۔ چونکہ وہ اشیاء جن میں ربوا پایا جاتا ہے ان میں سے مختلف اجناس کا باہمی تبادلہ تفاضل کے ساتھ جائز ہوتا ہے جبکہ ہم جنس اجناس کا باہمی تبادلہ متفاضلا" جائز نہیں ہوتا ہے۔ تو مذکورہ مسئلہ میں ایک مسلمان کی حالت کو صلاح پر محمول کرتے ہوئے یہ حکم لگایا جائے گا کہ اس میں تبادلہ ہم جنس اشیاء کا نہیں بلکہ درہم کا تبادلہ دینار کے ساتھ اور دینار کا تبادلہ درہم کے ساتھ ہے اس لئے یہ بیع جائز ہے۔ مگر جب بائع اور مشتری نے صراحۃً یہ بیان کر دیا کہ ایک درہم کا تبادلہ دو درہموں کے ساتھ ہے اور ایک دینار کی بیع دو دیناروں کے ساتھ ہے تو پھر بیع فاسد ہو گی کیونکہ صریح کے مقابلہ میں خفی راجح نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۲: ایسی عورت جو طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو اگر دو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے اپنی عدت

گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اور بچے کی ولادت کے ساتھ ہی خاوند کے لئے طلاق رجعی سے رجوع بھی ثابت ہو جائے گا۔ چونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور کوئی بچہ اس سے زیادہ رحم مادر میں نہیں رہ سکتا مذکورہ معتدہ کا دو سال سے زائد عرصہ میں بچہ کو جنم دینا طلاق کے وقت استقرار حمل نہ ہونے کی علامت ہے۔ بلکہ اسے یہ استقرار حمل عدت کے دوران ہوا ہے۔ اب اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس عورت نے زنا کیا اور وطی بالزنا کے سبب اسے استقرار حمل ہوا۔ مگر مذکورہ قاعدہ کے مطابق صریح دلیل کے بغیر اس پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں بچے کا نسب ثابت نہ ہونے کے سبب اسے ضائع کرنا لازم آتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ امر ایک مسلمہ عورت کی عزت نفس کے مجروح کرنے کو بھی مستلزم ہے۔ اور اس میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ دوران عدت خاوند نے اس سے وطی کی ہو اور اس کے سبب استقرار حمل ہوا ہو۔ مذکورہ اصول کے مطابق حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر محمول کرنا درست ہے کیونکہ اس میں بچے کا نسب ثابت ہونے کے سبب وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مرد کا طلاق سے رجوع بھی ثابت ہو جائے گا جس کے سبب وہ دوبارہ امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے گا اور عورت زنا کی تہمت سے محفوظ ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے "وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِي حَالَةِ الْعِدَّةِ لِجَوَازِ أَنَّهَا تَكُونُ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ .... وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً لِأَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ لِانْتِفَاءِ الزِّنَا مِنْهَا فَيَصِيرُ بِالْوَطْءِ مُرَاجِعًا" (ہدایہ ج ۲ ص: ۴۰۷)

(اور مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جب وہ دو سال یا اس سے زیادہ عرصہ میں جنے بشرطیکہ اس نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ اس کا طہر طویل ہو جائے اور حالت عدت میں استقرار حمل ہو گیا ہو..... اور اگر اس نے دو سال سے زائد عرصہ میں بچہ جنا تو یہی اس کی رجعت ہو گی کیونکہ حمل طلاق کے بعد کا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اس کے زوج سے ہی ہے کیونکہ اس کے سبب عورت سے زنا کی نفی ہوتی ہے اور خاوند وطی کے سبب طلاق سے رجوع کرنے والا ہو جاتا ہے)

اور حاشیہ کنز میں یہی مفہوم ان الفاظ میں موجود ہے "وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَانَ رَجْعَةً لِأَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ وَأَنَّهُ وَطِئَهَا فِي الْعِدَّةِ حَمْلًا لِحَالِهَا عَلَى الْأَحْسَنِ وَالْأَصْلَحِ وَهُوَ نَفْيُ الزِّنَا عَنْهَا فَيَصِيرُ الزَّوْجُ مُرَاجِعًا بِالْوَطْءِ فِي الْعِدَّةِ مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ"
(کنز الدقائق ص ۱۴۹)

نمبر ۳: ارشاد باری تعالیٰ ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" (الحجرات: ۱۲ پ: ۲۶)

ترجمہ:

(اے ایمان والو! بکثرت بدگمانیوں سے دور رہا کرو بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں)
اس ارشاد گرامی میں خالق کائنات نے ہمیں بدگمانی سے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے یعنی محض شکوک و شبہات کی بنا پر کسی کے بارے غلط نظریات قائم کرنا یا اس کے خلاف برائی کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ مستحب امر یہ ہے کہ اگر کسی کی ظاہری حالت درست ہے تو احسن و اصلح کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے لئے اچھائی اور نیکی کا حکم دیا جائے مگر اس کے برعکس اگر کسی کی ظاہری کیفیت مشکوک ہو تو پھر اس کے بارے میں سوء ظن رکھنا تو مباح ہے مگر یقینی دلائل نہ ہونے کی صورت میں اس کے خلاف کاروائی جائز نہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "إِذَا ظَنَنْتُمْ فَلَا تَحَقَّقُوا" (یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ) تو اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تک کسی معاملہ کا احسن پہلو نکل سکتا ہو اسی کے مطابق حکم لگانا چاہیئے اور اگر اسکے برعکس صورت واضح ہو جائے تو پھر حکم اسکے مطابق لگایا جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۸۸:

"الْأَصْلُ أَنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْأَمِينِ مَعَ الْيَمِينِ مِنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ"

ترجمہ:

(بنیادی طور پر امین کا قول ہی بینہ کے بغیر قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے)

امثلہ نمبر۱:

اگر کسی نے ہزار کے عوض جانور خریدنے کا کسی کو وکیل بنایا اور ہزار روپے وکیل کے حوالے کر دیئے مگر جانور خریدا جانے کے بعد مؤکل اور وکیل کے مابین اس کی قیمت خرید میں اختلاف ہو گیا۔ مؤکل نے کہا تو نے یہ جانور پانچ سو کے عوض خریدا ہے جبکہ وکیل نے ہزار کے عوض خریدنے کا قول کیا۔ اب اس صورت میں جانور کو دیکھا جائے گا اگر وہ بظاہر ہزار روپے کا نظر آئے تو پھر وکیل کا قول معتبر ہو گا کیونکہ اس صورت میں وہ امین ہے اور اس نے اپنی امانت کی ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کا دعویٰ کیا ہے جبکہ مؤکل اس پر پانچسو کی ضمانت ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لئے قول وکیل کا معتبر ہو گا مگر اس کے برعکس اگر جانور ہزار روپے کا نہ دکھائی دے تو پھر مؤکل کا قول معتبر ہو گا اور وکیل کے ذمہ پانچ سو روپے ادا کرنا لازم ہوں گے۔ (ھکذا فی الکنز)

نمبر۲: اگر مضارب کے پاس دو ہزار روپے ہوں اور اس نے رب المال سے کہا کہ تم نے ایک ہزار روپے بطور مضاربت مجھے دیئے تھے اور میں نے ان پر ایک ہزار کا نفع حاصل کیا ہے۔ مگر اس کے برعکس رب المال نے اسے کہا نہیں بلکہ میں نے دو ہزار روپے بطور مضاربت تمہیں دیئے تھے۔ تو اس اختلاف کی صورت میں مضارب کا قول معتبر ہو گا کیونکہ مضارب اور رب المال کے درمیان اختلاف مقدار مقبوض میں ہے اور اصول یہ ہے "فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْقَابِضِ فِیْ مِقْدَارِ الْمَقْبُوْضِ اَمِیْنًا کَانَ اَوْ ضَمِیْنًا" (حاشیہ کنزالدقائق ص۳۴۶)

(کہ مقدار مقبوض میں اختلاف کی صورت میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے چاہے وہ امین ہو یا ضمین) تو چونکہ مذکورہ مسئلہ میں مضارب مال مضاربت کا امین ہے اس لئے مضارب کا قول ہی معتبر ہو گا۔

قاعدہ نمبر۸۹:

"اِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْعَادَةُ اِذَا اطَّرَدَتْ اَوْ غَلَبَتْ"

ترجمہ:

(عادت کا اعتبار کیا جاتا ہے جب وہ عام یا غالب ہو جائے)

معاشرہ میں جس عمل کا رواج عام ہو جائے اور عوام الناس کی نظروں میں وہ عمل قابل

عمل سمجھا جائے تو اسے اپنا لیا جائے گا اور اعمال میں وہ معتبر ہو گا۔

امثلہ نمبر ۱:

عرف اور عادت یہ ہے کہ اگر کسی درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا جائے تو دھاگہ 'بٹن' سوئی وغیرہ کے اخراجات درزی کے ذمہ ہوتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں اس کی مقررہ اجرت کپڑے کے مالک کے ذمہ لازم ہوتی ہے تو چونکہ اس پر عوام الناس کا عمل جاری ہے اس لئے یہ عادت معتبر ہے۔

نمبر ۲: اگر اشتہار یا دیگر کتب کے مسودہ کی کتابت کے لئے کوئی کاتب اجرت پر لیا جائے تو کتابت کے دوران سیاہی اور قلم کے اخراجات کاتب کے ذمہ لازم ہوں گے جبکہ اس کی معینہ اجرت مستاجر کے ذمہ لازم ہو گی اور یہ عادت کے عین مطابق ہے۔

نمبر ۳: اگر کسی نے جانور اجرت پر لیا تو اس کا چارہ موجر کے ذمہ لازم ہو گا۔ حتی کہ اگر مستاجر نے اسے بھوکا بھی چھوڑ دیا اور وہ بھوک کی شدت سے مرگیا تب بھی اس کی ضمانت مستاجر پر نہیں ہو گی۔ مگر جب بچے کو دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت اجرت پر لی گئی تو اس کا کھانا اور لباس مستاجر کے ذمہ لازم ہو گا۔ ایسا کرنا عرفا" جائز ہے۔

المختصر معاشرہ میں جاری ایسے تمام احوال عرفا" درست ہوتے ہیں اور انہیں اپنانا جائز ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۰:

"مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ"

ترجمہ:

(وہ شئے جس کے بغیر واجب مکمل نہ ہوتا ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے)

امثلہ نمبر ۱:

(نماز کے صحیح ہونے کے لئے کپڑے' بدن اور جگہ کے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ وضو کا ہونا واجب ہے۔ اگر کسی نے بقیہ تمام شرائط پائے جانے کے باوجود وضو کے بغیر نماز ادا کی تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا "عَنْ اَبِیْ

ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ تَعَالٰی جَلَّ ذِکْرُہٗ صَلٰوۃَ اَحَدِکُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ"
(سنن ابی داؤد مترجم ج:۱، ص:۵۹)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کرتا جب وہ بے وضو ہو یہاں تک کہ وضو کر لے)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز وضو کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لئے وضو نماز کے لئے واجب ہے۔

نمبر ۲: نماز کے دوران تعدیل ارکان کرنا واجب ہے اور اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰی ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ السَّلَامَ وَقَالَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلّٰی کَمَا کَانَ صَلّٰی ثُمَّ جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ حَتّٰی فَعَلَ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَیْرَ ہٰذَا فَعَلِّمْنِیْ قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِکَ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّہَا قَالَ اَبُوْ دَاؤٗدَ قَالَ الْقَعْنَبِیُّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِہٖ فَاِذَا فَعَلْتَ ہٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُکَ وَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ ہٰذَا شَیْئًا فَاِنَّمَا انْتَقَصْتَہٗ مِنْ صَلٰوتِکَ وَقَالَ فِیْہِ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ"
(سنن ابی داؤد مترجم ج:۱، ص:۳۳۴)

ترجمہ:

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب لوٹایا اور فرمایا لوٹ جا اور نماز پڑھ۔ بیشک تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ آدمی واپس گیا اور اس نے نماز پڑھی جیسے کہ پہلے پڑھی تھی۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جا اور نماز پڑھ بیشک تو نے نماز نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ تین بار ایسا ہوا پھر اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے اچھی نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے سکھلایئے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر قرآن پاک میں سے جتنا ہو سکے قرات کر پھر تو اطمینان سے رکوع کر پھر رکوع سے اٹھ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ تو سجدہ سے مطمئن ہو پھر جلسہ کر یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائے پھر تمام نماز میں ایسا ہی کر۔ ابو داؤد نے کہا کہ حضرت قعنبیؒ کی روایت میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں ارشاد فرمایا جب تو ایسا کر چکے تو تیری نماز مکمل ہو گئی اور جو تو نے اس میں سے کم کیا تو وہ تو نے اپنی نماز سے کم کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب تو نماز کا ارادہ کرے تو اچھی طرح اپنا وضو کر)

مذکورہ حدیث طیبہ کی روشنی میں طرفین (حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کا موقف یہ ہے کہ نماز میں تعدیل ارکان کرنا واجب ہے اور اس کے ترک کرنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہو گا۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے "وَکَذَا الطَّمَانِیْنَۃُ فِیْ تَخْرِیْجِ الْجُرْجَانِیْ وَفِیْ تَخْرِیْجِ الْکَرْخِیْ وَاجِبَۃٌ حَتّٰی تَجِبَ سَجْدَتَا السَّھْوِ بِتَرْکِھَا عِنْدَہٗ" (ہدایہ ج ۱ ص: ۷۴)

(تخریج جرجانی اور تخریج کرخی کے مطابق طمانیت واجب ہے یہاں تک کہ اس کے ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے) اور کنز میں ہے۔ "وُجُوْبُ الطَّمَانِیْنَۃِ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَالْقَوْمَۃِ وَالْجَلْسَۃِ لِمُوَاظَبَتِہٖ عَلٰی ذٰلِکَ کُلِّہٖ"
(حاشیہ کنز الدقائق ص ۲۲)

مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ چونکہ نماز تعدیل ارکان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لئے تعدیل ارکان کرنا واجب ہے۔ اور یہی بنیادی اصول کا مدعا بھی ہے۔

نمبر۳: ہر صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہوتی ہے مگر ایام نحر کے علاوہ بقیہ ایام میں قربانی صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے صاحب نصاب پر قربانی کے وجوب کے ثبوت کے لئے ایام نحر کا ہونا بذات خود واجب ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے "عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ سَعَۃً وَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا" (رواہ احمد وابن ماجہ) (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب آدمی وسعت رکھتا ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے) اور کنز میں ہے "تَجِبُ عَلٰی حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِیْمٍ مُوْسِرٍ عَنْ نَفْسِہٖ شَاۃٌ اَوْ سُبُعُ بَدَنَۃٍ فَجْرَ یَوْمِ النَّحْرِ اِلٰی اٰخِرِ اَیَّامِہٖ" (کنز الدقائق ص ۴۲۰)

(بکری یا اونٹ کا ساتواں حصہ بطور قربانی ہر آزاد، مسلمان، مقیم خوشحال پر یوم نحر (دسویں ذی الحجہ کا دن) کی فجر سے ایام نحر کے آخری دن تک واجب ہوتا ہے)

(واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر۹۱:

"یَلْزَمُ مُرَاعَاۃُ الشَّرْطِ بِقَدْرِ الْاِمْکَانِ"

ترجمہ:

شرط کی رعایت بقدر امکان لازم ہوتی ہے)

(یعنی اگر کسی عمل میں کوئی شرط عائد کر دی جائے تو اگر وہ شرط شرعاً" اور عرفاً" ممنوع نہ ہو تو پھر اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا بصورت دیگر اسے ترک کر دیا جائے گا۔

شرط کی اقسام:

شرط کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ شرط جائز ۲۔ شرط فاسد ۳۔ شرط لغو

۱۔ شرط جائز:

"هُوَ مَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَيُلَائِمُهُ أَوْ جَرَى الْعُرْفُ بِهِ أَوْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِجَوَازِهِ" (شرح المجلہ)

(جائز وہ شرط ہوتی ہے جس کا تقاضا عقد کرتی ہو اور وہ عقد کے مناسب بھی ہو یا وہ شرط عرف میں جاری ہو یا پھر اس کے جواز میں شرعی حکم موجود ہو۔)

مذکورہ تعریف میں جائز شرط کی تین علامات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ عقد اس کا تقاضا کرتی ہو اور وہ عقد کے مناسب بھی ہو مثلاً "عقد کے وقت بائع نے یہ شرط عائد کردی کہ ثمن کی ادائیگی تک مبیع اسی کے پاس رہے گی تو بائع کا ایسی شرط عائد کرنا جائز اور درست ہو گا۔

۲۔ عرف عام میں وہ شرط جاری ہو۔ مثلاً "چمڑے کی بیع کرتے وقت بائع نے یہ شرط لگادی کہ وہ بذات خود اس سے جوتے بنا کر تسمے ڈالے گا۔ تو ایسی شرط تب صحیح ہو گی جب عرف میں اس کا رواج عام ہو ورنہ جائز نہیں ہو گی۔

۳۔ شرعاً" وہ شرط جائز ہو مثلاً" خیار شرط وغیرہ یعنی بائع یا مشتری کا تین دن کے لئے خیار کی شرط لگادینا کہ اگر عقد قبول ہو تو نبھاورنہ عقد توڑ دی جائے گی تو یہ ایسی شرط ہے جو شرعاً" جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت حبان بن منذر بن عمرو انصاری بیع میں اکثر دھوکہ کھاجاتے تھے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا "إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ" (حاشیہ کنز بحوالہ عینی ص ۲۳۱)

ترجمہ:

(جب تو بیع کرے تو یہ کہہ دیا کر کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی فتنہ نہیں اور میرے لئے تین دن تک اختیار ہے۔)

۲۔ شرط فاسد:

"هُوَ مَا لَا يَكُوْنُ مِنْ مُقْتَضِيَاتِ الْعَقْدِ وَلَا يُلَائِمُهُ وَفِيْهِ نَفْعٌ

لِأَحَدِالْعَاقِدَيْنِ" (شرح المجلہ)

(فاسد شرط وہ ہوتی ہے جس کا تقاضا نہ عقد کرتا ہو اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہو)

مثلاً "کپڑا فروخت کرتے وقت بائع یہ شرط لگا دے کہ وہ بذات خود اس کی سلائی کرے گا تو یہ شرط فاسد ہو گی کیونکہ کسی بھی اعتبار سے یہ عقد کے مناسب نہیں

۳۔ شرط لغو:

"هُوَمَا يسوی ذَالِكَ"

(لغو شرط سے مراد وہ شرط ہے جو نہ جائز ہو نہ فاسد بلکہ ان کے سوا ہو) جیسے مبیع کے نفع اور فائدہ کی شرط عائد کر دینا۔ مثلاً "حیوان بیچتے وقت بائع نے شرط لگا دی کہ مشتری اسے آگے فروخت نہیں کر سکتا یا دودھ دینے والی گائے 'بھینس فروخت کی اور ساتھ یہ شرط لگا دی کہ مشتری اس کا دودھ نہیں نکالے گا بلکہ تمام دودھ اس کے بچے کو پلا دے گا تو ایسی شرط لغو ہو گی۔

حکم:

شرط کی مذکورہ اقسام کا حکم یہ ہے کہ شرط جائز اور شرط لغو کے ساتھ عقد صحیح ہوتا ہے جبکہ شرط فاسد کے ساتھ عقد بھی فاسد ہوتا ہے۔

نوٹ:

شرط جائز ہو یا لغو عقد منعقد ہو جاتی ہے۔ اور تمام معاملات طے پا جاتے ہیں۔ مگر چونکہ شرط فاسد ہونے کے سبب عقد بھی فاسد ہوتی ہے اس لئے اس میں معاملات کی بھی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ بعض معاملات شرط فاسد کے ساتھ فاسد ہو جاتے ہیں مثلاً "بیع شرا اجارہ' مال کے عوض مال کی صلح' مزارعت اور قرض سے کسی کو بری کرنا وغیرہ یہ وہ معاملات ہیں جو فاسد شرط کے ساتھ فاسد ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بعض ایسے معاملات ہیں جو فاسد شرط کے ساتھ فاسد نہیں ہوتے بلکہ وہ شرط لغو ہو جاتی

ہے۔ اور معاملہ طے پا جاتا ہے۔ مثلاً" قرض' ہبہ' صدقہ' رہن' وصیت' شرکت' مضاربت اور قضاوغیرہ۔

جیساکہ اگر کسی نے گھر یا کوئی اور چیز کسی کو ہبہ کی کہ وہ ا۔ ، عوض کوئی چیز دے گا تو اس کا ہبہ تو صحیح ہو گا مگر شرط باطل ہو گی کیونکہ ہبہ فاسد شرط کے ساتھ باطل نہیں ہوتا جیساکہ کنز ص ۳۵۶ میں ہے "مَنْ وَهَبَ دَارًا عَلٰى اَنْ يَّرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا اَوْ يُعَوِّضَهٗ شَيْئًا مِنْهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الشَّرْطُ" اس عبارت پر محشی تحریر فرماتے ہیں "بَطَلَ الشَّرْطُ لِاَنَّهٗ مَجْهُوْلٌ وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ" (زیلعی) تو اسی طرح دیگر امور میں بھی اگر کوئی ایسی شرط عائد کی گئی تو شرط باطل ہو گی مگر عقد مکمل ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۴:

"مَاثَبَتَ بِالشَّرْعِ مُقَدَّمٌ عَلٰى مَاثَبَتَ بِالشَّرْطِ"

ترجمہ:

(ایسا عمل جو شرعاً" ثابت ہو وہ مقدم ہوتا ہے ایسے عمل پر جو شرط سے ثابت ہو) اسی اصول کی بنا پر ان چیزوں کی نذر ماننا صحیح نہیں ہوتی جو آدمی کے ذمہ شرعاً" واجب ہوتی ہیں۔

امثلہ نمبر ۱:

وہ آدمی جس نے فرضی حج ابھی تک ادا نہ کیا ہو مگر اس نے نفلی یا نذر مانے ہوئے حج کی نیت سے احرام باندھا تو اس کا فرضی حج ہی ادا ہو گا کیونکہ اس کا تعلق شریعت سے ہے جبکہ نفلی یا نذری حج اس کا اپنا لازم کردہ ہے۔ تو چونکہ فرضی حج شرعاً" لازم ہے اور نذری حج بالشرط ثابت ہے اس لئے مذکورہ اصول کے مطابق شرعاً" ثابت ہونے والا حج ہی مقدم اور ارجح ہو گا۔

۲۔ اگر کسی مقیم نے رمضان المبارک میں نذر مانے ہوئے روزے یا نفلی روزے کی نیت کی تو اس کا فرض روزہ ہی ادا ہو گا اور جس کی نیت کی تھی وہ ادا نہیں ہو گا کیونکہ فرض روزہ شریعت سے ثابت ہے اور نذری روزہ شرط سے اس لئے مذکورہ قاعدہ کے مطابق شرعاً" ثابت ہونے والا عمل مقدم ہو گا۔

۳۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا "طَلَّقْتُكِ بِالْفٍ عَلٰى اَنَّ لِىَ الرَّجْعَةَ" (کہ میں نے تجھے ہزار کے عوض طلاق دی اس شرط پر کہ میرے لئے رجوع کا حق باقی ہے) تو اس صورت میں طلاق رجعی وقع ہو گی اور الف (ہزار) کالفظ ساقط ہو جائے گا۔ "لِاَنَّ الْمَالَ ثَبَتَ بِالشَّرْطِ وَالرَّجْعَةَ بِالشَّرْعِ فَكَانَ اَقْوٰى" (کیونکہ مال (ہزار) شرط سے ثابت ہے اور رجعت کا حق شرع سے ثابت ہے اور شرع شرط کے مقابلہ میں اقوی ہے) اس لئے اسی کے مطابق حکم ہو گا۔

۴۔ اگر کسی نے اپنا مال زکواۃ فقیر کو نفلی صدقہ کی نیت سے دے دیا تو اس کی جانب سے زکواۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ زکواۃ حکم شرع سے ثابت ہے جب کہ نفلی صدقہ کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور حکم شرعی اقوی اور مقدم ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۳:

"اَلْمُثْبِتُ لِلْحُكْمِ يَحْتَاجُ اِلٰى اِقَامَةِ الدَّلِيْلِ" (علیہ الاتفاق)

ترجمہ:

(حکم ثابت کرنے والا دلیل لانے کا محتاج ہوتا ہے) یہ قاعدہ تمام کے نزدیک متفق علیہ ہے) کسی بھی دعوی یا حکم میں دو فریق ہوتے ہیں ایک ثابت کرنے والا ہوتا ہے جب کہ دوسرا اس کا منکر ہوتا ہے۔ اس میں دلائل و شواہد لانے کی ضرورت ہمیشہ دعوی ثابت کرنے والے کو ہوتی ہے اور منکر کو دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انکار کے ساتھ برات اصلیہ کو ثابت کرتا ہے اس قاعدہ کی اصل رب العالمین کا یہ ارشاد گرامی ہے "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" (فرما دیجئے (اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) (ان کفار کو) کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو) اس میں پروردگار عالم کفار و مشرکین کو چیلنج فرما رہے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوی میں درست اور سچے ہو تو پھر دلائل و براہین سے اپنا دعوی ثابت کرو تو اس سے معلوم ہوا کہ دلائل پیش کرنا مُثبِت کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔

امثلہ نمبر ا:

زید نے بکر کے خلاف یہ دعوی کیا کہ اس کے ذمہ ہزار روپے قرض واجب الادا ہے مگر بکر نے

اس دعوی کا انکار کر دیا اب دعوی کے اثبات کے لئے دلائل اور گواہ لانا زید کے ذمہ لازم ہے اگر حقیقتہ زید نے اپنا دعوی شواہد سے ثابت کر دیا تو بکر ہزار روپے دینے کا پابند ہو گا بصورت دیگر نہیں۔

۲۔ کسی نے مکان فروخت کیا اور مشتری نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا بعد ازاں کسی اور نے اس مکان پر اپنی ملکیت کا دعوی کر دیا تو اس صورت میں مکان پر اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے شواہد پیش کرنے کی ضرورت اسے ہی ہو گی۔ اگر اس نے اپنا دعوی بینہ سے ثابت کر دیا تو پھر اس مکان کی پہلی عقد ایک فضولی کی عقد شمار ہو گی۔ اگر اس نے اسے جائز قرار دے دیا تب مکان کی قیمت بائع اس کے حوالے کر دے گا اور اگر اس نے پہلی عقد فسخ کر دیا تو پھر وہ فسخ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اپنا دعوی بینہ سے ثابت نہ کر سکا تو پھر بائع پر اس کی ضمانت نہیں ہو گی اور اس کے اس نقصان کی نسبت بائع کی عقد کی جانب نہیں ہو گی۔ بلکہ گواہ پیش کرنے سے عاجز آنے کی طرف ہو گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۴:

"اَلْبَیِّنَۃُ حُجَّۃٌ مُتَعَدِّیَۃٌ وَالْاِقْرَارُ حُجَّۃٌ قَاصِرَۃٌ"

ترجمہ:

(بینہ (شہادت) حجت متعدیہ ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے) یعنی بینہ سے ثابت ہونے والا حکم صرف مدعی کی ذات تک محدود نہیں ہو گا بلکہ اس کے ورثا کے لئے بھی حجت ہو گا چونکہ بینہ کے حجت ہونے کے لئے قضاء قاضی کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی صرف مدعی کی ذات تک محدود نہیں رہے گا۔ مگر اس کے برعکس اقرار حجۃ قاصرہ ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم صرف مقر کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ کسی اور کی جانب منتقل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اقرار بذات خود حجت ہے اس کے لئے قضا قاضی کا ہونا ضروری نہیں۔ اور مقر کو صرف اپنے نفس پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اقرار سے ثابت ہونے والا حکم بھی اس کی ذات تک ہی محدود رہے گا۔

امثلہ نمبر ۱:

زید نے عمر سے زمین کا ایک پلاٹ خریدا پھر بکر نے اس میں سے بعض پر اپنے استحقاق کا دعوی کر دیا اگر اس نے اپنا دعوی گواہوں کی شہادت سے ثابت کر دیا اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا تو پھر مشتری (زید) اتنے حصے کی قیمت لوٹانے کے لئے بائع (عمر) کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ چونکہ بینہ حجت متعدیہ ہے اس لئے صرف مشتری تک محدود نہیں رہے گی بلکہ مشتری سے بائع کی جانب بھی یہ منتقل ہو جائے گی مگر اس کے برعکس اگر مشتری (زید) نے بکر کے لئے اس پلاٹ میں سے بعض حصے کا اقرار کیا کہ وہ بکر کی ملکیت ہے تو اس صورت میں وہ بائع کی طرف اس حصے کی قیمت کے لئے رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے یہ مشتری سے بائع کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ اگر مشتری کے پاس مبیعہ نے بچہ جنا اور پھر کسی اور نے اس کا مالک ہونے کا دعوی کر دیا۔ اگر اس نے اپنا دعوی بینہ کے ساتھ ثابت کر دیا تو پھر مبیعہ کے ساتھ اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ بینہ حجت متعدیہ ہے جو مبیعہ سے اس کے بچے کی طرف بھی منتقل ہو گی مگر اس کے برعکس اگر مشتری نے بذات خود یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں کی ملکیت ہے تو یہ اقرار صرف مبیعہ کی ذات تک محدود رہے گا اور بچہ ساتھ نہیں دینا پڑے گا۔ پہلی صورت میں مشتری اپنی رقم کی واپسی کے لئے بائع کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۵:

"اَلْمَیْسُوْرُ لَا یَسْقُطُ بِالْمَعْسُوْرِ"

ترجمہ:

(آسان عمل تنگ حالی کے سبب ساقط نہیں ہو گا۔) یعنی ایسا عمل جو آسانی سے کرنا ممکن ہو وہ ایسے عمل کے سبب ساقط نہیں ہو گا جس کا کرنا ممکن نہ ہو۔ اس اصول کی اصل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ "اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے اتنا بجا لاؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔)

اس قاعدہ کے تحت آنے والے بیشمار مسائل ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر کسی آدمی کے بعض اعضاء وضو کٹے ہوئے ہوں تو غسل یا وضو کرتے وقت بقیہ اعضاء کو

دھونا واجب ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ کٹے ہوئے اعضاء کے سبب موجود اعضاء کا دھونا بھی ساقط ہو جائے۔ اس لئے کہ موجود اعضاء کو دھونا آسان ہے اور مقطوع اعضاء کو پانا محال ہے اور محال کے سبب ممکن عمل ساقط نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر کسی کے پاس ستر عورۃ (شرمگاہ) ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی صرف اتنی مقدار ہو جس سے بعض حصہ ڈھانپا جا سکتا ہو تو اسے جتنا کپڑا میسر ہو اس کا استعمال واجب ہے ایسا نہیں کہ مکمل ستر عورۃ کے لئے کپڑا نہ ہونے کے سبب جتنا ممکن ہے اسے بھی استعمال نہ کیا جائے۔

۳۔ اگر آدمی کو حدث لاحق ہو چکی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے بدن یا کپڑوں پر نجاست بھی ہو۔ مگر پانی کی صرف اتنی مقدار میسر ہو کہ اگر اس سے وضو کرے تو پھر نجاست زائل نہیں کر سکتا اور اگر نجاست کو صاف کرے تو پھر وضو ممکن نہیں تو ایسی حالت میں پانی نجاست صاف کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا اور بعد ازاں نماز کے لئے وضو کی بجائے تیمم کیا جائے گا۔ ایسا نہیں کہ چونکہ دونوں کے لئے پانی کی مقدار کافی نہیں اس لئے دو میں سے کسی کے لئے بھی اس کا استعمال ضروری نہیں۔

۴۔ اگر اعضاء وضو میں سے کسی کا کوئی عضو اس طرح زخمی ہو کہ اسے پانی سے دھونا نقصان دہ ہو تو ایسی صورت میں اس عضو کے سالم حصہ کو دھونا واجب ہے۔ اور زخمی حصہ کا مسح کرنا ضروری ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ بعض عضو کے زخمی ہونے کے سبب کل عضو کا دھونا ساقط ہو جائے کیونکہ میسور معسور کے سبب ساقط نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۶

"اَلنِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّقْمَةِ وَالنِّقْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ"

ترجمہ

(فوائد مشقت کی مقدار حاصل ہوتے ہیں اور مشقت فوائد کی مقدار ہی ہوتی ہے)

اس کارگاہ حیات میں ہر انسان اعلیٰ اور عمدہ شی کے حصول کا متمنی ہے مگر کسی اعلیٰ شی کے حصول کیلئے اور بلند مرتبہ پر فائز ہونے کیلئے صرف آرزو اور خواہش ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے اور خالی تصور کو ایک مجسم صورت عطا کرنے کیلئے تگ و دو اور محنت و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا جو انسان جتنی جدوجہد کریگا اسی کے مطابق اسے انعام

سے نوازا جائیگا۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جتنا مفاد زیادہ ہو گا' مطلوب ارفع ہو گا اتنی ہی محنت و مشقت بھی زیادہ ہو گی۔

مثلاً" اگر ایک انسان وکیل یا قاضی بننے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسے اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے خاصی مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا شب و روز کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑے گی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دوست احباب کی ملاقاتیں اور دیگر لذات قربان کرنا پڑیں گی تب سالہاسال کی دن رات محنت شاقہ کے بعد کہیں اسے اپنا مقصود حاصل ہو گا۔ مگر اس کے برعکس اگر خواہش صرف معمولی سپاہی بننے کی ہو تو پھر نسبتاً" کم مشقت کا سامنا ہو گا۔

المختصر جتنا انعام اعلیٰ ہو گا' جتنا مقصود بلند ہو گا اتنی محنت اور جدوجہد زیادہ کرنی ہو گی اور جتنا مقصود ادنی ہو گا اتنی کاوش بھی کم ہو گی۔

اگر مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں عبادات میں غور کیا جائے تو روز روشن کی مثل عبادات میں یہ اصول کار فرما نظر آتا ہے۔ مثلاً" نماز کو لیجئے اگر نماز مسجد سے باہر ادا کی جائے تو ایک نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور اگر مسجد میں اکیلے پڑھی جائے تو باہر کی نسبت ستائیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو تنہا پڑھنے کی نسبت ستائیس نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ تو اس میں غور کرنے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ گھر کی نسبت مسجد جانے میں مشقت زیادہ ہے اسلیئے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ اور پھر باجماعت نماز ادا کرنے میں مشقت زیادہ ہے اسلیئے اس کی جزا اور ثواب سب سے زیادہ ہے۔

اسی طرح اگر نفل نماز کھڑے ہو کر ادا کی جائے تو مکمل ثواب حاصل ہوتا ہے اور اگر بیٹھ کر پڑھی جائے تو نماز ادا تو ہو جاتی ہے مگر کھڑے ہونے کی نسبت ثواب نصف حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ آدمی کھڑا ہونے سے معذور نہ ہو۔ تو چونکہ قیام میں جلوس کی نسبت مشقت زیادہ ہے اس لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے۔

اسی طرح حج کو لیجئے اگر ایک مسلمان یہ فریضہ اپنی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ تو اسے جزا یہ ملتی ہے کہ وہ گناہوں کی تمام تر آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ رحمتہ للعالمین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق وہ نومولود بچے کی مثل ہوتا ہے۔ تو اس عظیم انعام کے متعلق اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ چونکہ حج میں مشقت' تکلیف اور قربانی دیگر تمام عبادات کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لئے اس پر مرتب ہونے والی

جزا اور اجر بھی تمام سے اعلیٰ اور زیادہ ہے۔

علیٰ ہذا القیاس دیگر عبادات میں بھی غور کرنے سے اس اصول کی صداقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے

عبادات کی طرح دیگر معاملات میں بھی یہ اصول موجود نظر آتا ہے۔ مثلاً" اگر کسی کو لقیط (لاوارث بچہ) ملے تو اس کے تمام تر اخراجات کی ذمہ داری اسلامی بیت المال پر ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر اس نے کسی کو خطاً" قتل کر دیا تو اس کی دیت بھی بیت المال کو ادا کرنا پڑے گی تو چونکہ بیت المال اس کا تمام بوجھ برداشت کرتا ہے اسلیئے اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث کا حقدار بھی بیت المال ہی ہوتا ہے اسیطرح اگر کسی نے اسے قتل کر دیا تو اس کی دیت بھی بیت المال ہی وصول کرے گا۔ اور اگر قاضی یہ تمام اختیارات ملتقط (اٹھانے والا) کو سونپ دے تو پھر تمام تر مشقتیں اور منافع اسی کیلئے ہونگے جیساکہ کنزالدقائق ص:۲۱۷ پر ہے "یَکُوْنُ اِرْثُ اللَّقِیْطِ فِیْ بَیْتِ الْمَالِ اِذَا مَاتَ وَتَرَکَ مَالًا لِاَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ۔۔۔ وَلَوْ جَعَلَہُ الْقَاضِیْ لِلْمُلْتَقِطِ جَازَ وَکَذَا عَقْلُ جِنَایَتِہٖ فِیْ بَیْتِ الْمَالِ کَمَا اَنَّ دِیَتَہُ لَوْ قَتَلَہُ اَحَدٌ خَطَاً لِبَیْتِ الْمَالِ"

(۲) اگر ایک عمارت چند آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہو اور اس کے بوسیدہ ہو جانے کے باعث اس کی مرمت ضروری ہو جائے تو ہر شریک پر اپنے اپنے حصہ کی مقدار اخراجات برداشت کرنا ضروری ہوں گے اس لئے کہ وہ تمام اس سے حاصل ہونے والے منافع میں شریک ہوتے ہیں

قاعدہ نمبر ۷۹

"اَلْمَشَقَّۃُ تَجْلِبُ التَّیْسِیْرَ"

ترجمہ

(مشقت آسانی لاتی ہے) بالعموم احکام اسلامیہ کی نوعیت یہ ہے کہ ان کی ادائیگی میں انسان کیلئے کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کیئے بغیر کوئی چارہ نہیں مثلاً" سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا اور گرمی کے موسم میں رمضان المبارک کے روزے رکھنا وغیرہ مشقت و تکلیف سے قطعاً" خالی نہیں۔ مگر یہ مشقت عموماً" ایسی نہیں ہوتی جو برداشت سے

باہر ہو اس لئے ایسی مشقت جو قابل برداشت اور عمومی ہو وہ آسانی اور تخفیف کا سبب نہیں بن سکتی البتہ ایسی مشقت جو آدمی کے لئے ضرر رساں ہو وہ تخفیف کا سبب بنتی ہے مذکورہ بالا قاعدہ میں مشقت کی یہی قسم مراد ہے اس اصول کی اصل رب کریم کے یہ ارشادات ہیں" يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُبِكُمُ الْعُسْرَ "(البقرہ پ۲:۱۸۵) (اللہ تعالی تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور وہ تمہارے لئے تنگی کا ارادہ نہیں کرتے)

(۲)"وَمَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ "(الحج:پ۱۷:۷۸)

(اور اس (اللہ) نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی روانہیں رکھی)

مذکورہ آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ دین میں تنگی اور حرج کا پہلو نہیں ہے بلکہ تخفیف اور آسانی کا پہلو غالب ہے۔

اسباب تخفیف:

تخفیف کے کئی اسباب ہیں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر۱سفر:

عام حالات میں آدمی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مکمل نماز ادا کرے 'رمضان المبارک کے روزے رکھے اگر سردی کے موسم میں خفین (موزے) پہنے ہوئے ہے تو اسے ایک دن اور ایک رات ان پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر آدمی اپنے گھر سے تین دن اور تین رات کی مسافت پر باہر چلا جائے تو اس سفر کے سبب اسے نماز قصر کرنے روزہ افطار کرنے اور اپنے خفین پر تین دن اور تین رات مسح کرنے کی تخفیف حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر ایسی مشقت ہے جو مندرجہ بالا اور کئی دیگر امور میں آسانی لانے کا ذریعہ ہے۔

نمبر۲مرض:

اگر پانی کے استعمال پر انسان قادر ہو تو اس کیلئے وضو کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے ۔مگر اس کے برعکس اگر انسان بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے جان ضائع ہونے یا بیماری بڑھ جانے کا غالب گمان ہو تو پھر تیمم کے ساتھ نماز ادا کرنا صحیح ہے اسیطرح اگر بیماری کے سبب نماز میں کھڑا ہونے یا اسے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرنے پر انسان قادر نہ ہو تو بیٹھ کر اور اشارے

کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہے اگر شیخ فانی رمضان المبارک کے روزے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے ان کا فدیہ دینے کی اجازت ہے علاوہ ازیں کثیر مسائل ایسے ہیں جن میں بیماری کے سبب تخفیف پیدا کر دی گئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بیماری ایک ایسی مشقت ہے جو آسانی اور تخفیف کا سبب ہے۔

نمبر۳ اکراہ:

اگر آدمی کو بالاکراہ کلمہ کفر زبان پر لانے کا پابند کر دیا جائے اور مکرہ نے مکرہ کو قتل کی دھمکی دی ہو تو اگر فی الحقیقت وہ ایسا کرنے کی قوت و قدرت رکھتا ہو تو جان کی حفاظت کیلئے زبان پر کلمہ کفر لانے کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ انسان کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس میں اکراہ ایک ایسی مشقت ہے جو تخفیف کا سبب ہے۔

المختصر علاوہ ازیں کئی اور اسباب بھی ہیں جو تخفیف کا سبب بنتے ہیں۔ مذکورہ قاعدہ کے بارے میں علماء کا قول یہ ہے۔ کہ احکام شرعیہ کی تمام تر رخصتیں اور تخفیفیں اسی قاعدہ کے تحت آتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر۹۸:

"سَدُّ الذَّرَائِعِ أَوْ حَسْمُ مَادَةِ وَسَائِلِ الْفَسَادِ"

ترجمہ:

ایسے ذرائع یا وسائل جو فساد اور ممنوع افعال کا سبب بنیں انھیں ختم کرنا ضروری ہوتا ہے یعنی شریعت اسلامیہ میں ایسے افعال کرنے سے منع کیا گیا ہے جو خود تو مباح ہیں مگر کسی ممنوع فعل تک پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس قاعدہ کی بنیاد مندرجہ ذیل ارشادات نبویہ پر ہے۔

(۱) "عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ اَلْحَدِيْثُ" (ریاض الصالحین مترجم)

(حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان امور مشبہات ہیں

جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان مشتبہات سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا)

(۲) "عَنْ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ حَفِظْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يَرِيْبُكَ" رواہ الترمذی (ریاض الصالحین مترجم ج۱ ص:۳۴۳)

(حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا میں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہے کہ مشکوک چیز کو چھوڑ کر وہ چیز اپناؤ جس میں شک نہ ہو)

(۳) "عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ الصَّحَابِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا مِمَّا بِهٖ بَأْسٌ" رواہ الترمذی (ریاض الصالحین مترجم ج۱ ص:۳۴۴)

(حضرت عطیہ بن عروہ السعدی الصحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ متقین کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا حتی کہ وہ حرج والی چیز کے خوف سے اس چیز کو بھی ترک کردے جس میں کوئی حرج نہ ہو)

امثلہ نمبر۱۵ شریعت اسلامیہ میں غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے اور ان سے محرم کے بغیر خلوت نشینی اختیار کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُتِبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَصِيْبُهٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ اَوْ يُكَذِّبُهٗ" متفق علیہ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی پر اس کے حصہ کا زنا لکھ دیا گیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے دونوں کانوں کا زنا (بے حیائی کی بات) سننا ہے۔ زبان کا زنا بات کرنا ہے ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔ اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے دل خواہش اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ یا تو اس کی تصدیق کر دیتی

ہے یا اس کو جھٹلا دیتی ہے)

(۲) "عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہَا" رواہ البیہقی فی شعب الایمان (تفسیر مظہری ج:۶ ص:۴۹۲)

(حضرت حسنؓ سے مرسل روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے (غیر محرم) کی طرف دیکھنے والے اور جس کی طرف دیکھا جائے دونوں پر لعنت کی ہے)

تو اس حکم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ دیکھنا جرم نہیں لیکن نتیجۃً "بدکاری تک پہنچنے کا سب سے خطرناک ذریعہ ہے اس لئے اسکی ممانعت کرکے بدکاری کا راستہ ہی بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جب نگاہ کسی کی طرف نہیں اٹھے گی تو پھر فعل بد کے ارتکاب سے کافی حد تک بچنا ممکن ہوگا۔

اجنبی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نشینی سے منع کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

(۱) "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَخْلُوَنَّ اَحَدُکُمْ بِامْرَاَۃٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ" متفق علیہ (ریاض الصالحین مترجم ج:۲ ص:۳۱۰)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی محرم کی معیت کے بغیر کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے)

(۲) "عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اَفَرَاَیْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ" (متفق علیہ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بچو ایک انصاری نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیور کے بارے آپ کی رائے کیا ہے تو آپ نے فرمایا دیور موت ہے) اس حکم کی علت بھی یہی ہے کہ اس میں بدکاری کا خدشہ ہے اس لئے اس حکم کے ساتھ بدکاری کے ذریعہ کو

ہی ختم کر دیا

(۲) ارشاد خداوندی ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا" (اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ بیشک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے) اس آیت طیبہ میں رب قدوس نے لَا تَزْنُوْا ارشاد نہیں فرمایا کہ تم بدکاری نہ کرو بلکہ فرمایا کہ تم بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام طریقے اور حربے جو انسان میں جنسی خواہش کی انگیخت پیدا کرتے ہیں مثلاً "سینما بینی' وی سی آر' فحش لٹریچر' مرد و زن کا اختلاط' چست اور تنگ بھڑکیلا لباس' بے پردگی اور نظربازی وغیرہ ان تمام سے محفوظ رہو ورنہ اس فعل شنیع سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔

آیئے آخر میں "سَآءَ سَبِيْلًا" کی تفسیر میں ضیاالقرآن کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ حکیم و علیم رب نے بدکاری کے مذکورہ تمام ذرائع پر پابندی عائد کر کے اپنے بندوں کو کتنے بھیانک نتائج سے محفوظ کر لیا ہے۔

"زنی کے دور رس برے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو "سَآءَ سَبِيْلًا" کا مفہوم واضح ہو جائیگا اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے۔ مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی بنتا ہے۔ موذی بیماری بڑی کثرت سے پھیلتی ہے۔ عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ پھر اس فعل شنیع کے ارتکاب سے اس کی سیرت اور اس کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اور حرام اولاد شفقت پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرہ میں کبھی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی ۔اس کی وجہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کیلئے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے۔(ضیاالقرآن ج:۳ ص نمبر:۶۵۷)

(۳) شریعت اسلامیہ نے ارتکاز دولت ممنوع قرار دیا ہے اس لئے کہ اس سے معاشرہ میں معاشی بدحالی اور مالی ناہمواری جیسے شدید مسائل جنم لیتے ہیں جن کے سبب سرمایہ دار امیر سے امیر تر بنتا چلا جاتا ہے اور ملک کے مالی وسائل پر قابض ہو کر اپنے وطن کو مالی بحران سے دوچار کر سکتا ہے اور من مانی کاروائی کرنے کی اس میں جرات آجاتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف ملک کا غریب طبقہ غریب تر ہوتے ہوئے افلاس کی چکی میں پسنے لگتا ہے اور اس کیلئے اپنے بچوں

کیلئے دو وقت کی خوراک کا انتظام کرنا انتہائی مشکل ہوجاتا ہے اسلئے اسلام نے ان مسائل کا سدباب کرنے کیلئے کسب معاش کے وسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی حلال اور حرام۔ اور پھر حرام میں ان تمام ذرائع اور وسائل کا ذکر کیا ہے جن میں بغیر کسی محنت و کاوش کے بڑی آسانی سے دولت امڈتی چلی آتی ہے مثلاً" سود' جواء' ذخیرہ اندوزی' سمگلنگ' بلیک مارکیٹنگ اور رشوت وغیرہ گویا اسلام نے ان تمام ذرائع کو ممنوع اور حرام قرار دے کر ارتکاز دولت کے تمام راستے بند کردیئے ہیں اور پھر حلال کمائی سے جمع شدہ رقم کو پھیلانے کیلئے زکوۃ و صدقات جیسے احکام پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی ہے۔ تاکہ کسی اعتبار سے بھی ارتکاز دولت کے سبب معاشی مسئلہ نہ پیدا ہو۔ ذخیرہ اندوز کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فَقَدْ بَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ "(مسند امام احمد) (جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کے رکھے گا تحقیق اللہ اس سے بری ہے) دیگر ذرائع کے بارے میں ارشادات نبویہ متعدد مقالات پر پہلے گزر چکے ہیں۔

اجتناب کرنے کے لحاظ سے ذرائع کی اقسام:

اس اعتبار سے ذرائع کی تین اقسام ہیں۔

(۱) واجب (۲) مستحب (۳) مکروہ

(۱) واجب:

وہ ذرائع جن سے اجتناب کرنا واجب ہے جیسے مذکورہ تمام مثالیں

(۲) مستحب:

وہ ذرائع جن سے اجتناب کرنا مستحب ہے۔ جیسے "اِجْتِنَابُ مُعَامَلَةِ مَنْ اَكْثَرُ مَالِهٖ حَرَامٌ" (ایسے آدمی سے معاملہ کرنے سے اجتناب کرنا جس کا اکثر مال حرام ہو)

(۳) مکروہ:

وہ ذرائع جن سے اجتناب کرنا مکروہ ہے "اَلْاِجْتِنَابُ مِنْ قُبُوْلِ رُخَصِ اللّٰهِ وَالْهَدَايَا" (اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں اور ہدایا قبول کرنے سے اجتناب کرنا) (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۹)

اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ذرائع کی اقسام

اس اعتبار سے ذرائع کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایسا ذریعہ جو وضع ہی فساد تک پہنچانے کیلئے کیا گیا ہو جیسے نشہ آور اشیاء کا استعمال' بہتان تراشی اور زنا وغیرہ ایسے تمام ذرائع کے استعمال کیلئے شریعت نے انکے فساد کے اعتبار سے حرمت یا کراہت کا حکم صادر کیا ہے۔

(۲) ایسا ذریعہ جو فی ذاتہ مباح ہو مگر اس کے ذریعے کسی فعل حرام یا مفسد تک پہنچنے کا قصد کیا گیا ہو مثلاً" حلالہ کی نیت سے عقد نکاح کرنا' اور برائی کی غرض سے عقد بیع کرنا وغیرہ عقد نکاح اور عقد بیع فی الحقیقت مباح ہیں مگر حلالہ کی غرض سے نکاح کرنا اور بیع میں سود لینا قطعاً" ممنوع ہے ایسے ذرائع کا حکم بھی پہلی قسم کی مثل ہے۔

(۳) ایسا ذریعہ جو ذاتی طور پر مباح ہو اور اس سے کسی فساد تک پہنچنے کا قصد بھی نہ کیا گیا ہو۔ مگر اس میں جہت فساد مصلحت کی نسبت غالب اور ارجح ہو مثلاً" اوقات مکروہ میں بالقصد نماز ادا کرنا' کسی قبر کے سامنے نماز پڑھنا اور عورت کا اپنے خاوند کی موت کے بعد دوران عدت زیب و زینت کرنا وغیرہ تو چونکہ ان تمام ذرائع میں جہت فساد غالب ہے اس لئے ان سے بچنا ضروری ہے اور ان کا استعمال مکروہ ہے۔

(۴) ایسا ذریعہ جو فی الحقیقت مباح ہے کبھی کبھی فساد کا موجب بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں مصلحت کی جہت فساد کی نسبت ارجح اور غالب ہوتی ہے ایسے ذریعہ کا استعمال جائز ہوتا ہے جیسے منگنی سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو ایک نظر دیکھنا' قاضی کا شہادت دینے والی عورت کی جانب دیکھنا اور اس عورت کی طرف دیکھنا جس کے خلاف عدالت میں شہادت دی گئی۔ اور طبیب کا علاج کی غرض سے عورت کو مس کرنا وغیرہ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۹۹

"اَلْاَصْلُ اَنَّهُ قَدْ يَثْبُتُ مِنْ جِهَةِ الْفِعْلِ مَالَا يَثْبُتُ مِنْ جِهَةِ الْقَوْلِ"

ترجمہ

(بنیادی طور پر کوئی حکم فعل کی جہت سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ وہ قول کی جہت سے ثابت نہیں ہوتا) یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک حکم قولاً" ثابت نہیں ہوتا مگر وہ فعلاً"

ثابت ہو جاتا ہے۔

امثلہ

(۱) جب کسی نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور پھر وکیل کی عدم موجودگی میں اسے قولاً (زبان سے) معزول کر دیا تو جب تک وکیل کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوگا تب تک وہ وکالت سے معزول نہیں ہوگا۔ اور معزول ہونے کے علم سے قبل وہ جتنا تصرف مامور بہ میں کرے گا وہ صحیح ہوگا۔ اور اگر موکل نے بذات خود اسی مجلس میں مامور بہ میں تصرف کر دیا تو موکل کے اس فعل سے وکیل معزول ہو جائیگا چاہے اسے معزول ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ موکل کے بنفسہ تصرف کرنے سے وکیل کیلئے موکل فیہ باقی ہی نہیں رہا جس کے سبب وہ تصرف کرنے سے عاجز آگیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وکیل کی معزولی کا حکم قول سے ثابت نہیں ہوا بلکہ فعل سے ثابت ہوا ہے۔

(۲) اگر کسی نے دوسرے کو کوئی شئی ھبہ کی تو اس ھبہ کے صحیح ہونے کیلئے ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ موہوبہ شئی پر قبضہ کی قدرت دینا بنیادی شرط ہے۔ اگر موہوب لہ مجلس ھبہ میں واہب کی اجازت کے بغیر اور اس کے بعد واہب کی اجازت کے ساتھ اس پر قبضہ کرلے تو ہبہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اگر واہب نے موہوب لہ کو قولاً تو اجازت دے دی مگر اس پر قبضہ کی قدرت فراہم نہ کی تو ہبہ صحیح نہیں ہوگا اور اگر اس کے برعکس موہوب لہ کو قبضے کی اجازت دے دی اور اس نے وہ شئی اپنے قبضہ میں لے لی تو ھبہ صحیح ہوگا۔ اگرچہ اس نے موہوب لہ کو قولاً اجازت نہ بھی دی ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات ایک حکم صرف قول سے ثابت نہیں ہوتا مگر وہی حکم فعل سے ثابت ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قاعدہ نمبر ۱۰۰، الف جز:

"مِنَ الْحُقُوْقِ مَا يَنْتَقِلُ اِلَى الْوَارِثِ وَمِنْهَا مَالَا يَنْتَقِلُ"

ترجمہ

(وہ حقوق جو ورثا کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہ جو ورثا کی طرف منتقل نہیں ہوتے)

انسان اپنی حیات میں مال وجائیداد کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ علم، عقل اور دانشمندی کے بل بوتے پر کئی دیگر صفات سے متصف اور عہدوں پر فائز ہوتا ہے مگر جب زندگی کا چراغ گل

ہوتا ہے اور وہ اس جہان فانی سے رخت سفرباندھتا ہے تو وہ اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور دیگر مال ومتاع اپنے ورثاء کے لئے چھوڑ کر خالی ہاتھ اپنے سفر آخرت کا آغاز کرتا ہے اور مالی امور سے متعلقہ تمام تر حقوق ورثا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور ورثاء کو ان میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس وہ تمام تر مراتب ودرجات جو اسے تعلیم ' ذہانت اور قابلیت کی بناپر اپنی حیات مستعار میں حاصل تھے اس کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں اور ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ مثلاً" اگر وہ سربراہ مملکت ہو یا سربراہ حکومت ' قاضی ہو یا وکیل 'امام ہو یا خطیب ' جرنیل ہو یا وزیر 'صحافی ہو یا ادیب المختصر وہ تمام مراتب جو اسے قابلیت و صلاحیت کی بناپر حاصل تھے وہ روح قفس عنصری سے پرواز کرنے کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں اور ورثاء میں سے کوئی بھی صرف وارث ہونے کی حیثیت سے کسی مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ گویا میت سے متعلقہ یہی وہ حقوق ہیں جو ورثا کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔

مالی امور میں سے بھی بعض ایسے ہیں جن کے ورثا کی طرف منتقل ہونے میں ائمہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

مثلاخیار شرط

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع یا مشتری کو مبیع کی پسند و ناپسند اور بیع کو مستحکم کرنے کیلئے تین دن تک اختیار ہوتا ہے۔ اگر چاہے تو بیع مستحکم کرلے اور اگر چاہے تو مبیع واپس کردے اگر اس مدت میں صاحب اختیار فوت ہو جائے تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اس کا اختیار ورثا کی طرف منتقل نہیں ہوگا 'کیونکہ خیار سے مراد مشیت اور ارادہ ہے اور یہ منتقل نہیں ہو سکتے کیونکہ موت کے سبب غور و فکر اور مشیت وارادہ کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ حاشیہ کنز میں ہے "وَلَا يَنْتَقِلُ الْخِيَارُ بَعْدَ مَوْتِ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ إِلَى الْوَرَثَةِ لِأَنَّ الْخِيَارَ لَيْسَ إِلَّا مَشِيَّةً وَإِرَادَةً فَلَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ لِأَنَّ الْغَرَضَ مِنْهُ التَّأَمُّلُ لِغَرَضِ نَفْسِهِ وَقَدْ بَطَلَتْ أَهْلِيَّةُ التَّأَمُّلِ لَهُ" (کنز الدقائق ص ۲۳۲)

(صاحب اختیار کی موت کے بعد اس کا اختیار ورثا کی طرف منتقل نہیں ہوگا 'کیونکہ خیار صرف

مشیت اور ارادہ ہے۔ اور یہ اس سے منتقل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مقصد صرف اپنی ذات کیلئے غور و فکر کرنا ہے اور موت کے بعد غور و فکر کی اہلیت باطل ہو جاتی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ خیار عقد کرنے والے کی صفت ہے عقد کی صفت نہیں اس لئے موصوف کی موت کے ساتھ ہی دیگر صفات کی طرح یہ صفت بھی ختم ہو جائے گی۔

(۲) شفعہ:

شفعہ کی تعریف یہ ہے "هِيَ تَمَلُّكُ الْبُقْعَةِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِمَا قَامَ عَلَيْهِ" (کنز ص:۳۹۹)

(مشتری پر جبر کرتے ہوئے زمین کے کسی حصہ کا اس قیمت کے عوض مالک بنا جتنے میں مشتری کو پڑی ہو شفعہ کہلاتا ہے) اگر کسی نے قاضی کی عدالت میں شفعہ کا دعوی دائر کر رکھا ہو اور فیصلہ سے قبل فوت ہو جائے تو اس کا یہ حق ورثا کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ شفعہ کیلئے یہ شرط ہے کہ سبب شفعہ پر شفیع کی ملکیت بیع کے وقت سے لیکر شفعہ کے ساتھ لینے کے وقت تک باقی رہے مگر شفیع کی موت کے سبب یہ شرط معدوم ہو جاتی ہے اس طرح کہ بیع کے وقت سبب شفعہ پر شفیع کی ملکیت موجود تھی مگر شفعہ کے ساتھ لینے کے وقت موت کے سبب یہ ملکیت زائل ہو گئی۔ جبکہ ورثا کی ملکیت بیع کے وقت سبب شفعہ پر نہیں تھی۔ اور اب بعد میں ان کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں فریقوں میں من وجہ شرط مفقود ہے۔ اس لئے شفعہ باقی نہیں رہے گا بلکہ باطل ہو جائیگا۔ہاں اگر قاضی شفیع کے حق میں فیصلہ دے چکا تھا اور قبضہ سے پہلے اس کی موت واقع ہو گئی یا مشتری وہ زمین شفیع کے حوالے کر چکا تھا تو پھر دوسری جائیداد کی طرح یہ بھی اس کے ورثا کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے "تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ بِمَوْتِ الشَّفِيْعِ قَبْلَ الْاَخْذِ بَعْدَ الطَّلَبِ اَوْ قَبْلَهٗ وَلَا تُوْرَثُ عَنْهُ ـــــ لِاَنَّ مِلْكَ الشَّفِيْعِ فِيْمَا يَأْخُذُ بِهِ الشُّفْعَةَ وَلَمْ يُوْجَدْ فِيْ حَقِّ الْمَيِّتِ وَقْتَ الْاَخْذِ وَلَا فِيْ حَقِّ الْوَارِثِ وَقْتَ الْبَيْعِ فَبَطَلَتْ لِاَنَّهَا لَا تَسْتَحِقُّ بِالْمِلْكِ الْحَادِثِ بَعْدَ الْبَيْعِ وَلَا بِالزَّائِلِ بَعْدَ الْاَخْذِ وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِيْ لَهٗ بِالشُّفْعَةِ اَوْ سَلَّمَ الْمُشْتَرِي الدَّارَ لَهٗ فَهِيَ لِوَرَثَتِهٖ

يَأْخُذُوْنَهَا" (کنز الدقائق ص:۴۰۵)

مذکورہ دونوں مسئلوں میں امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ دیگر حقوق مالیہ کی طرح خیار شرط اور شفعہ بھی ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک یہ دونوں ایسے حقوق ہیں جو صاحب اختیار اور شفیع کے لئے ثابت ہو چکے ہیں موت سے ان کا بطلان ممکن نہیں کیونکہ آپ کے نزدیک یہ عقد کی صفات ہیں اور عقد برقرار ہے اس لئے جب موصوف (عقد) ورثاء کی طرف منتقل ہو گا تو صفت بذات خود ان کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

ب جز: "اَسْبَابُ الْاِرْثِ ثَلَاثَۃٌ زَوْجِیَّۃٌ وَّقَرَابَۃٌ وَّوَلَاءٌ"

ترجمہ

(وراثت کے اسباب تین ہیں زوجیت، قرابت اور ولاء)

میت کے ترکہ کا وارث بننے کیلئے مذکورہ تین اسباب میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے مستحکم اور مستقل سبب قرابت ہے جبکہ دوسرے دونوں سبب غیر مستحکم ہیں اور ان کا زائل ہونا ممکن ہے۔ مثلاً" سبب زوجیت طلاق سے ختم ہو سکتا ہے اور سبب ولاء آزاد ہونے والے غلام کے قریبی رشتہ دار موجود ہونے کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔ مگر سبب قرابت زائل نہیں ہوتا۔ ان تین اسباب کی وجہ حصر یہ ہے کہ بنیادی طور پر اسباب ارث کی دو صورتیں ہیں (۱) ایسے اسباب جنہیں زائل کرنا ممکن ہے (۲) ایسے اسباب جنہیں زائل کرنا ممکن نہیں۔ ایسا سبب ارث جسے زائل کرنا ممکن ہے وہ زوجیت ہے کیونکہ اگر خاوند اپنی مرض موت سے قبل بیوی کو طلاق دے دے تو یہ سبب ختم ہو جاتا ہے اور بیوی اپنے سابقہ شوہر کی میراث میں حصہ دار نہیں ہو سکتی۔

ایسے اسباب جنہیں زائل کرنا ممکن نہیں ان کی پھر دو صورتیں ہیں (۱) ان میں توارث ہو گا یعنی جانبین کیلئے وراثت کا استحقاق ثابت ہو گا جیسے خاوند اور بیوی، باپ اور بیٹا، ماں اور اسکی اولاد یہ تمام ایسے تعلقات ہیں جو ختم نہیں ہو سکتے اور طرفین میں سے کسی کی موت سے دوسرے کیلئے وراثت کا حق ثابت ہوتا ہے یہ سبب قرابت کہلاتا ہے۔

(۲) وراثت کا حق جانب واحد سے تو ثابت ہو گا جبکہ دوسری جانب یہ حق ثابت نہیں ہو گا۔ اس کا نام ولاء ہے مثلاً" کسی آقا نے اپنا غلام آزاد کیا پھر وہ کاروبار کرتا رہا حتی کہ کافی جائیداد کا مالک بن گیا اور مرتے وقت مولی عتاقہ (آزاد کرنے والا آقا) کے سوا اس کا کوئی قریبی یا بعیدی

رشتہ دار موجود نہ ہو تو وہ آقا اس کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر آقا کی موت واقع ہو جائے تو وہ آزاد ہونے والا غلام اس کا وارث نہیں بن سکتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وراثت کا حق ایک جانب ہے اور دوسری جانب نہیں۔ مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی ایسی صورت نہیں جسے سبب ارث بنایا جاسکتا ہو (واللہ اعلم بالصواب)

تمت بالخیر

"وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ"

بروز بدھ بمطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

۱۴ جون ۱۹۹۵ء

کتابیات

کتب	مصنفین	مطبوعہ

کتب تفسیر

کتب	مصنفین	مطبوعہ
۱۔ روح المعانی	ابوالفضل السید محمود الآلوسی البغدادی	مصر
۲۔ روح البیان	علامہ اسماعیل حقیؒ	”
۳۔ تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازیؒ	”
۴۔ تفسیر طبری	علامہ محمد بن جریر طبری	”
۵۔ تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	دہلی
۶۔ الجامع لاحکام القرآن	ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی	مصر
۷۔ انوار التنزیل واسرار التاویل	الامام عبداللہ بن البیضاوی	”
۸۔ ضیاء القرآن	ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری	لاہور

کتب حدیث

کتب	مصنفین	مطبوعہ
۱۔ بخاری شریف	الامام علامہ محمد اسماعیل البخاری	
۲۔ مسلم شریف	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری	
۳۔ سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	
۴۔ سنن ابی ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی	
۵۔ سنن نسائی	ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ	
۶۔ مشکوۃ المصابیح	علامہ ولی الدین محمد لطیف العمری	مطبوعہ اسلام آباد
۷۔ جامع ترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی	
۸۔ عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین العینی	مصر
۹۔ مسند امام احمدؒ	امام احمد بن حنبلؒ	بیروت
۱۰۔ مسند امام اعظم	الامام الاعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؓ	
۱۱۔ مرقات	علامہ ملا علی القاری	ملتان
۱۲۔ ریاض الصالحین	ابوزکریا یحیی بن شرف النووی	لاہور
۱۳۔ اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	
۱۴۔ جلاء الافہام	علامہ ابن قیم	

کتب	مصنفین	مطبوعہ
۱۵۔ القول البدیع	علامہ سخاوی	
	کتب فقہ و قواعد	
۱۔ ھدایہ شریف	علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	
۲۔ شرح وقایہ	شیخ عبید اللہ بن مسعود	
۳۔ کنز الدقائق	ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النفسی	ملتان
۴۔ فقہ الاسلام	حسن احمد الخطیب	
۵۔ رد المحتار	علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین	
۶۔ فتح القدیر	علامہ ابن ہمام محمد بن عبد الواحد	مطبوعہ دار الفکر
۷۔ بدائع الصنائع	الامام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاشانی	مصر
۸۔ المبسوط	الامام شمس الدین السرخسی	"
۹۔ الجوہرۃ النیرہ	شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	(ملتان)
۱۰۔ نور الایضاح	علامہ حسن بن علی الشرنبلالی	کراچی
۱۱۔ مراقی الفلاح	علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	"
۱۲۔ بہارِ شریعت	مولانا محمد امجد علی رضوی	
۱۳۔ الاشباہ والنظائر	علامہ تاج الدین عبد الوہاب السبکی	
۱۴۔ الاشباہ والنظائر	زین العابدین بن ابراہیم ابن نجیم	مکۃ المکرمہ
۱۵۔ القواعد	ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن احمد المقری	"
۱۶۔ القواعد الفقہیہ	عبد الوہاب ابو سلیمان	
۱۷۔ شرح المجلہ	سلیم رستم باز البنانی	بیروت
	کتب اصول	
۱۔ نور الانوار	ملا جیون	کراچی
۲۔ اصول الشاشی	علامہ نظام الدین الشاشی	ملتان
۳۔ التلویح	علامہ سعد الدین تفتازانی	
	متفرق کتب	
۱۔ سیرت ابن ہشام	علامہ ابن ہشام	
۲۔ اسلامی سیاست		
۳۔ مقالات سعیدی	علامہ غلام رسول سعیدی	مطبوعہ لاہور

زندگی کے نو بنو پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کا فقیہانہ سلسلہ جناب رسالت مآب ﷺ کے دور مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ اس عمل کی حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اس کے اسالیب کا تعین بھی فرمایا۔ صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد اور اسلاف امت کے ہزاروں زرخیز ذہن اور طباع و دماغ اس کار خیر میں مصروف ہوئے۔ یوں یوں فقہ اسلامی اور اس کے اساسی قواعد کی صورت گری ہوتی چلی گئی۔ غور و فکر کے مختلف دبستان ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اور شریعت اسلامیہ ہر زمانے کے سوالوں سے عہدہ براہ ہوتی رہی۔ زیر نظر مجموعہ فقہ حنفی کے اساسی قواعد پر مبنی ہے۔ حنفی دبستان فکر امت کی اکثریت کے نزدیک قابل قبول ہوا اور صدیوں تک مسلم دنیا کے قوانین کا مدار اسی پر رہا۔ آج کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے ہمارے قانون دانوں اور فقہاء کے لئے حنفیت کے اساسی قواعد کا ایک گہرا ادراک از بس ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ ہم اپنے ماضی سے ایک مستحکم رشتہ استوار کر سکتے ہیں اور نہ ہی مستقبل میں قضایا کے فیصلوں کے خد و خال کو اسلامی رنگ بخش سکتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کچھ یوں بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ کہ فی زمانہ کچھ اغیار کے اٹھائے ہوئے شکوک اور کچھ اپنے مزاج میں در آنے والے احساس کمتری کی وجہ سے ہم اسلامی روایات و اداروں کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو چکے ہیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف کی طرح فقہ اسلامی کا تمام کام بھی ہمیں ''ملوکیت'' کا شاخسانہ دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت ایسا ہے نہیں۔ یاران تغافل کیش یہ الزام دیتے وقت اسلاف امت کی صدیوں کی جانکاہی، استغناء اور حکام وقت سے ان کی مسلسل کشاکش کو بھول جاتے ہیں۔ یا پھر اپنے سطحی مطالعہ کی وجہ سے وہ ان تمام روایات سے نا آشنا ہیں۔ ہمارے دور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم اس کیف سے محروم ہو چکے ہیں کہ ارفع انسانی ذہانت جب تزکیہ، تقوی، طہارت اور صحبت صالحین کے عمل سے گزر کر وحی الہی سے گہری مناسبت پیدا کرتی ہے تو فکر و عمل کی کون کون سی شاہراہیں کشادہ ہو جاتی ہیں اور یہ حکمت ملکوتی اور دانش نورانی کونسے نئے جہان پیدا کرتی ہے۔ ان قواعد کے مرتب محمد انور مگھالوی ایک کہنہ مشق استاد ہیں عصر حاضر کی مقتدر اور معتبر علمی و روحانی شخصیت جناب (جسٹس) پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری سے انہیں نسبت تلمذ و بیعت حاصل ہے اور انہیں کے ادارے دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں مصروف تدریس بھی ہیں۔ فقہ حنفی کے قواعد کی علمی اور عقلی توضیح میں یہ بڑی حد تک کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ ہماری اعلی اور ثانوی عدالتوں کے جج، وکلاء، دینی اداروں کے فقہاء، مدرسین اور طلبہ کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے عام قاری بھی اس مجموعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(زاویہ نشین: محمد رضاء الدین صدیقی)